ابن رشد القرطبی

فقیہ اور فلاسفر

مصنف

محمد زکریا ورک، کینیڈا

﴿ابن رشد القرطبی﴾

فقیہ اور فلاسفر

مصنف

محمد زکریا ورک، کینیڈا

نام کتاب	:	ابن رشد القرطبی
مصنف	:	محمد زکریا ورک، کنگسٹن کینیڈا
سرورق	:	
تاریخ اشاعت	:	2005
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	
ناشر	:	------------------
ملنے کا پتہ	:	zakaria.virk@gmail.com

پیش لفظ

میرے لئے یہ بات نہایت فخر و انبساط کا باعث ہے کہ قریب پچاس سال بعد مرکز فروغ سائنس، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے زیر اہتمام عالم اسلام کی قد آور شخصیت ابن رشد القرطبی کی زندگی اور کارناموں پر کتاب شائع کی جارہی ہے۔

محمد ابن رشد اسلامی سپین کے سب سے عظیم فقیہ، فلاسفر، طبیب، ماہر فلکیات، قانون گو، قاضی ،مصنف، اور ارسطو کی کتابوں کے شرح نگار تھے۔ اسلامی دنیا میں آپ کی شہرت بطور فقیہ اور یورپ میں بطور فلاسفر کے ہے۔ بارہویں صدی سے لے کر سولہویں صدی تک یورپ میں آپ کا طوطی بولتا رہا۔ آپ کے سیاسی، سماجی، علمی، فلسفیانہ نظریات سے اہل یہود اور اہل نصاریٰ نے بہت استفادہ کیا جس سے نشاۃ ثانیہ ممکن ہوئی۔ یورپ کی علمی، سائنسی اور مادی ترقی دراصل آپ کی ارسطو کی شرح کردہ کتابوں کی رہین منت ہے۔

ابن رشد نے نہ صرف عالم اسلام بلکہ یورپ کے بھی قد آور فلاسفر تھے کیونکہ انہوں نے ارسطو جیسے عالم بے بدل کو یورپ میں روشناس کرایا تھا۔ عالم اسلام میں ان کی قدر کی وجہ ان کا رتبہ جہاد ہے۔ جس رنگ میں انہوں نے عقل اور مذہب کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کامیاب سعی کی اس کے باعث ان کو مجتہد اعظم کا لقب بہت زیب دیتا ہے۔

انگلش زبان میں ابن رشد کی سوانح پر کتابیں محدود چند ہیں، جبکہ فرانسیسی زبان میں ارنسٹ رینان کی کتاب کے 1852ء میں منصۂ شہود آنے کے بعد بہت سارا لٹریچر نمودار ہوا۔ اردو زبان میں بھی آپ کی سوانح پر کتابوں کو ہاتھ کی انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں آپ کی سوانح کو سات حصوں میں تقسیم کر کے آپ کی زندگی کے چھپے ہوئے گوشوں کو حتی الامکان سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب میں تمام انگلش اقتباسات کا اردو ترجمہ میں نے کیا ہے اور کسی قسم کی کمی یا بیشی کا میں ہی ذمہ دار ہوں۔

اس کتاب کی تدوین اور تالیف میں جن احباب نے میری مدد اور حوصلہ افزائی فرمائی اگر ان کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ ازحد ناشکر گزاری ہوگی۔ میں پروفیسر سید ابوالہاشم رضوی، ڈاکٹر شاہد حسن، پروفیسر حکیم ظل الرحمٰن، پروفیسر محمد بابوی (کوئنیز یونیورسٹی کنگسٹن)، بشریٰ ورک، کے ناموں کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

میں اس کتاب کو برادران ڈاکٹر محمد اسحٰق ورک، اور چوہدری محمد ادریس ورک کے نام معنون کرتا ہوں جن کے بے لوث پیار، دست شفقت، سایہ عاطفت اور رہنمائی نے مجھ میں کتابوں کی محبت کا شعلہ اجاگر کیا۔

کنگسٹن، کینیڈا۔ 15 ستمبر 2005ء

محمد زکریا ورک

zakariav@hotmail.com

ترتیب

چند اہم تواریخ

1062-1106	یوسف ابن تاشفین جس نے مراکش شہر کی بنیاد رکھی۔ المرابطون دور سلطنت کا بانی 1063-1082
1106-1142	علی ابن یوسف کا دور حکومت جس نے سپین اور مراکش کے درمیان سیاسی اتحاد پیدا کیا
1126	ابن رشد کی قرطبہ میں پیدائش۔ پورا نام ابو ولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد الحفید
1147	مراکش کا زوال، المؤحد دور سلطنت کا آغاز جس کا زوال 1269 میں ہوا
1144-1153	وکالت کے پیشہ سے منسلک اور مقدمات کی دارالقضاء میں سماعت 1153
1148	ابن رشد بائیس سال کے تھے جب مؤحدین نے قرطبہ پر قبضہ حاصل کیا
1153-1154	27 سال کی عمر میں ابن رشد کی مراکش میں آمد، علم ہیئت پر تحقیقی کام
1157	ارسطو کی بارہ کتابوں کی تلخیص لکھی جیسے مختصر فی المنطق، مختصر الشعر
1159	جبل الطارق شہر کی بنیاد رکھی گئی۔ مراکش میں کلیات فی الطب کا پہلا ڈرافٹ تیار کیا
1130-1163	خلیفہ عبد المومن کا دور خلافت ختم ہوا۔
1162	کلیات فی الطب کا پہلا ایڈیشن تیار ہوا۔
1163-1184	خلیفہ ابو یعقوب یوسف کا دور خلافت
1167	کتاب بدایۃ المجتھد تحریر کی، تیاری میں بیس سال لگے۔
1169-1170	ابن رشد کو اشبیلیہ کا قاضی (مجسٹریٹ) مقرر کیا گیا
1172-1182	ابن رشد کو قرطبہ کا قاضی مقرر کیا گیا، کچھ عرصہ بعد قاضی القضاۃ (1180) ارسطو کی مابعد الطبیعات کی شرح لکھی
1182	مراکش کو روانگی۔ ابن طفیل کے بعد ابن رشد ابو یعقوب یوسف کا شاہی طبیب مقرر کیا گیا مگر کچھ عرصہ بعد قرطبہ کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کی تقرری ہونے پر واپسی
1184-1199	خلیفہ ابو یوسف یعقوب المنصور کا دور خلافت، تہافت التہافت مکمل کی (1184)۔
1191	افلاطون کی کتاب الجمہوریہ کی شرح مکمل کی
1194	کلیات فی الطب کا آخری ایڈیشن تیار ہو کر منظر عام پر آیا۔
1195-1197	ابن رشد کا دور ذلت و رسوائی، لوسینا کے شہر میں جلاوطنی کے ایام، فلسفہ کی کتابیں نذر آتش
1198	خلیفہ المنصور نے مراکش جا کر ابن رشد کو بحال کر دیا اور اپنے پاس بلوا لیا۔ دس سمبر کو اس سال ابن رشد کی مراکش میں وفات اور تدفین۔
1199	ابن رشد کی قرطبہ میں تدفین، جنازہ میں محی الدین ابن العربیؒ کی شرکت

ابن رشد کی زندگی کے عالمی واقعات

1126ء ایڈے لارڈ آف باتھ (برطانیہ) نے الخوارزمی کی زج کا ترجمہ کیا، اس کے بعد اس نے الجبرا والمقابلہ کتاب کا ترجمہ عربی سے لاطینی میں کیا۔

1127ء سٹیفن آف انٹیاک Antioch نے علی عباس الجوسی کی کتاب الماکی کا لاطینی میں ترجمہ کیا

1130ء الخوارزمی کی زج کا نیا ایڈیشن جو مسلمہ المجریطی (اندلس) نے تیار کیا ایڈے لارڈ آف باتھ نے اسکا ترجمہ کیا

1140ء سسلی کے شہنشاہ راجر دوم نے حکم دیا کہ میڈیسن کی پریکٹس صرف ایسا ڈاکٹر کرے گا جس نے حکومت سے لائسنس حاصل کیا ہوگا۔ اسلامی ممالک (بغداد) میں ایسے لائسنس تین سو سال قبل جاری ہو چکے تھے۔

1143ء رابرٹ آف چیسٹر نے قرآن مجید کا لاطینی میں پہلا ترجمہ کیا۔ (اگرچہ ترجمہ میں فاش غلطیاں تھیں)

1145ء رابرٹ آف چیسٹر نے الخوارزمی کی الجبرا پر کتاب کا ترجمہ کیا۔ اصفہان کی جمعہ مسجد کا سنگ بنیاد

1150ء اندلس کے مسلمان اسٹرانومر جابر ابن افلاح کی اشبیلیہ میں وفات۔ اس نے کتاب الھیہ میں بطلیموس کی تھیوری آف پلینٹس پر کڑی تنقید کی۔ اس نے ایک ہیت کا آلہ ایجاد کیا جس کا نام Turquet ہے۔

1158ء اٹلی میں یونیورسٹی آف بولونیا کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس کا نصاب اسلامی جامعات کی طرز پر تھا۔

1167ء برطانیہ میں یونیورسٹی آف آکسفورڈ کا آغاز،

1168ء ڈے نیل آف مورلی اور یہودی سکالرز نے کہا کہ یونیورسٹی کے لئے اسلامی علوم کی تعلیم لازمی ہے۔

1170ء جیرارڈ آف کریمونا نے عربی کتابوں کے تراجم لاطینی میں شروع کئے۔ ان کتابوں کے مصنفین الکندی، ثابت ابن قرہ، اسحق ابن حنین، الرازی، الفارابی، بوعلی سینا وغیرہم تھے۔

1173ء سلطان صلاح الدین ایوبی نے دمشق فتح کیا

1172ء اشبیلیہ کی جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا، مسجد کے مینار لا ہیرالڈا (La Giralda) کی تعمیر شروع ہوئی (تکمیل 1184)

1175ء انگلش سکالر مائیکل سکاٹ کی ولادت، آکسفورڈ اور پیرس میں تعلیم مکمل کی، عربی زبان سیکھی اور سسلی میں قیام کے دوران کئی مصنفین (ارسطو، ابن رشد، البطروجی) کی کتابوں کے تراجم کئے۔

1180ء ڈے نیل آف مورلی (برطانوی سکالر) جو اسلامی علوم وفنون سے بہت متاثر تھا۔ اس نے آکسفورڈ، پیرس، اور ٹولیڈو میں تعلیم حاصل کی، عربی کتابوں کے تراجم کئے۔

1185ء آکسفورڈ یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی، ہندوستانی ریاضی دان بھسکر اچاریہ کی اجین میں وفات

1187 جیرارڈ آف کریمونا کی ٹولیڈو میں وفات، اس نے قریب ستر یونانی، عربی کتابوں کا لاطینی میں ترجمہ کیا تھا۔
سلطان صلاح الدین نے یروشلم فتح کیا،

1188ء ایرانی شاعر نظامی نے لیلیٰ و مجنوں رزمیہ نظم مکمل کی۔

1189ء فرانس کے شہر ہیرالٹ (Herault) میں کاغذ کی فیکٹری کا آغاز۔ سپین سے باہر یورپ میں یہ پہلی مل تھی۔
تیسری صلیبی جنگ کا آغاز۔

1193ء سلطان صلاح الدین کی وفات

1195ء ابو یوسف یعقوب نے الفانسو ہشتم کو ٹولیڈو میں شکست فاش دی اور منصور کا خطاب پایا۔

1198ء ابن رشد کی مراکش شہر میں وفات

ابن رشد کے حکیمانہ مقولے

☆ زندگی میں صرف دو دن مطالعہ نہ کر سکا، ایک جس روز میری شادی ہوئی اور دوسرے جس روز میرے باپ کی وفات ہوئی

☆ اگر میں دوستوں کو دوں تو میں نے وہ کام کیا جس کو میرا دل چاہتا تھا، احسان تو یہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے جس کو طبیعت مشکل سے گوارا کرتی ہے۔

☆ علم الاعضاء (اناٹومی) کی واقفیت سے انسان کا ایمان تازہ اور قوی ہو جاتا ہے۔

☆ دوست کی طرف سے جو تکلیف پہنچتی ہے وہ دشمن کی دی ہوئی تکلیف سے زیادہ سخت ہوتی ہے

☆ فلسفہ شریعت کی سہیلی اور اس کی رضاعی بہن ہے۔ Philosophy is the friend & milk sister of Sharia

ان الحكمة هي صاحبة الشريعة ولاخت الرضيعة

☆ ہر پیغمبر فلسفی ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر فلسفی پیغمبر بھی ہو Every prophet is a sage, but not every sage is a prophet

☆ راستی سچائی کی مخالفت نہیں کرتی بلکہ اس کی ہم نوا ہوتی اور اس کے حق میں گواہی دیتی ہے

☆ Knowledge is the conformity of the object and intellect

علم مفعول بہ اور عقل میں تطبیق کا نام ہے

☆ حقیقی مسرت ذہنی اور نفسیاتی صحت سے ہی حاصل ہونا ممکن ہے۔ نفسیاتی صحت اس وقت تک حاصل ہونا ممکن نہیں جب تک لوگ ایسی راہوں پر عمل پیرا نہ ہوں جو آخرت میں خوشی کی طرف لی جاتی ہیں، اور جب تک خدا اور اس کی وحدانیت پر بھی پختہ ایمان نہ ہو۔

☆ God is the order, force and mind of the universe.

خدا اس کائنات کا نظم ونسق، توانائی اور نفس ہے

فصل اول

حالات زندگی

2

محمد ابن رشد اسلامی سپین کے سب سے عظیم فقیہ، فلاسفر، طبیب، ماہر فلکیات، قانون گو، قاضی، مصنف، اور ارسطو کی کتابوں کے شارح تھے۔ لاطینی میں آپ کا نام ایوروس (Averroes) اور سپینش میں ایون روز (Aven Ruiz) تھا۔ اسلامی دنیا میں آپ کی شہرت بطور فقیہ اور یورپ میں بطور فلاسفر کے ہے۔ بارہویں صدی سے لے کر سولہویں صدی تک یورپ میں آپ کا طوطی بولتا رہا۔ آپ کے سیاسی، سماجی، علمی، فلسفیانہ نظریات سے اہل یہود اور اہل نصاریٰ نے بہت استفادہ کیا جس سے نشاۃ ثانیہ ممکن ہوئی۔ یورپ کی علمی اور مادی ترقی دراصل آپ کی ارسطو کی شرح کردہ کتابوں کی رہین منت ہے۔

ابن رشد کا اصل نام محمد اتنا مشہور نہیں جتنی کہ آپ کی کنیت ابن رشد معروف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منصور ابن ابی عامر کے عہد حکومت کے بعد اندلس میں یہ دستور رواج پذیر ہوگیا تھا کہ خاندان میں جس شخص کی پہلے شہرت ہوتی اسی کے جانب اس خاندان کے تمام افراد کے ناموں کا انتساب کیا جاتا۔ اس بناء پر ابن رشد کا انتساب اپنے دادا محمد ابن رشد قرطبی کی جانب کیا جاتا ہے جس کی کنیت ابو ولید اور لقب حفید تھا۔

آپ اسلامی سپین کے دارالخلافہ قرطبہ میں 1126ء میں شمع افروز بزم جہاں ہوئے اور اپنے وجود باجود سے عالم کو روشن کیا۔ دنیا کو اپنے علم سے سات دہائی تک روشن کرنے والا یہ تابندہ ستارہ 10 دسمبر 1198ء مراکش کے ملک میں مطلع فانی سے اوجھل ہوگیا۔ اندلس میں آپ کا خاندان پشت ہا پشت سے علوم وفنون کا مالک چلا آتا تھا۔ آپ کے والد ماجد احمد ایک ذی علم شخص تھے۔ ابن رشد نے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی اور اپنے والد ماجد سے قرآن مجید اور موطا امام مالک کو حفظ کیا۔ اس کے بعد عربی ادب میں کمال حاصل کیا۔ آپ کو ممتاز عربی شعراء متنبی اور حبیب کے دیوان نوک زبان تھے۔ علم فقہ اور حدیث ابن رشد کے خاندانی علم تھے۔ عبدالواحد المراکشی اور الذہبی نے جو ابن رشد کے جو حالات زندگی قلم بند کئے ہیں ان میں آپ کے ننھیال اور والدہ محترمہ کا تذکرہ کہیں بھی نہیں ہوا ہے۔ والد احمد ابن رشد قاضی کے عہدہ پر فائز رہے۔

کسی مورخ نے ابن رشد کے خاندانی نسب کا حال نہیں بتلایا۔ نامور اندلسی مورخ المقری نے نفح الطیب میں لکھا ہے کہ جو لوگ قبیلہ کنانہ کی طرف منسوب ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اور زیادہ تر طلیطلہ میں آباد ہیں اور قاضی ابو الولید انہی لوگوں کی طرف منسوب ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن رشد عربی النسل تھے۔ مزید برآں ابن رشد جب امیر المسلمین عبدالمومن کے دربار میں ابن طفیل کی سفارش سے حاضر خدمت ہوئے تو ابن طفیل نے ان کے تعارف میں ان کے خاندان اور آباء و اجداد کی تعریف کی۔ ابن رشد کے فرنچ بیوگرافر ارنسٹ رینان نے ابن رشد کے عربی النسل ہونے کی جو دلیل دی وہ یہ ہے: عہدہ قضاء جس پر اس کے دادا اور باپ مامور تھے ایسا اہم عہدہ ہوتا تھا کہ جس پر صرف اسلامی قدیم خاندان کے لوگ ہی فائز ہوا کرتے تھے۔ (1)

ایک مغربی مصنف ٹامس گلک کا کہنا ہے کہ ابن رشد کی والدہ سفید فام تھی۔ عرب جب سپین میں وارد ہوئے تو سفید فام عورتوں سے پیدا ہونے بچوں کو موالد کہا جاتا تھا یعنی سفید فام عورت کا بیٹا۔ ایسے القاب بارہویں صدی میں بھی لوگوں کو دئے جاتے تھے۔ اس چیز کا اظہار ابن رشد کی ایک تحریر سے ہوتا ہے۔ ارسطو کی کتاب میٹیورلوجیکا Meteorlogica کی تفسیر لکھتے ہوئے ابن رشد نے کہا کہ سپین کے مقامی باشندوں اور عربوں میں نمایاں فرق ہے یعنی اندلسی لوگوں کے بال سیدھے اور گھنگھریلے کم ہوتے ہیں اور ان کی جلد بھی سفید فام ہوتی ہے بہ نسبت عربوں کے۔ اس کی توجیہہ اس نے آب وہوا کے ذریعہ دی یعنی عرب اور بربر قوم کے لوگ اندلس میں قیام کی وجہ سے جسمانی طور پر مقامی لوگوں جیسے نظر آنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ باہر سے آنیوالوں نے سائنسی علوم کا مطالعہ بھی شروع کر دیا کیونکہ اندلس کی آب ہوا یونان سے ملتی جلتی تھی اس لئے دونوں ممالک کے لوگوں کی ذہنی استعداد بھی ایک جیسی تھی۔ ایسے اندلسی باشندے جو اپنے آباء کا تعلق عربوں سے جوڑتے تھے مگر عربوں سے مشابہت نہیں رکھتے تھے، ان کو اس فرق کیلئے کوئی معقول وجہ جاننا ضروری تھا۔ پھر اس کے علاوہ ابن رشد نے ایک اور جگہہ اسی تفسیر میں لکھا کہ اشرافیت اپنی محنت اور ذہانت سے حاصل کی جاسکتی ہے، یا پیدائشی طور پر بھی ایسا ہوسکتا ہے جیسا کہ اندلس میں اس دور کے عربوں میں ہوتا تھا۔

Islamic and Christian Spain, by Thomas Glick, Princeton New Jersey 1979, page 189

دادا کی سوانح عمری

آپ کے دادا جان محمد بن رشد قرطبی (کنیت ابو ولید) نے بھی خدا داد شہرت حاصل کی۔ آپ مالکیہ مذہب کے امام تھے۔ ان کی پیدائش قرطبہ میں 1058ء میں ہوئی۔ آپ اندلس اور مغرب کے یگانہ روزگار فقیہ اور مفتی اعظم تھے۔ عوام الناس اور تعلیم یافتہ لوگ مشکل مسائل کے حل کے لئے ان سے رجوع کیا کرتے تھے۔ ان کی مذہبی اور اخلاقی حیثیت بھی بہت بلند تھی۔ سفر و حضر میں ہمیشہ جمعہ کا روزہ پابندی سے رکھتے تھے۔ انہوں نے حافظ ابو جعفر بن رزق سے فقہ کی تعلیم مکمل کی۔ ابو عبداللہ بن فرج، ابو مروان بن سراج، ابو العافیہ جوہری سے حدیث سنی اور عذری نے ان کو حدیث کی سند دی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے ایک نامور شاگرد کا نام قاضی عیاض مالکی تھا۔ ابو مروان عبد الملک بن مسرہ اور ابن بشکوال بھی دونوں دادا کے شاگرد رشید تھے۔

انہوں نے متعدد کتابیں زیب قرطاس کیں جیسے فقہ کی **کتاب البیان والتفصیل لما فی المستخرجۃ من التوجیہ والتعلیل** بیس جلدوں میں ہے جس میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے فقہی اختلافات بیان کئے گئے ہیں اور انہوں نے خود محاکمہ کیا ہے۔ اجتہاد کی شان بھی یہ ہے کہ آیات، احکام، اور احادیث کی اصولی واقفیت کے ساتھ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال پر مکمل عبور حاصل ہو، اس نسبت سے محمد بن رشد مجتہدین کی صف میں شامل ہوتے تھے۔ ابن رشد نے اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں دادا کے اجتہاد کی ایک عمدہ مثال پیش کی ہے: قرطبہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ مقتول کے بعض ورثاء بالغ اور شرعاً دعویٰ قصاص کی اہلیت رکھتے تھے اور بعض نابالغ اور غیر مختار تھے۔ یہ مسئلہ جب عدالت میں پیش ہوا تو تمام علما نے فتویٰ دیا کہ چونکہ بعض اولیاء دم چونکہ بالغ ہیں اور ان کو اخذ دیت کا بلا رضامندی قاتل اختیار نہیں اس لئے قصاص میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن محمد بن رشد تنہا اس متفق فیصلے کے خلاف تھے۔ ان کی رائے تھی کہ اس معاملہ میں انتظار کرنا چاہیے تا نابالغ اولیائے دم قصاص لینے کے قابل ہو جائیں۔ ممکن ہے ان کی خواہش قصاص لینے کی نہ ہو۔ یہ رائے سراسر شخصی اجتہاد پر مبنی تھی گو مصلحت اور شریعت دونوں کے لحاظ سے قابل قبول تھی۔ تاہم علما ناراض ہو گئے یہاں تک کہ محمد بن رشد نے

ایک خاص رسالہ لکھ کر اپنی رائے ثابت کی۔

ان کی ایک اور مایہ ناز تصنیف کا نام **کتاب المقدمات لاوائل کتب المدونۃ** ہے۔ اس وقت یہ دونوں کتابیں عنقا ہیں البتہ بارہویں صدی میں قرطبہ کی جامع مسجد کے امام ابن القران نے ان کے فتاویٰ کا مجموعہ مرتب کیا تھا جو پیرس کی امپیریل لائبریری میں موجود ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن رشد روایت پرست نہ تھے بلکہ روایت (تقلید) سے زیادہ ان میں درایت (عقلیت) پائی جاتی تھی۔ درایت کا یہی ورثہ ابن رشد نے اپنے دادا سے پایا تھا۔

دادا محترم محمد ابن رشد کو شاہی دربار میں تقرب حاصل تھا اور امیر المسلمین کو سیاسی و انتظامی معاملات میں اہم مشوروں سے نوازا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ خانہ جنگی کے دوران سرکش لیڈروں نے ان کو خلیفہ کے پاس مراکش میں پیام مصالحت دے کر بھیجا اور وہ اپنے سفارتی مشن میں کامیاب ہو کر واپس لوٹے۔ سیاسی زندگی میں ان کی اصابت رائے کا ایک اور واقعہ یوں ہے کہ کیسٹیل (Castile) کا عیسائی بادشاہ اسلامی علاقوں پر حملہ آور ہوا کرتا تھا۔ ان علاقوں میں آباد عیسائی اس کی مدد کیا کرتے تھے اس لئے وہ ان حملوں میں کامیابی سے ہمکنار ہوتا تھا۔ محمد بن رشد نے پیش آمد ملکی حالات کا جائزہ لے کر 31 مارچ 1126ء کو مراکش کا سفر کیا اور خلیفہ کو مشورہ دیا کہ اسلامی علاقوں میں آباد عیسائیوں کی اندلس سے نقل مکانی کر کے نارتھ افریقہ میں آباد کیا جائے۔ خلیفہ کو یہ سیاسی مشورہ بہت پسند آیا اور یوں ہزاروں عیسائی طرابلس، المغرب اور بربری علاقوں میں آباد کر دئے گئے جس کے نتیجہ میں اندلس میں سیاسی استحکام پیدا ہو گیا۔ آپ کے سیاسی اثر و رسوخ کی مثال کا ایک اور واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب اندلس کے نامور فلاسفر ابن باجہ (لاطینی نام Avempace) پر الموحد حکمران خلیفہ ابراہیم ابن یوسف کے دور میں بدعت و کفر کا الزام عائد ہوا اور اسے پابند سلاسل کیا گیا تو بالآخر اس کو قید سے رہائی محمد بن رشد کی سفارش ہی سے ملی تھی۔

آپ کے دادا جان قرطبہ کی جامع مسجد کے امام الصلوۃ تھے۔ بہت کم سخن، نہایت باحیا اور پاکباز تھے۔ 1121ء میں قرطبہ کے قاضی مقرر ہوئے مگر شہر میں ایک شورش برپا ہونے پر 1125ء میں اس عہدہ سے خود ہی سبکدوش ہو گئے۔ انہوں نے 1126ء میں داعی اجل کو لبیک کہا اور مقبرہ عباس میں آسودہ خاک ہوئے۔ ان کے بیٹے ابو القاسم (احمد ابن رشد) نے نماز جنازہ پڑھائی اور صدیوں افراد نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ آپ کے عظیم المرتبت پوتے کی پیدائش آپ کی وفات سے ایک ماہ پیشتر ہوئی تھی۔

انہیں شاہی دربار میں خاص رتبہ حاصل تھا۔ چنانچہ الدیباج الذہب میں لکھا ہے: **مقدماً عند امیر المسلمین۔ عظیم المنزلۃ معتمداً فی العظائم ایام حیاتہ و الیہ کانت الرحلۃ للتفقہ من اقطار الاندلس مدۃ حیاتہ ۔** وہ بادشاہ کے نزدیک نہایت معزز تھے اور امور سلطنت میں ساری زندگی ان پر اعتماد کیا جاتا تھا۔

لوگ فقہ کا علم حاصل کرنے کیلئے اندلس کے اطراف و جوانب سے عمر بھران کی رحلت تک ان کے پاس آتے تھے۔

دادا اور پوتے میں پانچ باتیں مشترک تھیں: دونوں کا نام محمد تھا۔ جس سال دادا اللہ کو پیارے ہوئے اسی سال پوتے کی پیدائش ہوئی۔ دونوں قاضی القضاۃ کے عہدے پر متمکن رہے۔ دادا نے بھی کتب تصانیف کیں اور پوتے نے بھی۔ دادا کے بیٹے کا نام احمد تھا اور پوتے کے فرزند کا نام بھی احمد تھا۔

ابن رشد کی تعلیم اور اساتذہ

اندلس میں اس دور میں بچوں کی ابتدائی تعلیم کا طریقہ کار یہ تھا کہ بچے کو پہلے قرآن مجید حفظ کراتے تھے۔ اس کے بعد اس کو صرف و نحو اور ادب و انشاء کی تعلیم دی جاتی تھی۔ چونکہ اندلس میں مالکی مذہب رائج تھا اس لئے بچوں کو موطا امام مالک بھی حفظ کرائی جاتی تھی۔ جب طالب علم فنون ادب کی تعلیم مکمل کر لیتا تو اس کے بعد جس فن میں اس کا فطری میلان ہوتا وہ اسے حاصل کرتا تھا۔

ابن رشد کی ابتدائی تعلیم ملک میں رواج شدہ نصاب تعلیم کے مطابق شروع کی گئی۔ انہوں نے اپنے والد ماجد ابو القاسم سے قرآن مجید اور حدیث کی کتاب موطا کو حفظ کرنا شروع کیا۔ اس سے فراغت پانے کے بعد انہوں نے عربی زبان اور علوم ادبیہ کی طرف توجہ کی اور اس میں اتنا کمال حاصل کیا کہ بچپن میں ہی شعر گوئی کرنے لگے۔ تاہم بچپن کے زمانے میں لکھے گئے ان اشعار کو جو اخلاقی غزلیات پر مشتمل تھے بعد میں نذر آتش کر دیا۔ مؤرخ ابن الابار نے لکھا ہے کہ ان کو متنبی اور حبیب کے اشعار نوک زبان تھے اور اکثر محفلوں میں وہ ان اشعار کو برجستہ موقعہ محل کے مطابق پڑھ کر داد تحسین حاصل کرتے تھے۔ ان کو دور جاہلیت کے شعراء کے کلام پر بھی عبور حاصل تھا چنانچہ ان کی تصنیف **کتاب الشعر** میں امراؤ القیس، اعشی، ابو تمام، متنبی اور اصفہانی (الاغانی) کے اشعار بکثرت پائے جاتے ہیں۔

ابتدائی تعلیم سے فرصت ملنے کے بعد انہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ اس زمانے کے اطباء اور فلاسفہ کی سوانح عمریوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ طب و فلسفہ میں مہارت رکھنے کے علاوہ محدث اور فقیہ بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ابن رشد کے دوست، قرون وسطی کے عظیم طبیب ابومروان ابن زہر کو حدیث و فقہ میں عبور حاصل تھا۔ اس وقت فقہ اور حدیث بنیادی تعلیم کا لازمی حصہ خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ فقہ اور حدیث کی تعلیم انہوں نے اپنے وقت کے نامور محدثین حافظ ابن بشکوال، ابومروان عبد الملک، ابو بکر بن سمحون، ابوجعفر بن عبد العزیز، ابوعبد اللہ الماذری اور حافظ ابو محمد بن رزق سے حاصل کی۔ ابن الآبار کا کہنا ہے کہ ابن رشد کو درایہ (سائنس آف لاء) میں زیادہ دلچسپی تھی بجائے روایہ کے (سائنس آف ٹریڈیشن)۔

ابوعبد اللہ ماذری (1139ء) طب و حساب میں مہارت رکھتے تھے۔ فقہ، حدیث اور تحقیق فقہ میں ان کو مجتہد کا رتبہ حاصل تھا۔ انہوں نے شرح صحیح مسلم لکھی جس پر بعد میں آنے والے محدثین جیسے ابن حجر نے اپنی تحقیقات کا سنگ بنیاد رکھا۔ ابومروان عبد الملک بن مسرہ (1155ء) حدیث و فقہ کے علاوہ فن رجال میں ماہر تسلیم کئے جاتے تھے۔

حافظ ابو القاسم ابن بشکوال (1101-1182ء) قرطبہ کا رہنے والا مگر اشبیلیہ میں قاضی کے عہدہ پر مامور تھا۔ وہ اندلس کا ممتاز محدث، ناقد حدیث، اور مؤرخ تھا۔ اس نے پچاس کتابیں لکھیں ورثہ میں چھوڑیں جیسے رواۃ الموطا (موطا امام مالک کے قاری) اور **کتاب الصیلہ فی اخبار آئمۃ الاندلس** جس میں اندلس کے 1541 عالموں، ادیبوں، دانشوروں کا ذکر 1139ء تک کیا گیا ہے۔ کتاب مصنف کی گل افشانی گفتار کا شاہکار ہے جس کے تعارف میں اس نے لکھا کہ یہ کتاب اس نے اپنے مداحوں کی فرمائش پر ابن الفرضی کی کتاب تاریخ علماء اندلس کے تکملہ کے طور پر لکھی تھی اسی لئے اس کتاب کا فارمیٹ (رسم و طریقہ) الفرضی کی تاریخ علماء اندلس جیسا ہے۔ دونوں کتابوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا۔ کئی عالموں نے ذیل کتاب الصیلہ کے طور پر کتابیں رقم کیں۔ اشبیلیہ میں وہ ابن رشد اور ابو بکر ابن العربی کے تنقیح ساز تھا۔ اندلس کی ثقافتی تاریخ پر وہ اتھارٹی مانا جاتا تھا جس کے پیش نظر اس کو ملک کے علمی حلقوں میں بڑی وقعت حاصل تھی۔ (2)۔ کتاب الصیلہ میڈرڈ سے دو جلدوں میں 1883ء میں شائع ہوئی تھی)

ابن رشد نے اس کے علاوہ اصول، علم کلام کی تعلیم بھی حاصل کی لیکن ان علوم میں ان کے اساتذہ کے اسماء نامعلوم ہیں۔ طب اور یونانی علوم (منطق، فلسفہ) کی تعلیم کیلئے انہوں نے ابومروان بن جریول اور ابوجعفر ابن ہارون الترجالی (Trujillo) سے اکتساب علم کیا۔ الترجالی کا تعلق اشبیلیہ کے معزز خاندان سے تھا اور شہر کے سرکردہ افراد میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ بطور فلاسفر وہ حکمت کے علوم (فلسفہ، منطق) میں کمال رکھتا تھا اور حکمائے متقدمین (ارسطو، افلاطون) کی کتابوں کا ماہر تھا۔ بطور طبیب اس کو معالجہ میں کمال حاصل تھا۔ اس کی سپیشلٹی آنکھوں کے عوارض (صنعت الکحل) کا علاج تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بچے کی آنکھ کے ڈھیلے میں لکڑی کا چھوٹا ٹکڑا گھس گیا مگر الترجالی نے اللہ کی نصرت سے اس کا ایسا شافی علاج کیا کہ بینائی بحال ہو گئی۔ الموحد خلیفہ ابو یعقوب یوسف کے دربار میں اسے خاص مقام حاصل تھا۔ فقہ کے معاملات میں وہ ابو

بکر ابن عربی کا شاگرد تھا۔ ابن رشد نے طب کا اکتساب علم الترجالی ہی سے کیا۔ (3)

ابن رشد نے خاندانی علوم (فقہ و حدیث) کی تحصیل کے بعد طب، فلکیات، ریاضی، میوزک، زوآلوجی، اور فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ کی اور فطری استعدادوں کے طفیل بغیر کسی مزید کوشش کے طب اور فلسفہ میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ اس وقت اسلامی سپین میں فلسفہ و منطق کی تعلیم کا رواج ہو چکا تھا اور علما و عوام کی مخالفت کے باوجود طالب علم یہ علوم بڑے شوق سے حاصل کر تے تھے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ فلسفہ (علوم الحکمیہ) کی تعلیم ابن رشد نے اندلس کے سب سے عظیم فلسفی ابو بکر ابن باجہ (1138-1100ء) سے حاصل کی تھی۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ ابن رشد نے ابن باجہ کی شاگردی کی تھی۔ مگر یورپ کے مؤرخین اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ابن رشد کی پیدائش 1126ء میں ہوئی جبکہ ابن باجہ کی وفات 1138ء میں ہوئی۔ اس امر کے پیش نظر ابن رشد کی عمر ابن باجہ کی رحلت کے وقت بارہ برس تھی جو کہ فلسفہ جیسے دقیق علم کے حصول کے لئے موزوں عمر نہیں ہے۔ محمد لطفی جمعہ تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں لکھتے ہیں: "یہ یقینی ہے کہ ابن باجہ ابن رشد کے گھر آیا جایا کرتا تھا، اس لئے اگر اس نے بچے سے گفتگو کر لی ہو یا اس سے کوئی سبق یا قصیدہ سن لیا ہو تو یہ کوئی دور کی بات نہیں ہے۔ یہ واقعہ یا اس قسم کے جو واقعات بار بار پیش آئے وہ ابن رشد کی طرف منسوب ہو جانے کا سبب ہو گئے" (4)

اس زمانے میں مسلمان علوم کو دو حصوں میں تقسیم کرتے تھے: اول علوم نقلیہ (عرب اور اسلامی، قرآن کی تفسیر، علم حدیث) اور دوم علوم عقلیہ (یونانی اور غیر عرب، فلسفہ، ریاضی)۔ جو شخص علوم نقلیہ کا ماہر ہوتا تھا وہ عالم کہلاتا تھا (جمع کا صیغہ علما) اور علوم عقلیہ کا ماہر شخص حکیم کہلاتا تھا (جمع حکماء)۔ اس لئے **حکمہ** سے مراد فلسفہ ہے یا پھر یونانی علوم کا علم۔ متقدمین حکمائے اسلام فلسفے کو حکمت اور حکمت کو خیر کثیر گردانتے تھے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے ومن یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ اس لئے جو قوم حکمت کی قدر نہیں کرتی وہ کفران نعمت کا ارتکاب کرتی ہے جس کا نتیجہ ناکامی ہوتا ہے۔ حکمت اپنی حقیقت میں نور معرفت ہے جو انسان کی شخصیت میں حسن و کمال پیدا کرتی ہے۔ قرآن کا ایک نام حکیم اسی لئے ہے کیونکہ یہ علم و حکمت کے انمول خزانوں سے معمور ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اسلام سے قبل دینی علما کا یہ عقیدہ تھا کہ دین کے معاملے میں عقل سے کام لینا گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، روایت جو کہے وہی سچ ہے چاہے عقل و حکمت کی رو سے یہ فیصلہ گمراہ کن ہی کیوں نہ ہو۔ یوں جب عقل کی اہمیت کا احساس جاتا رہا تو علوم زوال پذیر ہو گئے۔ یہ قرآن حکیم ہی تھا جس نے علم و حکمت کی روشنی میں دین و دنیا کے ہر گوشے میں عقل و حکمت سے کام لینے کی تلقین کی۔

دینی علوم کے علاوہ انہوں نے ریاضی، علم فلکیات، منطق، فزکس، طب کی تعلیم بھی قرطبہ کے مقبول اساتذہ سے حاصل کی مگر ان کے اسماء گرامی معلوم نہیں۔ عجیب بات ہے کہ ابن رشد نے اپنے اساتذہ میں سے کسی ایک کا بھی ذکر اپنی کتابوں میں نہیں کیا۔ قرطبہ اس وقت علوم حکمیہ (عقلیہ) کا مرکز تھا جبکہ اشبیلیہ آرٹس کیلئے مشہور تھا۔ ابن رشد اور ابن زہر کے درمیان اکثر علمی موضوعات پر مباحثہ (debate) ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ دونوں میں اس موضوع پر مباحثہ ہوا کہ قرطبہ اور اشبیلیہ میں سے کون سا شہر اچھا ہے؟ دونوں نے دلائل پیش کئے، ابن رشد نے قرطبہ کے علمی، ادبی اور سائنسی ماحول کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "جب کوئی عالم اشبیلیہ کے شہر میں رحلت پا جاتا ہے تو اس کی کتابیں قرطبہ بھیج دی جاتی ہیں اور جب کوئی گویا (مغنی) قرطبہ کے شہر میں موت کی گود میں جاتا ہے تو اس کے آلات موسیقی اشبیلیہ بھیج دئے جاتے ہیں"۔

آپ کے تلامذہ

اندلس میں بچوں کو تعلیم اس وقت مسجد میں دی جاتی تھی۔ شاگرد زمین پر دائرہ بنا کر بیٹھتے اور استاد کسی اونچی جگہ (کرسی) پر ایستادہ ہوتا تھا، اس کو حلقہ کہا جاتا تھا۔ یورپ میں یونیورسٹیوں میں چیئرز (chairs) قائم کرنے کا رواج اسی کرسی کی یادگار ہے۔ جب طالب علم تعلیم مکمل کر لیتا تو اسے اجازہ (licence) دیا جاتا، یورپ میں ڈگری اسی کی یادگار ہے۔ گریجویٹ طالب علم پگڑی پہنتے تھے یورپ میں ہوڈ (hood) اسی کی یادگار ہے۔ اعلیٰ تعلیم والے (گریجویٹ) استاد کے قریب ہوتے اور مبتدی پیچھے بیٹھتے تھے۔ ابن رشد کے دادا محترم قرطبہ کی جامع مسجد میں درس دیا کرتے تھے اس لئے ممکن ہے ابن رشد بھی قرطبہ کی کسی مسجد میں درس دیتے ہوں گے۔ اس زمانے میں درس کا طریق عموماً یہ ہوتا تھا کہ استاد کسی خاص مسئلہ پر تقریر کرتا، شاگرد تقریر کے دوران سوالات کرتے جاتے اور جو کچھ استاد بتاتا شاگرد اس کو زیب قرطاس بھی کر لیتے تھے۔ یہی لیکچر نوٹس بعد میں کتابی صورت میں شائع کئے جاتے تھے۔ ابن رشد کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی زبانی لیکچر دیا کرتے تھے چنانچہ علم کلام کی دو کتابیں انہوں نے اسی طرح قلم بند کیں۔ ارسطو (384-322BC) کی بعض شرحوں کا انداز بیان بھی خطیبانہ ہے، وہ بھی چل پھر کر لیکچر دیا کرتا تھا۔

فقہ و حدیث میں ابن رشد کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ پورے اندلس میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ متعدد تلامذہ نے آپ سے زانوئے تلمذ طے کیا جیسے ابو بکر بن جہور، ابو محمد بن حوط اللہ، سہل بن مالک، ابو الربیع بن سالم، ابو القاسم بن طیلسان، ابن بندود کے نام تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ آپ فلسفہ، منطق، طب اور علم کلام پر بھی لیکچر دیتے تھے۔ طب و فلسفہ میں آپ کے نامور تلامذہ میں سے کتاب تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں احمد بن جعفر صادق اور ابو عبد اللہ الندرومی کے نام دئے گئے ہیں۔

آپ کے دوست اور ہم عصر

ابن رشد کا خاندان قرطبہ کے نامور اشراف اور باعزت خاندانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا صغر سنی ہی سے اچھی اور اعلیٰ سوسائٹی میں تھا۔ شہر کے لوگ خاندان کے تمام افراد کو سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ یاد رہے کہ اندلس میں امیر المسلمین کے سیاسی عہدہ کے بعد قاضی القضاۃ کا عہدہ دوسرے نمبر پر شمار کیا جاتا تھا۔ گویا امیر یا خلیفہ کی غیر موجودگی وہ اس کا نائب اور حکمران وقت ہوتا تھا۔ آپ کے دادا کا نام نہ صرف ان کی تصنیفات بلکہ ان کے عہدہ جلیلہ کی وجہ سے پورے اندلس میں عرف عام تھا۔

ابن زہر، ابن طفیل اور ابن رشد میں دانت کاٹی دوستی تھی۔ ابن طفیل اور ابن زہر کا خاندان جاہ و حشمت اور علم و فضل کی دولت سے مالا مال تھا۔ خاندان بنی زہر میں عبد الملک (ابو مروان) ابن زہر اور ابو بکر ابن زہر ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اس خاندان کا جد امجد ابو الاعلیٰ ابن زہر (1130ء) اشبیلیہ کا رہنے والا نہایت معزز محدث، طبیب، مصنف اور فقیہ تھا۔ اس کے فرزند دلبند عبد الملک (ابو مروان ابن زہر Avenzoar 1162) نے مشرق کے اسلامی ممالک میں جا کر طب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ ایک عرصہ مصر میں طبابت کے بعد وہ اندلس واپس لوٹا اور اشبیلیہ میں طبابت شروع کی۔ جارج سارٹن نے اسے گریٹیسٹ کلی نیشن آف اسلام اینڈ مڈل ایجز کہا ہے۔ ابو مروان کے بعد اس کا لخت جگر ابو بکر ابن زہر (1199-1110ء) بھی کامیاب ادیب نغز گو شاعر، اور طبیب تھا۔ باپ کی زندگی میں وہ اس کے ہمراہ امیر عبد المومن کے شاہی دربار میں ملازم رہا اور اس کی وفات پر امیر عبد المومن نے اسے اپنا پرسنل فزیشن مقرر کیا۔ پھر طبابت اس خاندان کا چھ نسلوں تک موروثی پیشہ رہا اور کئی افراد خاندان خلفاء کے شاہی طبیب مقرر ہوئے۔ (5)

ابن رشد دوستوں پر جان چھڑکتے تھے اور ارسطو کے اس مقولہ پر صدق دل سے یقین رکھتے تھے: "ہر نئی چیز اچھی ہوتی ہے مگر دوستی جتنی پرانی ہو عمدہ اور مضبوط ہوتی ہے۔" شاعر نے کیا خوب کہا ہے: اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا۔ بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے۔ جب ان کی پروفیشنل لائف شروع ہوئی تو سب سے پہلے ان کے نیاز مندانہ تعلقات طبیب حاذق ابو مروان ابن زہر (1162-1092ء) سے قائم ہوئے۔ دونوں میں اس قدر چھڑ گئی کہ جب ابن رشد نے 'کلیات فی الطب' مکمل کی تو ابن زہر سے فرمائش کی کہ وہ بھی طب پر ایک کتاب لکھے تا دونوں کی کتابیں اس فن پر انسائیکلو پیڈیا قرار دی جائیں۔ چنانچہ ابن رشد کلیات میں رقم طراز ہیں:

> "میں نے اس تصنیف میں فن طب کے امور کلیہ کو جمع کر دیا ہے اور ایک ایک عضو کے امراض کو الگ الگ بیان نہیں کیا ہے کیونکہ اس کی کچھ ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ باتیں امور کلیہ سے مستنبط ہوتی ہیں، لیکن جب کبھی مجھے ضروری امور سے فرصت ہوئی تو میں اس موضوع پر کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال ابو مروان زہر کی کتاب التیسیر اس کے لئے کافی ہے جو میری فرمائش پر اس نے قلم بند کی ہے۔"

طب میں پر ابن زہر کی 'کتاب التیسیر فی المدوہ والتدبیر' کے علاوہ اس کی دو مشہور و معروف کتابیں کتاب الاغذیہ، کتاب الاقتصاد فی اصلاح الانفس والاجساد ہیں۔ آپ دنیا کے پہلے پیراسٹالوجسٹ (parasitologist) تھے کیونکہ کتاب التیسیر میں خارش (scabies) کی نشاندہی اور وجوہات آپ نے پہلی بار بیان کیں۔ فن طب میں آپ کی قابل ذکر کنٹری بیوشن دو قسم کے گلٹیوں (Tumors) کی نشاندہی کی وجہ سے ہے:

اول: الاورام التی تحدث فی الغیشہ الذی یقسم الصدر طولا ان tumors produced in the membrane that separates the length of the chest

دوم: الاورام فی الغیشہ القلب tumors of the membrane of the heart

ابن رشد (قاضی) اور ابو بکر ابن زہر (ڈاکٹر) میں نیاز مندانہ تعلقات کی تین وجوہات تھیں: ہم پیشہ، ہم منصب اور پرانے خاندانی تعلقات۔ ابن رشد دوستی کے رشتہ اخوت کو بہت اہمیت دیتے تھے فرماتے دوست کی طرف سے جو تکلیف پہنچتی ہے وہ دشمن کی دی ہوئی تکلیف سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ (فصل المقال صفحہ 25)

ابو بکر ابن طفیل کی پیدائش بارہویں صدی کے ابتداء میں اور وفات 1185ء میں ہوئی۔ آپ بے مثل طبیب، ریاضی داں، اور خوش گو شاعر ہونے کے ساتھ فلسفہ کی تمام شاخوں پر قدرت رکھتے تھے۔ اندلس کے محققین نے کثیر تعداد میں آپ سے زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔ ارسطو کی کتابوں کی تشریح و تلخیص کا جو کام اندلس کے عظیم فلاسفر اور سائنسداں ابن باجہ نے شروع کیا تھا وہ ادھورا رہ گیا تھا۔ خلیفہ ابو یعقوب یوسف نے اس تحقیقی کام کو مکمل کرنی کی خواہش کا اظہار ابن طفیل سے کیا جو پیرانہ سالی کی وجہ سے خود نہ کر سکتے تھا اس لئے انہوں نے یہ مشکل علمی کام ابن رشد جیسے ابھرتے ہوئے نوجوان عالم فاضل کو سونپ دیا۔

ابن طفیل نے طبعیات، الٰہیات اور فلسفہ جیسے دقیق موضوعات پر خامہ فرسائی کی اور ایک رسالہ نفس پر نیز دو کتابیں طب پر لکھیں۔ ابن طفیل اور ابن رشد کے درمیان علمی اور فلسفیانہ مسائل پر جو خط و کتابت ہوئی تھی اس کو بھی اس کی تصنیفات میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کی تمام تصنیفات میں سے ایک کتاب حی بن یقظان کی وجہ سے اس کا

نام امر ہو گیا۔ اس کتاب نے تاریخی اور فلسفیانہ طور پر بہت مقبولیت حاصل کی۔ فرنچ، انگلش، جرمن، سپینش، ڈچ اور اردو زبانوں میں اس کے لاتعداد تراجم شائع ہوئے۔ عربی میں کتاب کا ایک نسخہ کنگسٹن (کینیڈا) کی پبلک لائبریری میں بھی ہے جو بیروت سے شائع ہوا تھا۔ حی بن یقظان کے لکھنے کا مقصد بہت اعلیٰ و اشرف تھا مصنف کے نزدیک ایک ترقی یافتہ تمدن کیلئے صرف عقلی اور کشفی علوم کافی نہیں بلکہ اخلاقی اور مذہبی علوم کی بھی ضرورت ہے۔ ابن طفیل نے اس کتاب کے ذریعہ حکمت، طریقت، اور شریعت تینوں میں مطابقت پیدا کرنے کی عمدہ کوشش کی ہے۔ جارج سارٹن کا کہنا ہے کہ ابن طفیل اور ابن رشد کے بغیر مغربی اسلام بلاشبہ فلسفہ کا صحرا ہوتا۔

اندلس کے ممتاز صوفی، عہد ساز فقیہ، اور فاضل مصنف شیخ الاکبر محی الدین ابن العربیؒ (1165-1240ء) سے بھی ابن رشد کے ذاتی تعلقات تھے۔ جب ابن رشد قرطبہ کے قاضی تھے تو انہوں نے ان سے ایک بار درخواست کی کہ میں آپ جناب سے تصوف کے چند مسائل پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں لیکن ابن العربیؒ نے بحث کرنے سے انکار کر دیا۔ جس سال ابن رشد کا انتقال ہو پر ملال ہوا، اسی سال ابن العربی (عمر 23 سال) مشرق کے اسلامی ممالک کی سیاحت کو روانہ ہوئے۔ ابن العربی بنفس نفیس ابن رشد کے جنازہ میں شریک ہوئے اور تجہیز و تکفین کے بعد مراکش میں سے ہوتے ہوئے مصر پہنچے۔

تاریخ کی کتابوں میں ابن العربیؒ اور ابن رشد کے درمیان خود ابن العربیؒ کی زبانی ایک ملاقات کا حال یوں بیان ہوا ہے: "میں نے وہ دن ابو ولید ابن رشد کے گھر قرطبہ میں گزارا۔ اس نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ مجھ سے ملاقات کا متمنی ہے کیونکہ وہ میرے بعض الہامات سن چکا تھا جو مجھ پر کنج عزلت میں نازل ہوئے تھے اور جن کو سن کر اس نے حیرت و استعجاب کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ اس بات کے پیش نظر میرے والد جو اس کے قریبی دوستوں میں سے تھے کوئی تجارتی معاملہ طے کرنے کے بہانے مجھے اپنے
ساتھ اس کے گھر لے گئے تا وہ مجھ سے متعارف ہو جائے۔ اس وقت میں بغیر ڈاڑھی کے نوجوان لڑکا تھا۔ جونہی میں گھر میں داخل ہوا، فلاسفر اپنی جائے سے میرا خیر مقدم کرنے کے لئے محبت اور تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، اور مجھے سینے سے لگا لیا۔ پھر اس نے مجھے "ہاں" کہا اور اطمینان کا اظہار کیا کہ میں اس کا مدعا سمجھ گیا ہوں۔ میں نے اس کے برعکس اس کی نیت جان کر کہ کیوں کر وہ خوش ہوا، جواباً کہا "نہیں"۔ یہ سن کر ابن رشد مجھ سے ذرا ادھر ہو گیا، اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور وہ شک میں مبتلا ہو گیا جو کچھ اس نے میرے بارے میں سوچا تھا۔ اب اس نے مجھ سے سوال کیا: تم نے کشف و الہام اور عارفانہ تجلی سے کس عقدے کا حل تلاش کیا ہے؟ کیا یہ عقل و تدبر سے حاصل ہونے والے حل سے میل کھاتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں اور نہیں، مثبت اور منفی کے درمیان مادہ کے ماوراء روحیں پرواز کرتی ہیں، اور گردنیں اپنے جسموں سے خود کو الگ کر لیتی ہیں۔

یہ سن کر ابن رشد کا رنگ زرد پڑ گیا، میں نے اس کو تھرتھراتے دیکھا اور یہ فقرہ اس کے لبوں پر تھا لا غالب الا اللہ۔ وہ جان گیا تھا جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا۔۔۔ اس کے بعد اس نے میرے والد سے مجھ سے دوبارہ ملنے کی خواہش کی تا وہ مجھے بتلا سکے میری بات کا جو وہ مطلب سمجھ سکا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ جو اس نے سمجھا آیا وہ وہی تھا جو میرے کلام کا مقصد تھا یا کچھ اور۔ وہ ارباب فکر اور اصحاب نظر و عقل میں سے رجل عظیم تھا۔ وہ خدا کا شکر بجا لایا کہ اس کی زندگی میں اس کو ایسا شخص دیکھنے کا موقعہ ملا جو گوشہ خلوت (چلہ) میں جہالت کی حالت میں داخل ہوا اور بغیر (تحقیق) مطالعہ، بغیر بحث و مباحثہ اور تحقیقات کے بعد کندن بن کر نکلا۔"

ابن العربیؒ کی ایک اور ملاقات ابن رشد سے کشف کی حالت میں ہوئی: "ایک باریک پردہ میرے اور اس کے درمیان اس طرح تھا کہ میں تو اس کو دیکھ سکتا تھا مگر وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا، نیز وہ میری موجودگی سے بالکل بے خبر تھا۔ وہ اس قدر منہمک تھا کہ اس نے میری طرف بالکل توجہ نہ کی اور میں نے خود سے کہا اس آدمی کا اس راستہ پر قدم رنجہ ہونا مقدر نہیں جس پر میں گامزن ہوں۔" (6)

شاہی دربار سے تعلقات

ابن رشد کے نصیب کا ستارہ موحدین کی سلطنت میں بام عروج کو پہنچا جن کا پہلا حکمران خلیفہ عبدالمومن بن علی تھا جس نے بتیس سال 1130-1163ء تک حکومت کی۔ موحدین سلطنت کے جملہ حکمرانوں میں سے وہ پہلا فرمانروا تھا جس نے فلسفیانہ علوم میں خاص دلچسپی کا عملی طور پر اظہار کیا۔ اس نے اپنے شاہی دربار میں اندلس کے دیو قامت فلسفی اور حکیم جیسے ابن باجہ، مروان ابن زہر، ابن طفیل جمع کئے ہوئے تھے۔

خلیفہ عبدالمومن کے دربار میں ابن رشد کی رسائی کا قصہ کچھ یوں ہے کہ عبدالمومن کی حکومت سے پہلے سکولوں کی عمارتیں خاص طور پر تعمیر نہیں کی جاتی تھیں بلکہ اندلس میں بچوں کو تعلیم صرف مساجد میں دی جاتی تھی لیکن عبدالمومن نے تعلیم کو عام رواج دینے کے لئے مدارس قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس تجویز کو عملی جامہ دینے کے لئے اس کو چند منجھے تعلیمی مشیروں کی ضرورت تھی جو خود عالم فاضل ہونے کے ساتھ ماہر تعلیم بھی ہوں۔ عبدالمومن کی نظر انتخاب ابن رشد پر پڑی جو اس کی نظر میں اس اہم تجویز کو عملی جامہ دینے کی اہلیت و صلاحیت رکھتا تھا۔ ابن رشد کو 1153ء میں مراکش طلب کیا گیا۔ وہاں پہنچنے پر خلیفہ کو جب اس کی تبحر علمی محققانہ لیاقت، علمی کمالات، روشن خیالی

،وسعت علم اور وسیع النظری کا علم ہوا تو اسے شاہی دربار کے خاص الخاص مصاحبوں (ایڈوائزرز) میں شامل کر لیا۔

عموماً اٹھارہ سال کے نوجوان کسی نہ کسی پیشہ سے منسلک ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ابن رشد جب اٹھارہ سال کے ہوئے تو کون سا پیشہ اپنایا؟ تاریخ میں اس بارہ میں کچھ نہیں ملتا۔ البتہ قرین قیاس ہے کہ چونکہ آپ کے والد محترم قرطبہ کے قاضی تھے اس لئے آپ بھی مقدمات لے کر ان کی عدالت میں حاضر ہوتے ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ قرطبہ کی شاہی لائبریری جس میں چار لاکھ نادر کتابیں تھیں وہاں کتابوں کے مطالعہ میں وقت گزارتے ہوں کیونکہ ان کا مطالعہ خاصا وقیع تھا۔ کتابیں پڑھنے سے دماغ کو مہمیز لگتی ہے، جس کسی کو ایک دفعہ مطالعہ کا نشہ لگ جائے تو جب تک وہ کتاب یا رسالہ پڑھ نہ لے یہ نشہ دور نہیں ہوتا۔ نیز کتابیں علم و عرفان کا سرچشمہ ہوتی ہیں اور بعض شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ طب میں آپ کا علم کتابی حد تک محدود تھا۔ علم وہ دولت ہے جو خرچ ہونے سے بڑھتی ہے، خدا اس دولت میں برکت دیتا ہے جو مخلوق خدا کے لئے خرچ کی جائے۔

ابن رشد نے جب ستائیس سال کی عمر میں مراکش کا سفر کیا تو وہ اس وقت علم فلکیات کے بعض مسائل کی تحقیقات میں مصروف تھے لیکن وہاں جا کر بھی ستارہ بینی اور مشاہدات فلکی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اس چیز کا ذکر انہوں نے ارسطو کی ایک کتاب کی شرح میں کیا ہے۔

خلیفہ عبدالمومن کا فلسفیانہ علوم کی طرف فطری رجحان تھا، اس نے اپنے کتب خانے میں کثیر تعداد میں بیش قیمت فلسفیانہ کتابیں جمع کی ہوئی تھیں۔ اس کے دربار میں فلسفی بھی حاضر رہتے تھے جن میں سب سے ممتاز ابن طفیل تھا۔ ابن طفیل ہی کی بدولت دیگر نامور فلاسفر بھی وہاں جمع ہوئے تھے۔ ایک روز خلیفہ عبدالمومن نے فلسفیانہ مسائل پر گفتگو کے دوران ابن طفیل سے کہا "ارسطو کا فلسفہ بہت دقیق ہے اور مترجمین نے ترجمے کوئی عمدہ نہیں کئے۔ کاش کوئی شخص آمادہ ہو جائے تو اس کا خلاصہ تیار کر کے اس کو قابل فہم بنا دے"۔ ابن طفیل نے خلیفہ کی اس خواہش کا ذکر ابن رشد سے کیا اور کہا اب در من میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں، امیر المومنین کی خدمت سے فرصت نہیں ملتی کہ ایسا علمی کام کر سکوں، میں خوب جانتا ہوں تم اس کام کو بخوبی سرانجام دے سکتے ہو۔ ابن طفیل کی نگہ انتخاب ابن رشد جیسے قابل جوہر پر پڑی، دراصل اس نے ابن رشد میں چھپے گوہر کو پہچان لیا تھا اس لئے اس نے اپنے قابل رفیق اور شاگرد کو اس جانب توجہ دلائی کہ چونکہ ارسطو کی جتنی شرحیں آج تک کی گئیں ہیں وہ تمام کی تمام مبہم اور ناقابل فہم ہیں اس لئے تم کو یہ علمی خدمت انجام دینی چاہئے۔ ابن رشد اس علمی منصوبہ پر آمادہ ہو گئے اور اسی دن سے ارسطو کی کتابوں کی شرحیں لکھنی شروع کر دیں۔

خلیفہ عبدالمومن نے جب 1163ء میں اس دنیائے فانی سے کوچ کیا تو اس کا چھوٹا بھائی ابو یعقوب یوسف سریر آرائے خلافت ہوا۔ ابو یعقوب یوسف بلند حوصلہ خلیفہ اور بذات خود فاضل اجل تھا۔ وہ تیغ و قلم کے دونوں میدانوں میں یکتائے زمانہ تھا۔ علوم عربیہ میں اس کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ صحیح بخاری کے کئے حصے اس کے نوک زبان تھے۔ حافظ قرآن ہونے کے علاوہ فقہ میں مہارت رکھتا تھا۔ طب میں بھی اس کو کمال حاصل تھا۔ فلسفہ کا اس کو خاص ذوق تھا۔ فلسفہ کی کتابیں کثیر تعداد میں اس کی شاہی لائبریری کی زینت تھیں۔

ابن طفیل خلیفہ ابو یعقوب کے دربار میں بھی فلسفیوں کا سردار (سائنٹفک ایڈوائزر) تھا۔ ابن طفیل نے شاہی دربار میں فلسفہ کے ائمہ فن جمع کئے ہوئے تھے۔ اب تک ابن رشد کو فلسفیانہ حیثیت سے زیادہ شہرت حاصل نہ تھی لیکن ابو یعقوب یوسف کے دربار میں پہنچ کر ان کی علمی حیثیت لوگوں پر بطور فلسفی کے عیاں ہوئی۔ ابن رشد نے یہ واقعہ اپنے ایک شاگرد سے کچھ اس طرح بیان کیا جسے عبدالواحد مراکشی نے اپنی تصنیف 'المعجب فی تلخیص اخبار المغرب' میں رقم کیا ہے:

> "جب میں دربار میں داخل ہوا تو ابن طفیل وہاں حاضر تھا۔ اس نے امیر المومنین یوسف کے حضور مجھ کو پیش کیا اور میرے خاندانی اعزاز، میری ذاتی لیاقت، میرے ذاتی اوصاف کو اس رنگ میں بیان کیا جس کا میں مستحق نہ تھا۔ لیکن اس سے میرے ساتھ اس کی مخلصانہ محبت و عقیدت کا اظہار ہوتا تھا۔ پھر یوسف میری طرف مخاطب ہوا، پہلے میرا نام و نسب پوچھا پھر فوراً یہ سوال داغ دیا کہ حکماء افلاک کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ یعنی ان کے نزدیک عالم کائنات قدیم ہے یا حادث؟ یہ سوال سن کر مجھ پر خوف کی حالت طاری ہو گئی اور میں نے بہانے تلاش کرنے شروع کر دئے۔ میں نے عرض کیا کہ میں فلسفہ سے واقف نہیں ہوں۔ خلیفہ یوسف میری بدحواسی کو تاڑ گیا اور ابن طفیل کو مخاطب ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو شروع کر دی۔ ارسطو، افلاطون اور دیگر حکمائے متقدمین نے جو کچھ اس مسئلہ پر کہا ہے اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا پھر متکلمین اسلام نے حکماء پر جو اعتراضات کئے ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کئے۔ یہ دیکھ کر مجھ پر خوف کی جو حالت طاری تھی وہ ختم ہو گئی۔ لیکن مجھے تعجب ہوا کہ خلیفہ یعقوب یوسف علوم عقلیہ میں اتنی دستگاہ رکھتا تھا جو طبقہ علما میں بھی شاذونادر کسی کو حاصل ہوتی ہے حالانکہ

علما اس قسم کی بحثوں میں اکثر مصروف رہتے ہیں۔ اب یوسف نے میری طرف توجہ مبذول کی تو میں نے مکمل آزادی کے ساتھ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جب میں دربار سے رخصت ہونے لگا تو انہوں نے مجھ کو نقد مال، خلعت، ایک گھوڑا اسواری کا، اور بیش قیمت گھڑی بطور انعام کے عنایت کی"

ابن رشد نے یہ جو کہا کہ ابن طفیل نے میرے ذاتی اوصاف اس رنگ میں بیان کئے جس کا میں مستحق نہ تھا دراصل انہوں نے کسر نفسی سے کام لیا تھا کیونکہ ابن طفیل اس بات سے خوب آگاہ تھا کہ ابن رشد 1157ء سے لے کر 1163ء تک ارسطو کی بیس کے قریب کتابوں کے جوامع لکھ چکے تھے۔ جیسے فزکس، مابعد الطبیعات، اور منطق کا مجموعہ (آرگانان)۔ پھر طب پر ان کی محققانہ تصنیف 'الکلیات فی الطب' 1162ء میں منظر عام پر آئی تھی۔ اس لئے وہ اپنی ذات میں ایک مسلمہ طبیب، فلاسفر اور شارح ارسطو کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ شاید خلیفہ ابو یعقوب یوسف ابن رشد سے ارسطو کے فلسفہ کی شرح و تلخیص اس لئے کرانا چاہتا تھا تا مغرب میں اس کو وہی فضیلت حاصل ہو جائے جو خلیفہ مامون الرشید کو مشرق میں حاصل تھا۔ ابن رشد اور ابن طفیل میں گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ ابن طفیل چونکہ گوہر شناس تھا اس لئے اس کی دور رسا عقل، اور دور اندیشی کے طفیل ابن رشد سے وہ علمی کارنامہ انجام پذیر ہوا جس کے باعث وہ تین صدیوں تک یورپ کے لاطینی حلقوں میں آفتاب نیم روز کی طرح چمکتے رہے۔ ابن طفیل ابن باجہ کا شاگرد ہونے کے ساتھ اس کا مقلد تھا۔ چنانچہ وہ اپنے فلسفیانہ ناول 'حی ابن یقظان' میں ابن باجہ کی تصانیف کے تذکرہ میں ابن رشد کا ذکر درج ذیل الفاظ میں کرتا ہے:

و اما من جاء بعد هم من المعاصرين لنا نهم بعد في حد التزايد والوقوف على غير كمال اولمن لم تصل الينا حقيقه

ابن باجہ کے بعد جو فلاسفہ ہمارے معاصر ہیں وہ ابھی دور تکون میں ہیں اور کمال کو نہیں پہنچے ہیں اور اس بناء پر ان کی اصلی قابلیت کا اندازہ ابھی نہیں ہو سکتا

یہاں ہمارے معاصر میں اشارہ ابن رشد کی طرف ہے۔ اسی حسن ظن کی بناء پر ابن طفیل نے ابن رشد کو یوسف بن عبدالمومن کے دربار میں رسائی دلوائی تھی۔

خلیفہ ابو یعقوب یوسف کے دربار میں پذیرائی اور قدر شناسی کے بعد ابن رشد کی دنیوی ترقی اور علمی فضیلت کا دور شروع ہوا اور وہ شہرت کے پروں پر اڑنے لگے۔ جب ان کو 1169ء میں اشبیلیہ کا قاضی (مجسٹریٹ) مقرر کیا گیا تو انہوں نے قرطبہ سے اشبیلیہ میں رہائش اختیار کر لی۔ شرح کتاب الحیوان کے چوتھے باب میں جو آپ نے اس سال مکمل کی، آپ نے قاضی کے فرائض بیان کئے، اور معذرت طلب ہوئے کہ اگر کتاب میں سہو و خطا ہو گئی ہو تو معافی کا امید خواہ ہوں کیونکہ عہدہ قضا کی مصروفیتوں سے فراغت ہی نہیں ملتی۔ نیز میرا کتب خانہ بھی قرطبہ میں ہے اور حوالوں کے لئے مطلوبہ کتابیں اس وقت یہاں موجود نہیں۔ تین سال بعد یعنی 1172ء میں قرطبہ واپس منتقل ہوئے۔ غالباً اسی سال انہوں نے ارسطو کی کتابوں کی ایسی شرحیں لکھنی کیں جو تنوع مضامین اور وسیع معلومات کے پیش نظر شرح بسیط کہلاتی ہیں جبکہ اس سے پہلے جو شرحیں لکھیں وہ مختصر (epitome) ہوتی تھیں۔

ابن رشد کو جتنا علمی شوق تھا وہ اسی قدر کثیر الاشغال بھی تھے لیکن اس کثیر الاشغالی میں بھی تصنیف و تالیف کا کام ہمہ وقت جاری رہتا تھا۔ علمی کاموں کے لئے دماغی سکون، ارتکاز، نجی امور، عائلی مسائل سے فرصت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن دربار سے تعلقات اور کورٹ کے چیف جسٹس ہونے کے ناطے آپ معمولات زندگی میں از حد مصروف مبتلا رہتے تھے۔ خود ان کی دلی خواہش تھی کہ دنیا کے کاموں سے فارغ ہو کر تمام وقت صرف اور صرف علمی کاموں میں صرف کریں لیکن ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔ اپنی تصنیفات میں انہوں نے شکایت کی ہے کہ میں فرائض منصبی کے پیش نظر بہت مجبور ہوں، اتنا وقت نہیں کہ تصانیف اور شرحوں کے کام سکون خاطر سے سرانجام دے سکوں۔ علم فلکیات کی مشہور و معروف کتاب مجسطی کی تلخیص میں انہوں نے لکھا کہ میں نے صرف اہم مطالب لئے ہیں کیونکہ میری حالت بالکل ایسے شخص جیسی ہے جس کے مکان میں آگ لگی ہو اور وہ اضطراب کی حالت میں مکان کی قیمتی اشیاء کو باہر نکال نکال کر پھینک رہا ہو۔ عدالت کے کاموں کے سلسلہ میں ان کو دور و نزدیک شہروں کے لمبے لمبے سفر بھی کرنے پڑتے تھے، آج مراکش میں تو کل قرطبہ میں اور پھر دوبارہ افریقہ کا سفر۔ لیکن اس دوران بھی ترجمہ و تالیف کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ یاد رہے کہ دس سال تک 1172-1182ء آپ قرطبہ میں قاضی کے عہدہ پر فائز رہے۔

کتاب البیان اور کتاب الالٰہیات 1174ء میں دونوں اکٹھی لکھنا شروع کیں لیکن اس دوران صاحب فراش ہو گئے، زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ اس خیال کے پیش نظر پہلی کتاب کو چھوڑ کر کتاب الالٰہیات کو مکمل کرنا شروع کر دیا۔ 1178ء میں ان کو مراکش کا سفر کرنا پڑا تو یہاں رسالہ جواہر الکون زیب قرطاس کیا۔ کچھ ماہ بعد آپ کو اشبیلیہ واپس آنا پڑا تو یہاں علم کلام میں دو جلیل القدر کتابیں یعنی فصل المقال اور کشف عن مناہج الادلہ (1179ء) قلم بند کیں۔

1182ء میں ابن طفیل کی وفات کے بعد خلیفہ یوسف نے ان کو مراکش بلوا کر اپنا رائیل فزیشن مقرر کیا۔ خلیفہ آپ کی خدمات سے اتنا خوش تھا کہ اسی سال محمد بن مغیث کی رحلت پر انہیں قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ یوں شاہی طبیب ہونے کے باعث ان کو مراکش میں قیام کرنا پڑتا تھا تو دوسری جانب چیف جسٹس ہونے کے باعث اندلس کے تمام اضلاع کا دورہ کرنا پڑتا تھا۔ یہ ان کی دنیوی ترقی میں آخری منصب تھا جس پر ان کے دادا محترم اور والد ماجد بھی سرفراز رہ چکے تھے۔

نو سال کے عرصہ 1178-1169ء میں آپ ارسطو کی کتابوں کی تلاخیص اور شروح متوسط لکھتے رہے۔ ہاں 1180-1174ء کے دوران آپ نے اپنی اوریجنل کتابیں لکھیں جیسے فصل المقال، کشف عن المناہج، اور تہافت التہافت۔ شروح بسیط (تفاسیر) آپ نے اس کے بعد لکھنا شروع کیں۔

خلیفہ ابو یعقوب یوسف کی وفات پر اس کا نور نظر یعقوب منصور (1199-1184ء) تخت نشین ہوا جو نہایت دین دار، عالم باعمل تھا۔ وہ پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتا تھا۔ اس کے دور خلافت میں موحدین کی حکومت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ اس نے عیسائیوں کو شکست دے کر اندلس کے کھوئے ہوئے اضلاع واپس لے لئے بلکہ ایک وقت میں تو وہ ان کے دارالخلافہ طلیطلہ (Toledo) پہنچ گیا۔ وہ فقہ و حدیث میں مہارت رکھتا تھا اس نے فقہاء کو حکم دیا تھا کہ وہ کسی امام کی تقلید نہ کریں بلکہ خود اجتہاد سے فیصلے کریں۔ عدالتوں میں جو فیصلہ کیا جاتا تھا وہ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس کی روشنی میں کیا جاتا تھا۔

خلیفہ منصور نے بھی اپنے باپ کی طرح ابن رشد کی بہت قدر دانی کی بلکہ اس کے عہد میں ابن رشد کو اتنی قدر و منزلت حاصل ہوئی جتنی اس سے پہلے کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ابن رشد کو خلیفہ المنصور کی ندیمی کا بھی فخر حاصل تھا کیونکہ خلیفہ فرصت کے اوقات میں آپ کے ساتھ بے تکلف ہو کر علمی مسائل پر گفتگو کیا کرتا تھا۔ یہ بے تکلفی اتنی بڑھ گئی کہ گفتگو کے دوران ابن رشد منصور کو اسمع یا اخی کہہ کر مخاطب ہوتا تھا۔

عمر کے آخری حصہ میں ابن رشد قرطبہ میں زیادہ وقت علمی مشاغل میں گزارتے تھے۔ 1195ء میں خلیفہ منصور کو اطلاع ملی کہ عیسائی بادشاہ الفانسو ہشتم (AlphonsoVIII) اندلس کے اسلامی علاقوں میں فساد ڈال کر مسلمانوں کی بستیوں کو لوٹ رہا ہے تو الفانسو کے مقابلہ کے لئے مہم پر جانے کے لئے قرطبہ سے روانہ ہونے سے قبل اس نے ابن رشد کو بلوایا اور سر آنکھوں پر بٹھایا۔ قصر شاہی میں افسران حکومت کی جو نشست گاہیں مقرر تھیں ان میں عبد الواحد ابی حفص جو خلیفہ منصور کا داماد اور ندیم خاص تھا اس کی کرسی تیسرے نمبر پر تھی مگر ابن رشد اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور خلیفہ منصور نے ان کو اپنے پہلو میں جگہ دی اور دوستانہ رنگ میں بے تکلفانہ باتیں کیں۔ جب ابن رشد شاہی دربار سے باہر قدم رنجہ ہوئے تو دوست احباب ان کے منتظر تھے، سب نے اس سرافرازی پر ان کو ہدیہ تبریک پیش کیا لیکن ابن رشد نے کہا کہ یہ مبارکباد کا موقعہ نہیں کیونکہ امیر المومنین نے میری توقع سے بڑھ کر عزت افزائی ہے۔ شاید اس خاطر مدارت اور تقرب کا برا انجام ہو۔ یہاں ان کے اعداء بھی موجود تھے جنہوں نے شہر میں بے پر کی خبر اڑا دی کہ امیر المومنین نے ان کے قتل کا حکم دیا ہے۔ اس لئے ابن رشد نے اپنے خادم سے کہا کہ وہ گھر میں جا کر کہہ دے کہ ان کے گھر پہنچنے سے قبل بٹیر، کبوتر بھون کر تیار رکھیں۔ اس امر میں یہ پیغام پنہاں تھا کہ اہل خانہ کو ان کی خیر و عافیت کی اطلاع ہو جائے۔

خلیفہ سے ابن رشد کا یہ تقرب اور بے تکلفی ان کے دشمن اور سفلی حاسد ایک آنکھ نہ دیکھ پائے۔ جیسا کہ ابن رشد نے اس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ شاید یہ تقرب برے نتائج پیدا کرے بلکل ایسا ہی ہوا۔ حاسدوں نے خلیفہ منصور سے ان کے ملحد و بے دین ہونے کی شکائتیں کیں تا ابن رشد اس کی نظر میں گر جائے۔ بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور ابن رشد نے زندگی کے آخری چار سال ذلت و رسوائی کی حالت میں گزارے۔ خلیفہ نے ان کو قرطبہ کے قریب یہودیوں کی بستی لوسینا (Lucena) میں نظر بند کر دیا۔ کہتے ہیں کہ مصیبت سے زیادہ کوئی بڑا استاد نہیں ہوتا، اس ابتلاء نے ابن رشد کی جی بھر تربیت کی۔ فی الحقیقت ان کی شخصیت کا نکھار آلام روزگار کا ہی مرہون منت تھا۔

رسوائی کے اسباب

خلیفہ ابو یوسف یعقوب المنصور مطلق العنان بادشاہ تھا۔ جو لوگ شاہی دربار میں بارسوخ اور بادشاہ کے قریب ہوتے ہیں ان کی جان ہر وقت سولی پر چڑھی رہتی ہے کہ اگر بادشاہ کی نظر عنایت پھر گئی تو ان کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بادشاہ کسی اصول زندگی کے پابند نہیں ہوتے، ان کے یہاں ہر وقت سازشیوں کا مجمع لگا رہتا ہے، ہر کوئی مطلب براری کے لئے تگ و دو میں لگا رہتا ہے۔ سازشیوں کا مقصد سلطنت کی حفاظت کے بجائے مذہب کی آڑ میں اپنے اعداء کو زک پہچانا ہوتا ہے۔ اکثر لوگ سازش کی اصل غرض کو جان نہیں سکتے۔ ابن رشد اس حقیقت سے بخوبی باخبر تھے اسی لئے آپ نے کہا تھا کہ یہ خوشی کا موقعہ نہیں بلکہ رنج کا موقعہ ہے کیونکہ یہ تقرب شاید برے نتائج پیدا کرے۔

خلیفہ منصور جس نے ابن رشد کی اس قدر عزت افزائی کی تھی وہی اس کی رسوائی کا باعث ہوا۔ یہ ایک دلفگار واقعہ ہے اس لئے مورخین نے اس کے اسباب پر چھان بین اور تحقیق کے بعد جن وجوہات کو ممکن قرار دیا ہے وہ کچھ اس طرح ہیں:

(1) علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ ابن رشد جب خلیفہ کے دربار میں جاتا تھا تو دونوں میں بے تکلفی کی وجہ سے کسی علمی مسئلہ پر بحث کے دوران اس کو **اسمع یا اخی** کہہ کر مخاطب ہوتا تھا۔ یہ بات خلیفہ منصور کے دل میں کھٹکتی تھی۔

(2) خلیفہ ابو یوسف یعقوب (لقب منصور) کا بھائی ابو یحیٰ جو قرطبہ کا گورنر تھا اس کے ساتھ ابن رشد کے دوستانہ مراسم تھے۔ شاید ابو یحیٰ کے ساتھ اس کی بے تکلفی خلیفہ منصور کو ناگوار گزری ہو۔ یا یہ وجہ ہو کہ منصور اپنے بھائی کے ساتھ ناراض تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اس کا مقرب اس کے بھائی کے ساتھ میل جول رکھے۔

(3) ایک دفعہ قرطبہ کے منجمین نے پیش گوئی کہ فلاں دن ہوا کا ایک ایسا طوفان آئے گا کہ تمام لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ اندلس میں یہ پیش گوئی جب زبان زد عام ہوئی تو عوام الناس اس قدر وحشت زدہ ہو گئے کہ گھروں میں تہ خانے کھود لئے۔ قرطبہ کے گورنر نے شہر کے علما جن میں قاضی قرطبہ ابن رشد بھی شامل تھا گورنر ہاؤس میں بلوا کر اس موضوع پر گفتگو کی کہ ستاروں کے اثر کے تحت اس طوفان کے متعلق ان کی کیا رائے ہے؟ گفتگو کے دوران شیخ ابو محمد عبد الکبیر نے کہا کہ اگر ہوا کا یہ طوفان واقعی آگیا تو قوم عاد کے بعد یہ دوسرا تباہ کن طوفان ہوگا۔ اس کی یہ رائے سن کر ابن رشد سیخ پا ہو گئے اور کہا کہ خدا کی قسم قوم عاد کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ چونکہ یہ قرآن مجید کی آیت کریمہ 54:19 کا صریح انکار تھا اس لئے قاضی شہر کی یہ رائے سن کر محفل میں موجود علما چراغ پا ہو گئے۔

(4) ابن رشد کے دشمنوں نے جو اس کی ہمسری کا دعوی رکھتے تھے منصور کی خدمت میں اس کی فلسفیانہ کتابوں کی بعض تلخیص پیش کیں۔ ایک کتاب میں ابن رشد کے ہاتھ کا لکھا بعض قدمائے فلاسفہ کا یہ قول موجود تھا کہ زہرہ سیارہ دیوتا ہے۔ خلیفہ منصور نے ابن رشد کو دربار میں طلب کیا اور مذکورہ کتاب کو غصہ سے اس کے سامنے پھینک کر پوچھا کیا یہ تمہاری تحریر ہے؟ ابن رشد نے تردید کی۔ اس پر خلیفہ منصور نے کہا اس تحریر کے لکھنے والے پر خدا کی لعنت ہے اور تمام حاضرین سے کہا وہ بھی لعنت بھیجیں۔ اس کے بعد

اس نے ابن رشد کو ذلت آمیز طریقے سے رخصت کیا اور حکم جاری کر دیا کہ جو لوگ فلسفیانہ بحثوں میں مشغول ہیں ان کو فوراً جلاوطن کر دیا جائے۔ ایک اور فرمان یہ بھی جاری کیا گیا کہ لوگ فلسفیانہ علوم کا مطالعہ بلکل ترک کر دیں، فلسفہ کی تمام کتابیں نذر آتش کر دی جائیں۔ اس فرمان شاہی پر فوراً عمل کیا گیا اور ابن رشد کی فلسفہ اور منطق کی کتابیں قرطبہ کے ایک بازار کے چوک میں جلائی گئیں۔ یہ روایت شمس الدین ذہبی کی کتاب العبر میں موجود ہے۔

(5) ابن رشد نے جب ارسطو کی کتاب الحیوان کی شرح لکھی تو اس میں جملہ جانوروں کے ذکر میں زرافہ کے متعلق لکھا کہ میں نے اس جانور کو شاہ بربر (ملک البربر، ذومعنی ہے بربر قوم کا بادشاہ یا وحشیوں کا بادشاہ) یعنی منصور کے باغ میں دیکھا ہے۔ یہ طریقہ خطاب خلیفہ منصور کی صریح توہین تھی امیر المومنین کی بجائے خلیفہ منصور کو شاہ بربر کا خطاب ناگوار گزرا۔ ابن رشد نے صفائی پیش کی کہ پڑھنے والے نے اس لفظ کو غلط پڑھا ہے میں نے **ملک البرین** لکھا ہے یعنی دو خطوں سپین اور مراکش کا بادشاہ۔ یہ توضیح قابل قبول سمجھی گئی۔ مگر آپ کے دشمنوں نے آپ پر الحاد اور بے دینی کا جو الزام لگایا تھا اس کی بناء پر یہ معاملہ قومی اور مذہبی صورت اختیار کر گیا۔ منصور نے حکم دیا کہ ابن رشد مع شاگردوں اور پیروکاروں کے مجمع عام میں حاضر کیا جائے۔ دربار لگانے کے لئے جامع مسجد قرطبہ کا انتخاب کیا گیا۔ خلیفہ نے اس غرض سے اشبیلیہ سے قرطبہ کا خاص سفر کیا۔ قرطبہ کی جامع مسجد میں ایک عام اجتماع ہوا جس میں بڑے بڑے علماء اور فقہا شریک ہوئے اور آپ پر فرد قرارداد جرم لگائی گئی۔ سب سے پہلے قاضی ابو عبد اللہ بن مروان نے تقریر کی اور کہا کہ اکثر چیزوں میں نفع اور نقصان دونوں موجود ہوتے ہیں لیکن جب نفع کا پہلو نقصان کے پہلو پر غالب آجاتا ہے تو اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے ورنہ ایسی چیز ترک کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد خطیب مسجد ابو علی بن حجاج نے فتوٰی دیا کہ ابن رشد ملحد اور بے دین ہو گیا ہے۔ تب ابن رشد اور چند دیگر فضلاء ابو جعفر ذہبی، ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم قاضی، ابو الربیع الکفیف، ابو العباس، حافظ الشاعر القرابی کو قرطبہ سے کچھ دور لوسینا کی بستی اور دیگر مقامات پر نظر بند کر دیا گیا۔ کچھ بھی ہو جو سلوک ماضی میں الکندی، ابن سینا اور ابن باجہ جیسے حکماء زمانہ سے حکمرانوں نے کیا تھا وہی سلوک ابن رشد سے روا رکھا گیا۔ یہ کافر و زندیق کا خطاب ان کو مرنے کے بعد بھی بہت مہنگا پڑا کیونکہ اسلامی ممالک میں آپ گمنام ہی رہے اور کسی نے آپ کی تصنیفات عالیہ سے استفادہ نہ کیا۔

مشہور مؤرخ انصاری کی روایت درج ذیل ہے:

يقال ان من سبب نكبة ان قال فى كتاب الحيوان ان له و "رايت الزرافه عند ملك البر بر و ان ذالک وجد بخطه فاوقف عليه المنصور فهم بسفک دمه"

ابن رشد کی بربادی کا ایک سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنی کتاب حیوان میں زرافہ کے ذکر میں لکھا کہ میں نے اس جانور کو بربادشاہ کے یہاں دیکھا ہے۔ یہ عبارت خود اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، منصور کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ ابن رشد کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔

خلیفہ منصور نہایت فخر پسند اور جاہ پسند تھا لہذا یہ روایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اسے بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اشبیلیہ کی جامع مسجد کا بلند مینار، فن تعمیر کا عمدہ نمونہ جواب ہیرالڈا ٹاور (Geralda Tower) کہلاتا ہے وہ اسی نے تعمیر کروایا تھا۔ نیز مراکش شہر کی قطبیہ مسجد کا دیدہ زیب مینار بھی اسی نے بنوایا تھا۔ ایک اور واقعہ سے بھی اس بات کی تقویت ملتی ہے۔ 1191ء میں جب صلیبی فوجوں نے یورپ سے شام اور فلسطین کی طرف رخ کیا تو صلاح الدین ایوبی نے منصور سے فوجی مدد مانگی۔ خط میں صلاح الدین نے منصور کو امیر المسلمین کے خطاب سے مخاطب کیا تھا اس لئے منصور کو یہ طرز خطاب ناگوار گزرا اور مدد دینے سے انکار کر دیا۔ صلاح الدین کا قصور یہ تھا کہ اس کو امیر المسلمین تسلیم نہیں کیا لیکن ابن رشد اسے شاہ بربر کہہ کر قیامت برپا کر لی، اس سے زیادہ توہین کیا ہو سکتی تھی۔

جس محفل میں خلیفہ منصور یہ یہ اطلاع دی گئی اس میں ابن رشد کا دوست ابوعبداللہ اصولی بھی موجود تھا۔ اس نے کہا کہ ابن رشد پر غلط الزام لگایا گیا ہے دراصل اس نے لکھا ہے کہ میں نے اس جانور کو ملک البرین (دونوں ممالک، اندلس اور مراکش) کے بادشاہ کے یہاں دیکھا ہے۔ اصولی کی یہ دلیل اس وقت تو پسند کی گئی اور منصور اپنا غصہ دبا گیا لیکن اس کے بعد جب ابن رشد گرفتار کیا گیا تو اس کے ساتھ ابوعبداللہ اصولی کو بھی گرفتار کر کے لیانہ کی بستی میں جلاوطن کر دیا گیا۔

(6) بعض کا کہنا ہے کہ جتنی روایتیں اوپر بیان ہوئی ہیں ان میں سے ایک بھی ابن رشد کی رسوائی کا سبب نہ تھا بلکہ یہ وہ واقعات ہیں جو اس کی ذلت و رسوائی کے وقت ظہور پذیر ہوئے۔ اصل بات یہ ہے کہ خلیفہ منصور اس وقت بادشاہ الفانسو ہشتم کے خلاف جہاد میں مصروف تھا۔ مالکی فقہ کے علما کا اس وقت ملک میں اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا۔ اسے علماء کی مکمل حمایت کی ضرورت کے علاوہ ملک کے اندر سیاسی استحکام کی بھی ضرورت تھی۔ علما کے سیاسی اثر اور زور کا اندازہ کرتے ہوئے وقتی طور پر خلیفہ منصور نے یہی مناسب جانا کہ شاہی فرمان جاری کر دے کہ لوگ فلسفیانہ علوم کی تعلیم کو ترک کر دیں اور ایسی تمام کتابیں نذر آتش کر دی جائیں۔ نیز علما کی آتش غضب کو کم کرنے کے لئے چند فلسفیوں کو جلاوطن کر دیا۔ بہت ممکن ہے کہ خلیفہ کو یہ بات ناگوار گزری ہو کہ افسران حکومت اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی بجائے فلسفہ کے مسائل سلجھانے میں مصروف ہیں۔

سر ٹامس آرنلڈ کا کہنا ہے اور پروفیسر مانٹ گمری واٹ نے بھی اس امر کی تائید کی ہے کہ علمائے وقت کا سیاسی اثر ملک میں گہرا تھا، وہ کہتے ہیں:

The Almohads had at times to make concessions in order to retain the goodwill of the jurists is perhaps a pointer to the most serious weakness of the Almohads - the lack of popular support. (7)

(7) ممتاز مؤرخ ابن خلدون نے خلیفہ منصور کے سلسلہ غزوات کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ 1197ء میں اشبیلیہ واپس آیا تو قاضی ابوولید ابن رشد کے متعلق اس کی خدمت میں ایسے مقالے پیش کئے گئے جن سے اس کی بے دینی اور بدعقیدگی ثابت ہوتی تھی۔ ان میں بعض مقالے خود اس کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے اس لئے منصور نے اس کو قید کر دیا (ابن خلدون، کتاب العبر، جلد ششم صفحہ 245)

(8) ابن رشد کے فرنچ بیوگرافر ارنسٹ رینان کی رائے میں خاندان بنو رشد کے لوگ اپنے اندلسی ہونے پر فخر کرتے تھے اور عربوں کو نیچی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کے نزدیک اندلسی عربوں میں ارفع خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے عرب اور بربر اقوام کی انرجی اور اعلیٰ اقدار کو اپنا کر اندلس کی علمی فضاء کو مزید تقویت دی۔ اس امر کا ذکر ابن رشد نے افلاطون کی کتاب جمہوریہ کی شرح (1194ء) میں کیا تھا۔ اس دور میں اور اب بھی حکمراں طبقہ اشراف پر تنقید کرنا گویا آ بیل مجھے مار کے مترادف تھا۔ بہر حال رینان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ان کی نظر بندی کا سبب قطعی طور پر سیاسی نوعیت کا تھا۔

خلیفہ منصور کا شاہی فرمان

خلیفہ منصور کے شاہی فرمان کو اس کے کاتب (سکریٹری) ابوعبداللہ ابن عیاش نے نہایت مقفّی و مسجع عبارت میں لکھا تھا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے: قدیم زمانے میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جو وہم کے پیروکار تھے۔ لیکن ان کی عقل کے کمال کی وجہ سے عوام ان کے گرویدہ ہو گئے۔ ان لوگوں نے ایسی کتابیں لکھیں جو شریعت سے اسی قدر دور تھیں جس قدر مشرق و مغرب میں بعد ہے۔ ان لوگوں (فلاسفروں) کی تقلید میں اسلام میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو اہل کتاب سے زیادہ نقصان دہ تھے۔ ان کے علم کا زہر ملک میں پھیلنے لگا تو ہم نے ایک مدت تک تعرض کیا لیکن اس سے ان کی ہمت اور بڑھ گئی۔ آخر کار ہمیں ان کی چند ایسی ذلت آمیز کتابیں ملیں جو بظاہر قرآن مجید کی آیات سے آراستہ تھیں لیکن ان کا باطن الحاد سے بھرا ہوا تھا۔ ایسے لوگ وضع قطع، زبان اور ظاہر طور پر تو مسلمان تھے لیکن ان کا باطن مسلمانوں سے مختلف تھا۔ جب ہمیں ان کی خلاف شریعت باتیں معلوم ہوئیں تو ہم نے ان کو دربار سے نکال دیا، ان کے جلاوطن کئے جانے کا حکم جاری کیا، ان کی کتابیں جلوادیں کیونکہ ہم مسلمانوں کو ان کے قریب سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ اے میری رعایا ایسے لوگوں کے گروہ اس طرح خوف کھاؤ جس طرح لوگ زہر سے ڈرتے ہیں۔ جو شخص ان کی کتابوں کو کہیں دیکھے ان کو آگ میں ڈال دے۔ اے خدا تعالیٰ ہمارے ملک کو ملحدوں کے فتنہ سے محفوظ رکھ اور ہمارے دلوں کو کفر کی آلودگی سے پاک کر۔ آمین

خلیفہ منصور نے اس فرمان کے بعد فلسفہ، منطق اور حکمت کی کتابوں کو نذر آتش کئے جانے کا انتظام کیا اور یہ اہم ذمہ داری حفید ابو بکر بن زہر کے سپرد کی۔ منطق و حکمت کی تعلیم پر بھی قدغن لگا دیا گیا۔ اگر کوئی ان کے مطالعہ میں مشغول پایا جاتا تو مورد سزا ٹھہرتا۔ کتب فروشوں نے منطق و فلسفہ کی کتابیں اکھٹی کرنی شروع کردیں اور جلد ہی اندلس ایسی کتابوں سے صاف ہوگیا۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے 1106ء میں امام الغزالیؒ کی فلسفہ کی کتابوں کو بھی اندلس میں جلایا گیا تھا۔ علم ریاضی اور علم ہیئت کی کتابیں اس حکم سے مستثنیٰ تھیں کیونکہ اسلامی رسومات و عبادات بشمول سمت قبلہ کے تعین میں ان علوم کی ضرورت پڑتی تھی۔

جلاوطنی کے تین سالوں میں ابن رشد پر کیا بیتی؟ قفس میں آپ کے کیا مشاغل تھے؟ نظر بندی کے دوران آپ کی دماغی حالت کیسی رہی؟ کیا تصنیف و تالیف کا شغل جاری رہا؟ ان امور کی تفصیل کتابوں میں زیادہ نہیں ملتی لیکن اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ جلاوطنی کے زمانے میں ان کو بہت مصائب جھیلنے پڑے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ابن رشد لوسینا کی بستی سے فاس بھاگ گئے وہاں لوگوں نے ان کو پکڑ کر جامع مسجد کے دروازے پر کھڑا کر دیا تا کہ جو لوگ مسجد کے اندر جائیں یا جب باہر نکلیں وہ ان پر تھوکتے جائیں۔ ان کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا کوئی شخص ان سے ملاقات نہیں کرسکتا تھا۔ عوام نے ان کو نشانہ تضحیک بنایا۔ مؤرخ انصاری نے ابو الحسن ابن قطرال کی روایت سے ایک واقعہ درج کیا ہے جو کہ ابن رشد کا اپنا بیان ہے:

حدثنا ابو الحسن بن قطرال عن ابن رشد انه قال اعظم ما طرا علی فی النلبة انی دخلت ان و ولدی عبد الله مسجد القرطبة ما قد حانت صلوة العصر فتارلنا بعض سفلة العاملة فا خرجنا منه

(ترجمہ) اس زمانہ میں سب سے زیادہ تکلیف مجھے اس وقت ہوئی جب میں اور میرا بیٹا عبد اللہ دونوں قرطبہ کی ایک مسجد میں نماز عصر ادا

13

کرنے کے لئے گئے تو لفنگوں نے ہمیں شور و غل برپا کر کے مسجد سے نکال دیا۔

کچھ بھی ہو ابن رشد کے دشمنوں کو شماتت کا موقع نصیب ہوگیا تھا۔ ابھی کچھ تھا ابھی کچھ ہے۔ وہ عوام الناس کی نظروں میں گر گئے۔ شعراء نے طنز آمیز اشعار لکھے ان شعراء میں سے مشہور سیاح ابن جبیر اندلسی کے (مصنف رحلہ) چند اشعار یہاں دئے جاتے ہیں:

الآن قد ایقن ابن رشد ان توالیف توالف

اب تو ابن رشد کو یقین آ گیا کہ اس کی تالیفات تلف ہوگئیں

یا ظالماً نفسه تامل هل تجد الیوم من توالف

اے وہ شخص جس نے اپنے اوپر ظلم کیا غور کرو کہ اب تو کسی کو اپنا دوست پاتا ہے

لم تلزم الرشد یا بن رشد لما علا فی الزمان جدك

اے ابن رشد جب تیرا زمانہ تھا تو تو نے رشد و ہدایت کی پابندی نہیں کی

و کنت فی الدین ذراء یا ما هکذا کا ن فیه جدك

تو نے مذہب کے متعلق ریاکارانہ طریقہ اپنایا تیرے دادا کا یہ طریق نہ تھا

نفذ القضاء با خذ کل ممده متفلسف فی دینه متز ندق

تقدیر نے ہر طمع ساز فلسفی کو مذہب سے ملانے والے زندیق کو گرفتار کرادیا

بالمنطق اشتغلو فقیل حقیقه ان البلاء مر کل بالمنطق

وہ منطق میں مشغول ہؤا اور یہ بات سچ ثابت ہوئی کہ مصیبت کی جڑ منطق ہے

ایک اور شاعر نے یوں طبع آزمائی کی:

بلغت امیر المؤمنین می المنیٰ لانك قد بلغتنا ما نؤمل

قصدت الی الاسلام تعلی مناره ومقصد ك الا سنیٰ لدی الله یقبل

تدارکت دین الله فی اخذ فرقة بمنطقهم کان البلاء المؤ کل

اثار وعلی الدین الحنیفی فتنة لها نارغی فی العقائد تشعل
اقمتهم للناس یبراء منهم ووجه الهدی من خزیهم بتهلل
واوعزت فی الاقطار با لبحث عنهم وعن کتبهم والسعی فی زالك اجمل
وقد کان للسیف اشتیاق لهم ولکن مقام الخزی للنفس اقتل

ایک اور شاعر نے یوں طنز کے تیر چلائے:

خلیفة الله انت حقا فارق من السعد خیر مرق
حمتیم الدین من عداه وکل من رام فیه فتقا
اطلعك الله سر قوم شقو العصا با النفاق شقا
تفسلوا وادعو اعلوما صاحیها فی المعاد یسقی
واحتقر والشرع وازدروه سفاهة منهم وحمقا
او سعتهم لعنة وخزیا وقلت بعد الهم وسحقا
فا بق الدین الا له کهفا فانه ما بقیت یبقی

محنه ابن رشد

14

وسببها انه اخذ فی شرح الکتاب الحیوان لا رسطوطالیس فهذ به و قال فیه عند ذکره الزرافة را ئتیها عند ملك البر البر کذا غیر ملتفت الی ما یتعاطا خدمة الملوك من التعظیم فکان هذا مما احتقهم علیه ولم یظهروه ثم ان قوما ممن ینادیه بقرطبة و یدعی معه الکفاة فی الیبت والحشمة سعوا به عند ابی یوسف بان اخذوا بعض تلك التلاخیص فوجدوا فیه بخطه حا کیا عن بعض الفلاسفة قد ظهر ان الز هرة احد الا لهة فا وقفوا ابا یوسف علی هذا فا ستد عاه بحضر من الکبار بقرطبة فقال له اخطك هذا فانکر فقال لعن الله کا تبه و امر الحاضرین بلعنه ثم امر باخراجه مهانا و با بعاده و ابعاد من تکلم فی شیی من هذه العلوم و با لوعید الشدید و کتب الی البلاد با لتقدم الی الناس فی ترکها و باحراق کتب الفلسفة سوی الطب والحساب ولمواقیت ثم لما رجع الی مراکش نزع عن ذلك کله و جنح الی تعلم الفلسفة و استدعی ابن رشد للا حسان الیه فحضر و مرض ومات فی آخر سنة اربع و توفیٰ ابو یوسف فی غرة صغر دولی بعده ولی عهده ابنه ابو عبد الله محمد و کان قد جعله فی سنة و ثمانین ولی العهد وله عشر سنین اذا ذلك

و قال الموفق احمد بن ابی اصیبعة فی تاریخه حدثنی ابو مروان الباجی قال ثم ان المنصور نقم علی ابی الولید وامر ان یقیم فی بلد الیسانة وان لا یخرج منها ونقم علی جماعة من الاعیان وامر بان یکونوا فی مواضع اخر لانهم مشتغلون بعلوم الاوائل ولجماعة ابولولید وابو جعفر الذهبی ومحمد بن ابراهیم قاضی یجایة وابو الربیع الکفیف وابوالعباس الشاعر القرای ثم ان جماعة شهدوا لابی الولید انه علی غیر ما نسب الیه فرضی عنه و عن الجماعة وجعل ابا جعفر الذ هبی مزوارا للا طباء ولطلبة و بما کان فی قلب المنصور من ابی الولید انه کان ازا تکلم

معه یخاطبه بان یقول تسمع یا اخی قلت واعتذر عن قوله ملك البر لبر بان قال انما کتبت ملك البرین وانما صحفها القاری

ابن رشد تین سال تک یعنی 1197-1195ء زیر عتاب رہے۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ اشبیلیہ واپس آ کر جب خلیفہ منصور کو جب ابن رشد کی بڑھاپے کی عمر میں ذلت و رسوائی کا حال معلوم ہوا تو اس شرط پر رہا کرنے کا وعدہ کیا کہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلانیہ طور پر غلطی کا اعتراف توبہ کا اعلان کریں۔ چنانچہ ابن رشد نے اس شرط کو مان لیا اور انہیں مسجد لایا گیا، جب تک لوگ نماز ادا کرتے رہے وہ برہنہ سر دروازے پر کھڑے رہے۔ سر پر پگڑی کے بغیر کھڑے ہونا سخت تذلیل کا باعث تھا۔ کہاں قاضی القضاۃ اور کہاں یہ حالت زار۔

رہائی اور رحلت

روایت ہے کہ اشبیلیہ شہر کے سر کردہ افراد نے شہادت دی کہ ابن رشد پر بے دینی کا جو الزام عائد کیا گیا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ منصور نے ان شہادتوں کو قبول کر لیا

اور ابن رشد سمیت اس کے تمام رفقاء کو 1197ء میں رہا کر دیا۔ ان میں سے ابوجعفر ذہبی کی خاص طور پر عزت افزائی کی اور اس کو طلبہ اور اطباء کا انسپکٹر مقرر کیا۔ خلیفہ منصور اس کے بارہ میں کہا کرتا تھا کہ ابوجعفر خالص سونے کے مثل ہے پگھلانے سے اس کا جوہر اور زیادہ نمایاں ہوگیا ہے۔ ابن رشد رہا ہونے کے بعد آزادی کے ساتھ رہنے لگے، زیادہ وقت تصنیف و تالیف میں گزرتا۔ قاضی کا عہدہ چونکہ بحال نہیں ہوا تھا اس لئے مستقل آمدنی کے بغیر معاش کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا۔ بڑھاپے میں کر بھی کیا سکتے تھے۔

اس دوران ملک کے سیاسی حالات بہتر ہونے لگے۔ عیسائیوں کے بادشاہ نے خلیفہ منصور کو پیغام مصالحت بھیجا۔ پانچ سال مسلسل جنگوں میں برسر پیکار رہنے سے فریقین تھک چکے تھے۔ خلیفہ منصور نے پیغام مصالحت سن کر سکھ کا سانس لیا اور دست صلح بڑھا دیا۔ 1196ء میں اس نے مراکش کا رخ کیا۔ یہاں کا جو اس وقت قاضی تھا اس کے خلاف اس کو شکایتیں پہنچیں۔ خلیفہ بھی شاید حیلہ تلاش کر رہا تھا اس نے فوراً قاضی کو برطرف کر کے ابن رشد کا تقرر کر دیا۔ ابن رشد کو جب یہ خبر ملی وہ پاؤں سر پر رکھ کر مراکش روانہ ہوگئے۔ فلسفہ کی کتابوں کو تلف کرنے کے جو احکامات جاری کئے گئے تھے وہ منسوخ کر دئے گئے۔ خلیفہ منصور خود فلسفہ کی ترویج میں اس سیاسی شورش سے پہلے کی طرح منہمک ہوگیا۔ خلیفہ پر یہ حقیقت عیاں ہوگئی تھی کہ اس سیاسی سازش کے درپردہ ابن رشد کے حاسدوں اور چند شر پسند علما کی کوئی اور غرض تھی۔ یہاں مراکش میں ایک سال تک ابن رشد نے قضا کے فرائض سرانجام دئے۔ مفلسی میں جو دن گزارے تھے ان کا ازالہ ہونے لگا، ایک بار پھر وہ سوسائٹی میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے، خلیفہ منصور کے وہ ایک بار پھر مقرب اور مصاحب بن گئے۔ اچھے، پرلطف دنوں کی یاد دوبارہ تازہ ہونے لگی، دوست احباب نے ان کو ایک بار پھر سینہ سے لگا لیا۔

دسمبر کے مہینہ میں آپ صاحب فراش ہوئے، بیماری کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ موت کے بے رحم ہاتھوں آگے بے بس ہوگئے۔ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی۔ کچھ عرصہ بستر علالت پر گزارنے کے بعد مراکش میں جمعرات کے روز 10 دسمبر 1198ء جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ شہر سے باہر باب تاغزوت کے قبرستان میں چشم پرنم کے ساتھ دوست احباب نے اندلس کے اس مایہ ناز فرزند کو سپرد خاک کیا۔ یہاں وہ تین ماہ تک پیوند خاک رہے، پھر ان کے بیٹوں یا کسی رشتہ دار کی خواہش پر ان کی کا جسد خاکی قرطبہ منتقل کیا گیا اور دوسری بار تدفین ان کے آبائی قبرستان مقبرہ ابن عباس میں آباواجداد کے گنبد میں ہوئی۔ ارض اندلس کا یہ فلسفی شہزادہ اب بھی اسی جگہہ منوں مٹی تلے آرام کی نیند سو رہا

ہے۔ خدا ان کی تربت کو ہمیشہ نور سے بھرے رکھے اور آسماں سدا ان کی لحد پر ہمیشہ شبنم افشانی کرتا رہے۔ کیا قرطبہ میں ان کا مزار مرجع خلائق ہے؟ کچھ کہہ نہیں سکتا اگلی بار سپین جاؤں گا تو پھر کچھ آنکھوں دیکھا حال قلم بند کروں گا۔ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

یہ دنیا کی پرانی ریت ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو لوگ اس کو فراموش کر دیتے ہیں، دنیا ہے ہی موت اور زندگی کے تماشا گاہ، جو بھی پیدا ہوتا ہے وہ اپنی عمر بسر کر کے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف روانہ ہو جاتا ہے اور کچھ مدت بعد لوگ اسے فراموش کر دیتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص مر کر ہمیشہ ہمیش کیلئے زندہ ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ روشنی کا مینار ہوتے ہیں جو لوگوں کو صحیح راستہ دکھاتے ہیں:

لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

ابن رشد اور ابن العربیؒ

محی الدین ابن العربیؒ جو اسی سال مشرق کے اسلامی ممالک کے سفر کو روانہ ہوئے انہوں نے بیان کیا کہ مراکش میں میں نے بچشم خود دیکھا کہ ابن رشد کی لاش قرطبہ لے جانے کے لئے سواری پر رکھی جا رہی ہے۔ ابن رشد کی وفات کے چند ہفتوں بعد خلیفہ منصور بھی یعنی 2 جنوری 1199ء کو اللہ کو پیارا ہوگیا۔ ابن بیطار جو اندلس میں علم نباتات کا بہت بڑا عالم اور مصنف تھا اس کا انتقال پر ملال اسی سال ہوا۔ اگلے سال حفید ابوبکر ابن زہر جو ابن رشد کا جگری دوست اور خلیفہ منصور کے شاہی دربار میں اس کا ہم منصب تھا، وہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ ابو مروان بن زہر جس نے ابن رشد کی فہمائش پر کتاب التیسیر زیب قرطاس کی تھی، اور طب میں گویا اس کا استاد تھا وہ بھی وفات پا چکا تھا۔ یوں ارض اندلس ان یکتائے روزگار انسانوں سے محروم ہو چکی تھی۔ یہ لوگ جو اپنے علمی نور سے اندلس کو منور کرتے رہے ان کی روشنی ماند پڑنی شروع ہوگئی اور ملک کے اندر جہالت کا اندھیرا چھانے لگ گیا۔ مگر ان قدآور اندلسی عالموں کے طفیل، اندلس کی ضیا پاشیوں سے یورپ جگمگ کرنے لگا۔ یورپ والوں کے لئے اب ابن رشد مینارہ نور تھا مگر اپنے بے گانے بن گئے۔ فی الحقیقت آپ کی موت سے پورا عالم اسلام انحطاط کا شکار ہوگیا کیونکہ رواداری اور عقل پر پہرے بٹھا دئے گئے۔ سائنس جو کبھی مسلمانوں کی لونڈی تھی اب اس کے ذریعہ یورپ نے مادی ترقی حاصل کرنا شروع کر دی، مگر اس ترقی کے بیج مسلمانوں نے ہی بوئے تھے۔ اس دلچسپ داستان کا احوال اگلے صفحات پر آئیگا۔

آپ کی اولاد

ابن رشد کو خدا نے حفظ مراتب سے آشنا، رشتہ داروں سے محبت، خلوص، اور تواضع سے برتاؤ کرنے والے کئی بیٹوں سے نوازا تھا مگر ان میں سے دو نے خاص شہرت

حاصل کی۔ بڑے نورنظر کا نام احمد اور کنیت ابو القاسم تھی۔ اس نے فقہ وحدیث کی تعلیم اپنے والد اور ابو القاسم ابن بشکوال سے حاصل کی۔ وہ حافظ حدیث ہونے کے ساتھ روشن خیال دانشور تھا۔ فقہ اور اصول فقہ میں مہارت کی بناء پر وہ قاضی کے عہدہ پر فائز ہوا۔ اس اہم عہدے کی ذمہ داریاں اس نے تمام عمر نہایت دیانت داری سے سرانجام دیں۔ 1225ء میں اس دنیائے فانی سے کوچ ہوا۔ دوسرے لخت جگر کا نام محمد اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ اس نے میڈیسن میں تعلیم حاصل کی اور منصور کے بیٹے خلیفہ محمد ابن یعقوب الناصر 1199-1213ء کے دربار میں رائیل فزیشن کے عہدے پر فائز تھا۔ اس کی ایک کتاب کا نام حیلۃ البرء ہے۔

شخصیت، سیرت اور اخلاق

یگانہ روزگار، جامع کمالات علامہ ابن رشد کی زندگی پر غائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بے حد محنتی، اولوالعزم، اور بڑے باہمت انسان تھے۔ مزید یہ کہ آپ پیکر متانت، وجیہہ اور بارعب شخصیت کے حامل تھے۔ کم سخن ہونے کے باعث صرف ضرورت کے وقت گفتگو فرماتے تھے۔ گفتگو بھی اس قدر محبت بھرے لہجے میں فرماتے کہ گویا منہ سے پھول جھڑتے۔ سادہ، منکسر، متواضع، دوسروں کے کام آنے والے، خدمت کو حصہ ایمان سمجھتے تھے۔ اتنی جاہ وحشمت حاصل ہونے کے باوجود خاکساری و عاجزی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دولت، شہرت، اور اہمیت نے ان کو جامہ سے باہر نہ کیا۔ اگرچہ انہیں شاہی دربار میں اتنا اونچا عہدہ ملا ہوا تھا لیکن باوجود اس کے نہ تو مال و دولت جمع کیا اور نہ ہی کسی رشتے دار کو اپنے رتبے سے فائدہ پہنچایا۔ جو کچھ مالی منفعت ان کو حاصل ہوئی اس سے دوسروں نے زیادہ فائدہ حاصل کیا۔ حاجت روا اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔

آپ نے فقہ، فلسفہ، علم فلکیات، طب، تفسیر، جیسے علوم میں اپنی ذہانت، ذکاوت، سلیم الطبعی، عزم صمیم، دیانت، اصول پسندی، کا لوہا منوایا۔ خود پسندی، عیش کوشی، زردیدگی، جاہ طلبی، مطلب پرستی کے تپتے ہوئے صحرا میں اصول پرستی، قناعت، دیانت اور صداقت کے ایسے پھول کھلائے جن کی خوشبو سے آج بھی دل والوں کا شام جاں معطر ہے۔ ان کے وجدان نے طرفی طبع کے وہ چراغ روشن کیئے جس کی روشنی ستم کے ظلمت کدہ کو آج بھی منور کر رہی ہے۔

مادی زندگی، کسب زر، جلب منفعت کو متاع حیات نہیں جانتے تھے بلکہ روحانی اقدار کو زندگی کی معراج گردانتے تھے۔ طبعاً آئینہ دل پر کدورت کی گرد بیٹھنے نہ دیتے تھے۔ چاپلوسی سے سخت نفرت کرتے تھے، بڑھاپے میں اتنی ذلت و رسوائی برداشت کی، جلاوطن ہوئے، مفلسی میں وقت گزارا مگر کیا مجال کہ کسی کے آگے دست سوال دراز کیا ہو۔ مشکلات اور تنگ دستی کو صبر، قناعت اور وقار سے برداشت کیا۔ بادشاہ جسے ایک وقت میں برادرمن کہہ کر مخاطب ہوتے تھے برافروختہ ہوا اور نظر بند کر دیا مگر پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ اپنے موقف پر چٹان کی طرح ڈٹے رہے تا آنکہ بادشاہ کو غلطی کا احساس ہوا اور خود بلا کر دوبارہ قاضی کا عہدہ پیش کیا۔ ناخوشگوار حالات کے باوجود مزاج میں تلخی پیدا نہیں ہوئی، زندگی کے ہر زیروبم کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کرتے۔ استقلال اور ایثار ان کی شخصیت کے عناصر ترکیبی تھے۔ صبر وقناعت کا چلتا پھرتا مجسمہ تھے۔ نام ونمود حاصل کرنے یا محبوب خلائق بننے کی کوئی آرزو نہ تھی۔

آپ عربی کے مایہ ناز ناقد، خوش فکر شاعر، ژرف نگاہ محقق، اور صاحب فکر ادیب تھے۔ آپ کا شمار اندلس کی نابغہ روزگار ہستیوں میں ہوتا تھا۔ علم ان کی زندگی، تحقیق ان کی تسکین، اور تخلیق ان کی مجبوری تھی ایسی مجبوری جو عام آدمی کو فنکار کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے۔ اسی مجبوری نے انہیں لائق احترام اور معتبر ہستی بنا دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ علم سے، فکر سے، ادب سے آگہی، اور دیدہ و دانش سے رشتہ استوار رکھنا بڑی سعادت ہے۔ لیکن یہ سعادت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ آپ علم سے وابستگی کا روشن مینار تھے۔ انہیں حرف سے، لفظ سے، اور کتاب سے عشق تھا اور اس عشق نے انہیں ہمیشہ سرشار، پرعزم اور فعال رکھا۔ آپ کا گھر صاحبان فکر، حاملان ذوق سلیم اور جویان علم کے لئے ایک مرکز تھا۔ آپ کی ژرف نگاہی، بصالت فکر کا ایک زمانہ معترف تھا۔

ہم نے بیان کیا کہ آپ گہری نظر رکھنے والے محقق تھے، تو محقق کون ہوتا ہے؟ محقق ذہنی کارنامے انجام دینے والے، رازوں سے حجابات اٹھانے والے، موضوع کی عظمت کو اجاگر کرنے والے، علیت، معلومات، جودت طبع، وجدان اور ذوق سلیم رکھنے والے کو کہتے ہیں۔ محقق کے لئے علوم وفنون کا ماہر ہونا، عصبیت سے پاک، وسعت نظر رکھنا لازمی ہے۔ اس کی تحقیق میں تناسب ہونا ضروری ہے یعنی نفس مضمون اور موضوع میں مطابقت ہو۔ محقق وہ ہے جو سمندر کی تہ سے لولوئے بے بہا نکال کر لاتا ہے۔ خوش ذوقی، غیر جانبداری، اور صداقت ایک اچھے محقق کے اوصاف ہیں۔ علم اور تحقیق کا چولی دامن کا ساتھ ہے کیونکہ تحقیق سے ترقی کا عمل آگے بڑھتا ہے۔

ابن رشد اچھے نقاد بھی تھے۔ تنقید ایسے تبصرے کو کہتے ہیں جو تخلیقی کارناموں کو پرکھ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دے۔ تنقید تخلیقات کو صحیح سمت میں لے جانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ تخلیق اور تنقید دو بہنوں کی طرح ہیں۔ ایک اچھا نقاد ہر تخلیق کا مطالعہ کر کے اس کے حسن و معائب سے آگاہ کرتا ہے۔

ایک دیو پیکر شخصیت ہونے کے ساتھ کثیر الجہت بھی تھے۔ فقہ، طب، علم ہیئت، تفاسیر ارسطو کے سلسلے میں ان کے کارنامے سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل

ہیں۔ متجسسانہ ذہانت جو فطری طور پر ودیعت کی گئی تھی انہیں کائنات کے حقائق سے پردے اٹھانے پر اکساتی رہتی تھی۔ عالم اسلام میں آپ سب سے پہلے عقلیت پسند (Rationalist) تھے۔ عقلیت اور اجتہاد کی خشت اول آپ ہی نے رکھی گو آپ علم و معرفت کا حصول محض عقل کا مرہون منت خیال نہیں فرماتے تھے۔ عقل کی قطعیت کے قائل نہ تھے لیکن عقل کی افادیت سے انکار بھی نہیں کرتے تھے۔ ان کے نزدیک عقل اور شریعت (الہام) کا اپنا اپنا دائرہ کار تھا۔ یورپ کے فلاسفروں کی عقلیت سیکولر تھی لیکن ان کی عقلیت وحی و الہام کے تابع تھی۔ ان کے نزدیک شرع اور عقل میں تناقض نہیں ہے، عقل بغیر شرع کے بیکار اور شرع عقل کے بغیر اپنا مقصود حاصل نہیں کر سکتی۔ عقل کو چشم بینا کی طرح اور شریعت کو آفتاب کے مانند خیال کرنا چاہئے، آنکھ جسطرح سورج کی روشنی نہ ہونے سے بیکار ہوتی ہے اسی طرح عقل بغیر شرع کے بیکار ہے۔

ابن رشد نے اپنی فکری صلاحیت کی روشنی میں جو اجتہادات کئے وہ قابل ستائش ہیں۔ انہی اجتہادات نے ایک نئے طریق فکر کی داغ بیل ڈالی جس کے اتباع میں آنیوالے دانشوروں نے نئے چراغ روشن کئے۔ علاوہ ازیں ارسطو کی کتابوں کی ہمہ گیر اور مفصل تفاسیر لکھنے کی بناء پر آپ شارح اعظم (The Great Commentator) بھی تھے۔ آج کے جدید دور میں کسی نے اسلام میں اجتہاد کی بات کرنی ہو تو سب سے پہلے آپ کی ذات ذہن میں ابھرتی ہے۔ میرے نزدیک تو آپ مجتہد اعظم تھے۔ میں نے انٹر نیٹ پر آپ کی جو تصاویر (یعنی پینٹنگ، کیونکہ اس زمانے میں تصاویر نہیں ہوتی تھیں) دیکھی ہیں اور جو اس کتاب میں پیش کی جا رہی ہیں ان کے مطابق آپ کے چہرے سے ذکاوت، فطانت، تابانی اور تازگی چڑھتے سورج کی کرنوں کی مانند پھوٹتی نظر آتی ہے۔ چہرہ رعب دار جس پر بادشاہوں والا وقار اور جلال تھا۔ خدو خال تیکھے تھے۔ آنکھیں روشن، ابرو کمان کی طرح تھی۔ بھاری جسم پر جبہ زیب تن فرماتے تھے۔ ایک تصویر میں جو چوغہ پہنا ہوا ہے اس پر لا غالب الا اللہ لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ سر پر ہمیشہ پگڑی پہنتے تھے۔ ڈاڑھی ہمیشہ تراشی ہوتی تھی۔ بائیں ہاتھ میں ہمیشہ کتاب تھامے ہوتے تھے۔

اجتہاد کیا ہے؟ اس کی مثال ابن رشد نے یوں دی: "اکثر فقہا خیال کرتے ہیں کہ جس فقیہ نے سب سے زیادہ آراء حفظ کی ہیں وہ سب سے زیادہ قانونی مہارت رکھتا ہے۔ ان کا نظریہ اس شخص جیسا ہے جو سوچتا ہے کہ موچی وہ ہے جس کے پاس بہت سارے جوتے ہوں بجائے اس شخص کے جو جوتے خود بنا سکتا ہو۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ موچی جس کے پاس بہت سارے جوتے ہیں اس کے پاس ایک روز ایسا گاہک ضرور آئیگا جس کے پاؤں پر کوئی جوتا بھی پورا نہیں آئیگا۔ چنانچہ ایسا گاہک لازماً ایسے موچی کے پاس جائے گا جو جوتے خود بنا سکتا ہے۔"

اخلاق حسنہ کا حسین گلدستہ تھے۔ علم و عمل کے شجر کی سرسبز، ثمر آور شاخ تھے۔ تمام اعلیٰ اخلاق آپ میں جلوہ فگن تھے۔ ظاہری اور باطنی حسن دونوں سے مزین تھے۔ قلبی شرافت اور وضع داری کا دل فریب پیکر تھے۔ ان کا شفقت بھرا مربیانہ رویہ قابل ستائش تھا۔ ان کی فیاضی دوست و دشمن سب کے لئے یکساں تھی۔ **فرماتے تھے کہ اگر میں دوستوں کو دوں تو میں نے وہ کام کیا جو خود میری طبیعت کے مطابق تھا، احسان تو یہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی ایسا حسن سلوک کیا جائے جو طبیعت پر ناگوار گزرتا ہو۔** ان کے حلم و بردباری اور اخلاق کریمانہ کا ایک واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے سر بازار مجمع عام میں ان کے خلاف دشنام طرازی کی۔ لیکن بجائے طیش میں آنے کے ابن رشد کندہ پیشانی سے اس شخص کے ممنون ہوئے کہ اس کی بدولت ان کو اپنے حلم و عفو کی صلاحیت کو آزمانے کا موقعہ مل گیا۔ اس کو کچھ نقد رقم بطور تحفے کے دی لیکن اسکے ساتھ اس کو تلقین بھی کی کہ کسی اور کے ساتھ ایسا توہین آمیز رویہ اختیار نہ کرنا کیونکہ ہر کوئی اس کا قدردان نہیں ہوگا۔

ان کی ژرف نگاہی، بصیرت، سریع الفہمی اور شان وقار کا ایک زمانہ قائل تھا۔ خوش پوش، خوش اطوار، اور خوش باش انسان تھے۔ ان کے رہن سہن، وضع قطع، رفتار و گفتار سے نفاست جھلکتی تھی۔ مکالمت، مفاہمت، اور مصالحت کے خوگر تھے۔ کینہ، کدورت، حسد اور عداوت کے لئے ان کی دل میں کوئی جگہہ نہ تھی۔ مہذب، خیر اندیش، خلیق، شگفتہ مزاج، وسیع القلب، خوش گفتار اور خوش اندیش۔ انتہائی نرم مزاج، اور رقیق القلب تھے۔ قریب پندرہ سال تک قاضی کے باعزت عہدہ پر فائز رہے لیکن کسی مجرم کو سزائے موت نہ دی۔ اگر کوئی ایسا فوجداری مقدمہ سماعت کے لئے پیش خدمت ہوجاتا تو خود کو اس مقدمے سے الگ کر لیتے، ایسے مقدمے کی سماعت ان کا کوئی نائب یا قائم مقام قاضی کرتا۔ کسی مدعی کے لبوں پر ان کے ظالمانہ یا یک طرفہ طرز عمل کیخلاف حرف شکایت نہ آیا۔ کسی فریق کی بے جا طرف داری نہ کی۔ ہزاروں مقدمات کی سماعت کی اور ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ انصاف کا پلڑا بھاری رہے۔

ابن رشد درویش صفت ہونے کے ساتھ نہایت محب وطن اور قومیت پسند تھے۔ افلاطون نے کتاب 'ری پبلک' میں یونان کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں کے لوگ دماغی نشو و نما میں دنیا کے تمام ممالک سے افضل ہیں۔ ابن رشد نے اس کتاب کی شرح میں اپنے وطن عزیز اندلس کو دماغی فضیلت میں یونان کے ہم پلہ قرار دیا۔ جالینوس (Galen) نے یونان کی آب و ہوا کو سب سے زیادہ معتدل قرار دیا تھا ابن رشد نے کتاب الکلیات میں دعویٰ کیا کہ سب سے زیادہ معتدل آب و ہوا پانچویں اقلیم کی ہے اور قرطبہ اسی اقلیم میں واقع ہے۔ آپ خلافت راشدہ کو ماڈل جمہوری حکومت تسلیم کرتے تھے جس میں افلاطون کی ری پبلک کے تمام خواص موجود تھے۔

خلیفہ منصور کے دربار میں ایک دفعہ ابن رشد اور طبیب ابن زہر کے درمیان یہ بحث چل پڑی کہ قرطبہ اور اشبیلیہ میں کون سا شہر افضل ہے؟۔ ابن زہر کی نظر میں اشبیلیہ کو قرطبہ پر ترجیح حاصل تھی۔ ابن رشد نے اپنی رائے کا اظہار یوں کیا: اشبیلیہ میں جب کوئی عالم رحلت کر جاتا ہے اور اس کی کتابوں کو فروخت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو ایسی کتابیں قرطبہ لائی جاتی ہیں کیونکہ اشبیلیہ میں کتابوں کی اہمیت کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جب قرطبہ کا کوئی موسیقار رحلت کرتا ہے تو اس کے موسیقی کے آلات اشبیلیہ میں فروخت کئے جاتے ہیں کیونکہ قرطبہ میں ایسے آلات کی کوئی مانگ نہیں ہوتی۔

علامہ ابن رشد فنافی العلم تھے۔ حصول علم کا شوق دل میں شعلے کی طرح جلتا رہتا تھا۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہے۔ جس طرح البیرونی نے کہا تھا کہ کتابیں ان کے بچے ہیں، کچھ یہی حال ابن رشد کا تھا۔ رات کے وقت بھی کتاب ان کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ (1999ء میں راقم الحروف کو قرطبہ کی سیاحت کے دوران ابن رشد کا مجسمہ دیکھنے کا موقعہ ملا تھا اس مجسمہ کی تصویر اس کتاب میں دی جا رہی ہے۔ مجسمہ میں بھی دکھایا گیا ہے کہ آپ نے بائیں ہاتھ میں کتاب تھامی ہوئی ہے)۔ مؤرخ انصاری کتاب **الدیباج المذھب** میں رقم طراز ہے: **وعنی بالعلم من صغرہ الی کبرہ ، حتیٰ حکی انہ لم یدع النظر و لا القراۃ منذ عقل الا لیلۃ وفاۃ ابیہ ، و لیلۃ بنائہ علی اء ھلہ** ۔ پوری زندگی میں صرف دو راتیں ایسی آئیں کہ مطالعہ سے محروم رہے، ایک وہ رات جب ان کے والد کی وفات ہوئی اور دوسری رات جب ان کی شادی ہوئی۔ مطالعہ کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شب و روز جاری رہتا۔ طب، منطق، ہیئت، فلسفہ پر 87 کے قریب کتابیں ورثہ کے طور پر چھوڑیں جو بیس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔

قاضی ابو مروان الباجی نے ابن رشد کی سیرت کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا: " ابن رشد کی رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ بے انتہا ذکی اور قوی القلب تھا۔ اس کے ولولے نہایت پختہ تھے، مصائب سے کبھی خوف نہ کھاتا تھا۔ " (طبقات الاطباء صفحہ 76)

اتنے بڑے عالم، مسلم الثبوت فقیہ ہونے کے باوجود ان میں علمی برتری جتانے کا شوق رتی برابر بھی نہ تھا۔ دوسروں سے فراخدلانہ طور پر پیش آتے۔ منکسر المزاجی کا اظہار ان کے تن کے سادہ لباس سے ہوتا تھا۔ مرنجاں مرنج طبیعت کے انسان تھے۔ مال و متاع یا جائیداد بھی کوئی نہ تھی۔ وہ اپنے دشمنوں سے بھی عدل کا سلوک کرتے ان کا ایک مشہور مقولہ یہ تھا کہ اگر میں صرف دوستوں کو دوں تو میں نے وہ کام کیا جس کو میرا دل چاہتا تھا۔ سخاوت یہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے جس کو طبیعت مشکل سے گوارا کرتی ہے۔ (There is no virtue in being generous to a friend, but he is virtuous who gives to an enemy.) آپ دوست و دشمن سب کیلئے فیاض تھے۔ اگر ان کے کسی دوست کو کوئی بلاوجہ ہدف تنقید بناتا تو وہ یہ برداشت نہ کر سکتے۔ کہتے ہیں کہ ایک شاعر کو انہوں نے اسی کوڑوں کی اس لئے سزا دی کیونکہ اس نے ایک عالم دین کی ہجو لکھی تھی۔

بہ حیثیت فلاسفر خدا کی ذات پر ان کا یقین گویا پتھر پر لکیر کی طرح تھا۔ درج ذیل مقولہ بھی آپ ہی کا ہے He who studies anatomy increases his belief in God. تمام اسلامی عبادات اور رسومات کی پابندی فرض منصبی سمجھتے تھے۔ نہایت باحیا، کم سخن اور پاکباز انسان تھے۔ حد درجہ پاک باز، دیندار، اور پابند صوم وصلوۃ تھے۔ تمام احکامات شریعت کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ پانچ وقت کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کرتے تھے۔ سرور کائنات، ہادی برحق ﷺ کو خاتم النبیین دل و جاں سے تسلیم کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہر شخص کو سب سے اچھے دین کا پیروکار ہونا چاہئے، دیکھو جب اسلام اسکندریہ کے شہر میں پہنچا تو یہاں کے عالموں نے اپنے مذہب کو ترک کر کے اسلام قبول کرلیا۔ ہمارے دور میں سب سے کامل مذہب اسلام ہے۔ ایک فلاسفر اور پیغمبر کے اطوار کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا:

Every Prophet is a philosopher, but not every philosopher can be a prophet.

ہر نبی فلاسفر (یعنی دانائی اور حکمت کا سرچشمہ) ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر فلاسفر نبی بھی ہو۔

ان کے ایک ہم عصر ابو محمد عبد الکبیر نے بیان کیا: ابن رشد کے بے دینی کے متعلق جو باتیں مشہور ہیں وہ سراسر غلط ہیں۔ وہ بے دینی کے گندے جراثیم سے بالکل پاک تھا۔ میں نے اس کو مسجد میں جماعت کیساتھ نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ ہر نماز سے پہلے تازہ وضو کرتا تھا۔ البتہ ایک بار اس کی زبان سے غلطی سے سخت کلمہ نکل گیا اس کے علاوہ اس سے کبھی کوئی اور غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ (یہاں طوفان والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے)۔ تلاوت قرآن کریم، نماز روزہ، نیز تمام دینی شعار کے پابند، نیک، متقی، اور مستجاب الدعوات تھے۔ قرآن مجید، سنت، حدیث کے حوالے یوں ازبر تھے گویا واکنگ انسائیکلوپیڈیا تھے۔

کیا ابن رشد ملحد تھے؟

زندگی کے آخری ایام میں ان کے اعداء نے ان کے متعلق غلط سلط باتیں مشہور کر دیں تھیں ان میں ایک یہ تھی کہ آپ بے دین و ملحد تھے جیسا کہ عام طور پر فلسفی ہوا

کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ بات ان کے کیریکٹر کا حصہ بن گئی۔ وہ معتقدات جن کی بناء پر آپ پر ملحد ہونے کا الزام لگایا گیا وہ درج ذیل ہیں: ابدیت عالم، اللہ کے علم کی ماہیئت، علم غیب، نفس، عقل کی کلیت اور معاد۔ وہ مسلمہ عقائد کے منکر تو نہیں تھے لیکن انہیں ایسے رنگ میں پیش کرتے تھے کہ فلسفے سے ان کی تطبیق ہو جائے۔ 'ابدیت عالم' کے مسئلے پر وہ خلق کائنات سے انکار تو نہیں کرتے تھے لیکن اس کی تشریح دینی نقطۂ نظر سے الگ کرتے تھے۔ ان کے نزدیک کوئی چیز عدم سے ایک ہی بار ہمیشہ کیلئے پیدا نہیں ہوتی ہے جس کی بدولت دنیا بدلتی رہتی ہے۔ یعنی اس دنیا میں ایک تخلیقی قوت لگاتار کام کر رہی ہے جو اسے قائم رکھتی ہے۔ اجرام فلکی حرکت ہی سے قائم ہیں اور اس حرکت کا سرچشمہ وہ قوت محرکہ ہے جو روز ازل سے ان پر کام کر رہی ہے۔ عالم ابدی ہے لیکن اس کی یہ ابدیت ایک محرک علت کا نتیجہ ہے۔ برخلاف اس کے اللہ بغیر کسی علت کے ابدی ہے۔

'اللہ کے علم کی ماہیئت' کے باب میں ابن رشد فلاسفہ کے اس اصول کا اعادہ کرتے ہیں کہ اصل اول کو محض اپنی ہستی کا ادراک ہوتا ہے۔ فلسفیوں کے نزدیک یہ ابتدائی مفروضہ لازمی ہے تا کہ اگر اسے کثرت وجود کا علم ہو تو وہ خود بھی کثیر ہو جائیگا۔ اس اصل کی صحیح تعبیر کے مطابق وجود اول کیلئے اپنے ہی وجود کا علم ہونا چاہئے اس طرح علم غیب کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ علمائے دین کی کوشش تھی کہ فلسفے اس نتیجے پر پہنچنے کیلئے مجبور کیا جائے تا کہ انہیں منکر غیب ملحد قرار دیا جا سکے۔ **'روح انسانی'** کے بارے میں ان کی تعلیم کی اس بناء پر مذمت کی گئی کہ ان کے نزدیک ہر انفرادی روح موت کے بعد روح کلی (Universal soul) میں ضم ہو جاتی ہے۔ لہذا وہ روح انسانی کے بقا بالذات کے منکر مانے جاتے ہیں۔ بعض علما نے ابن رشد پر یہ الزام بھی لگایا تھا کہ انہیں **'حشر اجساد'** سے انکار تھا لیکن یہاں بھی ان کی تعلیم میں اس عقیدے کا انکار نہیں بلکہ اس کی توضیح ہے۔ ابن رشد کے نزدیک عالم معاد میں جو ہمارا جسم ہوگا وہ اس دنیا والا جسم نہیں ہوگا کیونکہ جو شے فنا ہو گئی پھر وہ جوں کی توں پیدا نہیں ہو سکتی۔ مزید برآں ہماری آئندہ کی زندگی حیات ارضی کی نسبت کہیں زیادہ برتر قسم کی ہوگی اس لئے اس ارضی دنیا کے مقابلے میں اگلی دنیا کے اجسام بھی زیادہ کامل، لطیف اور مکمل ہوں گے۔ ابن رشد تطبیقی عقیدہ رکھتے تھے۔ وہ اس بات پر سچے دل سے یقین رکھتے تھے کہ ایک ہی صداقت یا حقیقت کو مختلف صورتوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

ان کے فلسفیانہ عقائد کو خاص طور پر یورپ کے مسیحی حلقوں میں بہت پھیلایا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسیحی حلقوں میں بہت سارے عیسائی علما ایسے تھے جو ان کے فلسفیانہ نظریات کی وجہ سے ان کو دشمن ایمان کہتے تھے۔ یورپ میں جوں جوں فلسفہ کی تعلیم عام ہوتی گئی اور نئی روشنی (Enlightenment) کا دور شروع ہونے لگا تو لوگ دین سے بے زار ہونے لگے۔ مسیحی پادریوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ ساری بے دینی ابن رشد کے فلسفہ کی اشاعت کی وجہ سے ہے۔ بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ دراصل ابن رشد کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا ظاہر میں مسلمان بنا ہوا تھا۔ بعض کہتے کہ نہیں وہ عیسائی تھا۔ اس ضمن میں ایک یہ واقعہ بھی گھڑ لیا گیا: ایک دفعہ وہ گرجے میں گیا وہاں اس وقت عشائے ربانی کی رسم یوخارسٹ (Eucharist) ادا ہو رہی تھی۔ ابن رشد نے نفرت سے لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگ کس قدر احمق ہو جو اپنے خدا کی بوٹیاں نوچ رہے ہو۔ اس کے بعد دعا کی خدا مجھے فلسفیوں کی موت عطا کر۔ نعوذ باللہ یہ بھی کہا کہ اسلام بے وقوفوں کا دین ہے۔

یورپ میں ایک اور من گھڑت افسانہ رواج پا گیا کہ ابن رشد چونکہ مریضوں کے لئے نسخے تجویز نہیں کرتے تھے اس لئے طبابت کے پیشہ سے نفرت کرتے تھے۔ اس مغالطے کی وجہ یہ تھی کتاب الکلیات میں ابن رشد نے فصد اور آپریشن کے بعض سہل طریقے ابن زہر کی جانب منسوب کیئے تھے۔ یہ اعتراض اس لئے بھی بے بنیاد ہے کیونکہ ابن رشد کئی سال تک خلیفہ ابو یوسف یعقوب منصور کے دربار میں شاہی طبیب کے منصب پر فائز رہے تھے۔

ایک زمانہ میں مغرب کے علما اور مشرق کے علما کے درمیان یہ بحث جاری تھی کہ کس خطہ زمین کو فضیلت حاصل ہے۔ اس ضمن میں وہ اپنے اپنے ممالک کے ممتاز علما کے نام اور ان کی تصنیفات بیان کر کے اپنی فضلیت ثابت کیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے ابن الربیب قیروانی نے اندلس کے عبدالرحمٰن ابن حزم کے نام ایک مراسلہ بھیجا جس میں نارتھ افریقہ کی فضیلت اندلس پر ثابت کی۔ اس کے جواب میں ابن حزم نے اندلس کے علما کے مناقب وفضائل پر ایک رسالہ لکھ کر ابن الربیب کو بھیجا۔ ابن حزم کے رسالہ کے ذیل

کے طور پر ابن سعید بن حزم نے مزید ایک رسالہ لکھ کر اس کی تکمیل کر دی۔ فلسفہ و اخلاقیات کے بیان میں اس نے ابن رشد کو خاص جگہہ دے کر علمائے اندلس میں خاص الخاص قدر و منزلت کا مستحق قرار دیا۔ ابو الولید شقندی نے تو ابن رشد اور ان کے دادا کو اسلام کے روشن ستارے اور شریعت کے چراغ کے القابات سے نوازا تھا۔ غرض ابن رشد کی رحلت کے ایک سو سال بعد بھی اندلس میں ان کی تصنیفات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا۔

حضرت امام ابن تیمیہؒ اپنے وقت کے شیخ الاسلام تھے انہوں نے ابن رشد کی کتاب کشف الادلہ کا رد لکھا جو ان کی **کتاب العقل والنقل** 'میں شامل ہے۔ ممتاز تاریخ داں ابن خلدون نے اپنی شہرہ آفاق کتاب 'مقدمہ تاریخ' میں ابن رشد کو الفارابی اور ابن سینا کے ہم پلہ قرار دیا تھا۔

آزادی نسواں کا علمبردار

آج کے ترقی یافتہ اور روشن خیال دور میں عورتوں کے حقوق اور آزادی کا ہر طرف چرچا ہے۔ مغرب میں ویمنز لب (women's lib) پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ اس آئیڈیا کے بیج کو مغرب میں کس نے بویا تھا جو آج یہ تن آور درخت بن کر ایک پوری تحریک کو اپنے سایہ نیچے لئے ہوا ہے؟ یاد رہے کہ یورپ میں حقوق نسواں کا سب سے پہلا علمبردار ابن رشد تھا۔ افلاطون کی کتاب الجمہوریہ (جوامع سیاسۃ افلاطون) کی شرح متوسط میں انہوں نے فرمایا عورتیں تمام معاملات زندگی میں مردوں کے مساوی ہیں، ہاں صرف یہ کہ وہ فطری طور پر کمزور ہوتی ہیں۔ امن اور جنگ دونوں حالتوں میں دونوں کی قابلیتیں ایک جیسی ہیں۔ اس دعویٰ کے حق میں انہوں نے یونانی، عرب، اور افریقن (بربر) جنگجو عورتوں کا ذکر کیا۔ مزید کہا کہ ہمارے معاشرے میں عورتوں کا مقام افلاطون کی جمہوریت میں دیئے گئے شہری مساوات کے برابر کا نہیں ہے۔ عورتوں کو بچے جنم دینے، دودھ پلانے اور ان کی پرورش کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو کہ ملک کی اقتصادیات کے لئے برا نیز ریاست کی غربت کا اصل سبب ہے۔ آپ کے نزدیک عورتوں میں حکمراں اور فلاسفر پیدا ہو سکتے تھے۔ (8)

آپ نے مزید فرمایا کہ معاشرے کو اچھے سے اچھا بنایا جا سکتا ہے، اس تبدیلی لانے کے طریقے آپ نے بتلائے۔ ان سیاسی آئیڈیاز نے مذہبی علما اور سیکولر حکمرانوں بلکہ کیتھولک پادریوں کو بھی مخمصے میں ڈال دیا کیونکہ یہ سب گروہ چاہتے تھے کہ معاشرہ جوں کا توں قائم رہے تا ہر کس و ناکس اپنے حقوق کی بات نہ کر سکے۔

مکمل اقتباس ملاحظہ فرمائے: "ہماری سوسائٹی میں عورتوں کے ہنر اجاگر کرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ بچوں کا پیدا کرنا اور ان کی نگہداشت کرنا ان کا مقدر بن چکا ہے۔ اس غلامی کی حالت نے ان میں بڑے کام کرنے کی اہلیت سلب کر دی ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی عورت ایسی نہیں جس میں پر از حکمت خوبیاں ودیعت کی گئی ہوں۔ وہ جڑی بوٹیوں کی طرح بے سود اپنی زندگیاں گزارتی ہیں۔ اپنے شوہروں کے لئے انہوں نے خود کو وقف کر رکھا ہے۔ اس سے وہ زبوں حالی جنم لیتی جو ہمارے شہروں میں عام ہے کیونکہ عورتیں تعداد میں مردوں سے دوگنا سے زیادہ ہیں لیکن ضروریات زندگی وہ اپنی محنت سے پوری نہیں کر سکتیں۔ "(9)

اوپر کے اقتباس پر طارق علی نے یوں اظہار خیال کیا ہے: The first Muslim philosopher to give serious thought to the structural defects of Islam in relation to women was Ibn Rushd from Cordoba. Often denounced as a zindig (heretic) he never retracted on the women question. His open thinking pre-dated the invention of Europe, and therefore did not come from but, in time would go to the Europe that was created by the renaissance. Ibn Rushd argued that 500 years of segregation had reduced the status of women to that of vegetables. (Tariq Ali, The Clashes of Fundamentalisms, 2002, page 66)

اندلس کے اس دور کے معاشرہ میں عورت گویا مرد کی جائیداد تصور کی جاتی تھی۔ مرد ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا تھا اور جب چاہے طلاق دے سکتا تھا۔ عورتیں اپنے گھروں میں محبوس رہتی تھیں، علمی کام کرنے کی استعداد ان میں مفقود سمجھی جاتی تھی۔ کوئی عورت فقیہ، قاضی، استاد، منصف، حاکم کی صورت میں کہیں ڈھونڈے بھی نہ ملتی تھی۔ قارئین اندازہ فرمائے ابن رشد نے حقوق نسواں کی بات ایسے معاشرے میں ایک ہزار سال قبل کی تھی جہاں حکومت، عدلیہ، انتظامیہ میں مرد ہی مرد تھے۔ خلیفہ گویا مطلق العنان حکمراں تھا۔ آمریت کا دور دورہ تھا۔ اس امر سے ان کی آزادی فکر اور جرات رندانہ کا انداز ہوتا ہے۔ حق گوئی اور باکی آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ کلمہ حق کہنے میں ذرا بھی تامل نہ فرماتے تھے۔ یقیناً وہ اپنے دور میں رہتے ہوئے ایک ہزار سال آگے رہ رہے تھے۔ (He was ahead of his time)۔ شاید ان کو کوئی فری تھنکر کا خطاب بھی دے، کچھ بھی ہو ان کے دل میں جو ہوتا تھا وہی زبان پر ہوتا تھا۔

افلاطون کی کتاب 'ری پبلک' کی شرح میں آپ نے پیغمبر اور فلاسفر میں فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مذہب (اسلام) کو فلاسفی پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ مذہب کا پیغام فلسفہ سے زیادہ عوام تک پہنچتا ہے۔ پیغمبر وہ کام کر سکتا ہے جو فلاسفر نہیں کر سکتا مثلاً عوام الناس کی تعلیم و تربیت، آنیوالے واقعات کا علم، مذہبی قوانین کا قیام اور انسانیت کی فلاحی کا قیام۔ الہام کے ذریعہ پیغمبر ایسے احکام و قوانین جاری کرتا جن سے عوام یہ جان لیتے کہ انہوں نے کیسے خوش اخلاقی سے پیش آنا ہے۔ اس ضمن میں پیغمبر کے لئے سیاسی سوجھ بوجھ رکھنا بہت ضروری ہے، کرشمات کو اس میں کوئی سروکار نہیں ہے۔

لندن سے 1854ء میں شائع ہونے والی ایک نادر کتاب خوش قسمتی سے کچھ روز قبل مجھے کنگسٹن کی کوئینز یونیورسٹی کی سٹافر لائبریری میں دستیاب ہوگئی۔ اس میں ابن رشد کا ذکر یوں کیا گیا ہے: The illustrious Alfaki Abu Walid Ben Raxid likewise held that office (kings physician)

about the person of King Abu Jakob, having been summoned to the court of Morocco by the Ameer Amuminin for that purpose in the year 578; but the king almost immediately appointed him Cadi of Cordova... Abu Walid was not only a distinguished physician, but was well versed in many other branches of knowledge. Aben Alged assures us that he was an excellent poet, and he is said to have repeated all the translations of Bochari. He died at Morocco on the 21st day of moon Dylhajia in the year 595. (10)

(ترجمہ) عالم و فاضل فقیہ ابو ولید بن رشد بادشاہ ابو یعقوب کا شاہی طبیب تھا۔ 578 ہجری میں امیر المومنین کے حکم پر اس کے دربار میں مراکش بلایا گیا لیکن بادشاہ نے اس کو قرطبہ کا قاضی جلد ہی مقرر کر دیا۔ ابو ولید نہ صرف ایک ممتاز طبیب بلکہ دوسرے علوم میں بھی مہارت تامہ رکھتا تھا۔ ابن وفید ہمیں یقین دلاتا ہے کہ وہ بہت عمدہ شاعر تھا نیز اس کو بخاری شریف کے تمام تراجم یاد تھے۔ اس کی وفات مراکش میں ذی الحجہ کے چاند کے اکیسویں روز 595 ہجری میں ہوئی۔

ابن رشد کو عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان سے شناسائی حاصل نہ تھی۔ اس لئے ارسطو کی کتابوں کی جو شرحیں انہوں نے لکھیں ان کا انحصار سراسر ان عربی تراجم پر تھا جو بغداد میں حنین ابن اسحٰق، اس کے بیٹے اسحٰق، بھانجے حبیش ابن الحسن، اور عیسیٰ ابن یحیٰ وغیرہم نے آٹھویں صدی اور نویں صدی میں کئے تھے۔ ابن رشد نے کثیر تعداد میں کتب تصنیف کیں لیکن کسی ایک میں بھی اپنی زندگی کے حالات درج نہ کئے۔ ہاں کتاب الکلیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غذا کے معاملہ میں آپ کو جو چیزیں سب سے زیادہ مرغوب تھیں ان میں جو کا پانی (آش جو)۔ چاول کی کھیر، اور بینگن کی ایسی بھجیا بہت مرغوب تھی جو قیمے میں زیتون کے تیل میں بھنی ہوئی ہو۔ پھلوں میں انگور اور انجیر بہت پسند تھے۔

افسوس اس عظیم المرتبت مفکر اور حکیم کی قدر مغرب نے کی اور مشرق میں صدہا سال تک گمنام رہے۔

اب ہم ابن رشد کی زندگی کا مطالعہ بطور مصنف اور فقیہ کے کرتے ہیں

فصل دوم

ابن رشد، مصنف

اور فقیہ

مصنف

عربی ادب میں ابن رشد کا نام آتے ہی عجب فرحت وانبساط کا احساس ہوتا ہے یوں لگتا ہے کوئی بیش قیمت خوشبو سونگھ لی ہو۔ ان کی زندگی کے سرسری جائزہ سے ان کی زندگی کے ایسے حیرت کن زندگی گوشے سامنے آتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ کس قدر وسیع اور ان کا ذہن کتنا تنقیدی اور تحقیقی تھا۔ ان کا روشن دماغ اور عقابی نظر ہمیشہ بلند نظر مضامین پر قلم اٹھانے کے لئے سرگرداں رہتی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کا زورعلم اور تبحر علمی ہی تھا جس نے تاریخ عالم میں ان کو جائز مقام دیا۔ بلاشبہ ابن رشد فضل وکمال کے انسان تھے، اس کے باوجود مشرق میں گمنام رہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ میرے قیاس کے مطابق اس دور کے معاشرہ میں فلاسفروں کو نظر تحسین سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ نیز مشرق میں امام الغزالیؒ کی فلسفہ کے رد میں کتاب تحافت الفلاسفہ کا دانشوروں پر بہت گہرا اثر تھا جس کے سبب فلسفہ ومنطق کے علوم کی تحصیل کو لوگ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے سائنسی علوم کی تعلیم حاصل کرنا بند کردی اور قوم قعر مذلت میں گر گئی۔ اس موضوع پر مزید بحث اس کتاب کے چوتھے باب میں کی گئی ہے۔

ارسطو کی کتابوں پر آپ کی تفاسیر سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ انہوں نے یورپ میں شہرت دوام حاصل کی اور آپ کو دی کمن ٹیٹر (The Commentator) یعنی شارح اعظم کے تعریفی نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس ضمن میں فرانس کے فاضل تاریخ داں اور فلاسفر، پروفیسر ارنسٹ رینان (Ernst Renan 1823-1892) نے ان کے حالات زندگی اور فلسفہ پر ایک کتاب ایوروس ایٹ لا ایوروازم (Averroes et l'Averroisme, Paris 1852) لکھی جس کی بناء پر اس کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ حیدرآباد میں کیا گیا اور 1912ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد معشوق حسین خاں نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو دارلترجمہ، جامعہ عثمانیہ نے 1929ء میں شائع کیا۔ یہ اردو ترجمہ لائبریری آف کانگریس (واشنگٹن) میں مائیکروفلم پر موجود ہے۔ میں نے اس کی ایک کاپی حاصل کرنے کوشش کی مگر کئی ای میل اور فون کالز کے باوجود یہ ممکن نہ ہوسکا۔ لائبریری آف کانگریس میں ابن رشد پر اردو میں ایک اور کتاب بھی موجود ہے جو عبدالواحد خاں (1917-1956ء) نے لکھی تھی اور 320 صفحات پر مشتمل

ہے۔

مسلمانوں میں آپ سات سو سال تک گمنام رہے، آپ کے علمی شہکاروں میں دلچسپی بیسویں صدی میں پیدا ہوئی جب ایک عیسائی عرب جرنلسٹ فرح انطون جو ٹریپولی (لبنان) کا رہنے والا تھا اس نے اپنے رسالہ مجلات الجامعہ (اسکندریہ، مصر) میں **ابن رشد و فلسفتہ** کے عنوان سے کئی ایک مضامین لکھے۔ ان مضامین کی اشاعت کے بعد مصر میں خوب گرما گرم بحث چھڑی جس میں علامہ محمد عبدہ نے بھی حصہ لیا۔ چنانچہ القفال جو میونخ سے 1859ء میں ایم، جے مولر (Muller) نے شائع کی تھی وہ قاہرہ سے 1894ء میں شائع ہوئی۔ پھر 1960ء میں ماجد فخری نے ابن رشد فیلسوف قرطبہ کے عنوان سے کتاب لکھی، محمد موسیٰ نے 1959ء میں بین الدین والفلسفہ قاہرہ سے شائع کی۔ محمد لطفی جمعہ نے ایک کتاب مسلمان فلاسفہ کے حالات پر لکھی **فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب** جس میں ابن رشد کا مبسوط تذکرہ ہے اور دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ نے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا۔

اردو زبان میں مولوی سید حسین بلگرامی نے ایک مضمون ابن رشد کی سوانح پر سب سے پہلی بار لکھا جو ان کے مجموعہ مضامین میں شامل ہے اس کے بعد مولینا شبلی نے الندوہ میں ابن رشد کے حالات پر طویل مضمون لکھا۔ پھر مولوی محمد یونس فرنگی محل نے ان کی سوانح پر اردو زبان میں 389 صفحات پر سب سے پہلی کتاب ابن رشد لکھی جو دار المصنفین سے 1952ء میں شائع ہوئی۔ قاہرہ سے دار المعاف نے 1953ء میں ابن رشد، الطبیب کے نام سے آپ کی زندگی پر ایک کتاب شائع کی۔ فرانسیسی زبان میں آپ کی زندگی پر ایک کتاب 1948ء میں لیوآن گاتھیر نے پیرس سے شائع کی (Ibn Rochd by Leon Gauthier, Paris.)۔ پچاس سال بعد اب ان کی زندگی پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اردو میں کتاب شائع کرنے سعادت حاصل کر رہی ہے۔

رینان کے مطابق ارسطو نے کائنات کی تشریح کی تو ابن رشد نے ارسطو کی توضیح کی۔ مائیکل اسکاٹ اور راجر بیکن کے نزدیک آپ **ارسطوئے ثانی** تھے۔ آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ارسطو کی 38 نادر الوجود کتابوں کی شرح اور تلخیص ہے۔ آپ ارسطو کو **صاحب المنطق** کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ یہودیوں نے یورپ میں آپ کی کتب کے بہت سے تراجم کئے، اٹلی کی پیڈوا یونیورسٹی (Padua) کے مطبع خانے نے آپ کی سب سے زیادہ کتابیں شائع کیں۔ چنانچہ ایک سو سال یعنی 1480-1580ء کے عرصہ میں آپ کی کتابوں کے ایک سو تراجم کئے گئے۔ آپ کی کتابوں کے عربی اور لاطینی میں قلمی نسخے میڈرڈ سے چالیس کلومیٹر دور اسکوریال لائبریری میں موجود ہیں۔ راقم الحروف نے اس عالی شان محل نما کتب خانے کو 1999ء میں وزٹ کیا تھا۔ نیز اشبیلیہ اور قرطبہ کی سیاحت کا بھی موقعہ ملا۔ قرطبہ میں تاریخی مسجد اور دوسرے مقامات (مدینۃ الزہراء) کے علاوہ یہودیوں کے محلّہ میں ابن رشد کا مجسمہ بھی دیکھا تھا جس میں انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ ایک کتاب پر رکھا ہوا ہے۔ یہ مجسمہ دیکھ کر عاجز کئی منٹ خموشی کے عالم میں وہاں سکتہ میں کھڑا رہا تھا۔ شہر کے اندر ایک محلہ میں مکانوں کے عین درمیان موسیٰ ابن میمون کا مجسمہ بھی دیکھا جس کے پاؤں کو وہاں موجود یہودی سیاح چھو کر بے اختیار چوم رہے تھے۔

اسکوریال لائبریری کی ایک مخطوطہ میں (عربی نسخہ نمبر 879) میں آپ کی طب، فلسفہ، فقہ، کلام میں 80 کتابوں کی فہرست دی گئی ہے۔ ان کتابوں کے کل صفحات بیس ہزار بنتے ہیں۔ ان کی کتابوں کے مخطوطوں کی تعداد ۴۱ ہے جبکہ دیگر کتب خانوں میں دس اور مخطوطوں کا پتہ چلتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب لاہور جلد اول صفحات ۵۲۴ تا ۵۲۶)۔ ارنسٹ رینان (Renan) نے کتاب اورسس (Averroes et l'Averroisme, Paris 1852) میں آپ کی کل کتابوں کی تعداد 67 بیان کی ہے 28 فلاسفی پر، 5 علم کلام پر، 4 علم ہیئت پر، 2 گرامر 8 فقہ پر اور 20 طب پر۔ یاد رہے کہ رینان کو اس مقالہ کے لکھنے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی تھی۔

ابن رشد نے جو علمی خدمات انجام دیں وہ ان کی غیر معمولی ذہانت، ذوق وشوق، تجسس علمی، مستقل مزاجی اور اعلیٰ تدبر کا ثبوت ہیں۔ افلاطون کی کتاب ری پبلک کی شرح سے یورپ والوں نے حکومت کے نئے گر سیکھے۔ ۱۴۷۳ء میں فرانس کے بادشاہ لوئی یازدہم کے حکم سے ان کی وہ تمام کتابیں نصاب میں شامل کر دی گئیں جن کا تعلق ارسطو سے تھا۔ اسلامی لٹریچر میں ابن سینا کو الشیخ الرئیس، الکندی کو الفیلسوف العرب، الغزالی کو الامام اور ابن رشد کو شارح اعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ سلطان المنصور کے شاہی فرمان پر آپ کی فلسفہ کی کتنی کتابوں کو قرطبہ میں نذر آتش کیا گیا اس کا اندازہ لگانا محال ہے۔ مؤرخ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء جلد دوم میں آپ کی پچاس کتابوں کے نام گنوائے ہیں۔ ان کتابوں کا ایک کثیر حصہ ارسطو اور جالینوس کی کتابوں کی تفاسیر ہیں۔ اس فہرست میں اور جنرل کتابیں فلاسفی، میڈیسن، اور فقہ پر بھی ہیں۔

ابن رشد کی تصنیفات۔ تاریخ وار

لاطینی میں سولہویں صدی میں ارسطو کی کتابوں کا مجموعہ ایڈیشو پرنسپ (Editio Princeps) ابن رشد کی شرحوں کے ساتھ وینس کے شہر سے پچاس مرتبہ شائع ہوا

تھا۔ سسلی اور اٹلی کا شہنشاہ فریڈرک دوم جو اسلامی کلچر کا بہت دلدادہ تھا اتنا کہ پادری اس پر مسلمان ہونے کا الزام عائد کرتے تھے اس نے ابن رشد کی کتابوں کے ترجمے اپنی سرپرستی میں مائیکل سکاٹ سے کروائے۔ اٹلی کے عالم اینڈریا الپاگو (Andrea Alpago 1520) نے بھی ابن رشد کی کتابوں کے چند ترجمے کئے۔ غرضیکہ ابن رشد کی تفاسیر کے تراجم نے عیسائیوں اور یہودیوں عالموں پر گہرا چھوڑا۔ ٹامس آرنلڈ نے اپنی کتاب لیگی سی آف اسلام میں کہا ہے: "Ibn Rushd belongs to Euorpe and European thought rather than to the East. In Italy his influence lived on into the 16th century. Averroism continued to be living factor in European thought until the birth of modern experimental science".(11)

سپین کے عالم مینوئیل الانسو (Manuel Alonso) نے 1947ء میں میڈرڈ سے ایک کتاب تیولوجیکا دی ایوروس (Teologia de Averroes) شائع کی جس میں ابن رشد کی لاطینی زبان میں تمام کتابوں کے علمی ذخیرہ کا ذکر کیا گیا۔ اس کے بعد عبرانی زبان میں تمام کتابوں کے ذخیرہ کی اشاعت بھی ہو چکی ہے۔ عربی زبان میں کل کتابوں (58) کے ذخیرہ کا تاریخ وار ذکر جمال الدین العلوی نے اپنی کتاب المتن الرشدی (دار البیضا 1986ء) میں کیا ہے۔ اس ضمن میں ایک تازہ کتاب ہانس ڈے بر (Hans Daiber) کی ببلیوگرافی آف اسلامک فلاسفی (Bibliography of Islamic Philosophy, Brill 1999) ہالینڈ سے شائع ہوئی ہے۔ اب ابن رشد کی تمام تصنیفات کی فہرست تاریخ وار پیش کی جاتی ہے بشمول ارسطو کی ان تمام کتابوں کے جن کی تلخیص، جوامع یا شرح آپ نے لکھی۔ اس فہرست کے مطابق کل کتابوں کی تعداد 101 بنتی ہے جو راقم نے انٹرنیٹ سے حاصل کی ہے: http://NIG.OP.ORG/KENNY/RUSHCHRON.HTM

1157ء **المختصر فی المنطق۔ مختصر الا ساجوجی۔ مختصر المعقولات۔ مختصر العبارة۔ مختصر القیاس۔ مختصر التحلیل۔ مختصر البرهان۔ مختصر السفسطة۔ مختصر الجدل۔ مختصر الخطابة۔ مختصر الشعر** (مختصر سے مراد شرح صغیر ہے)

1158ء **مختصر المستصفی (الضروری فی اصول فقه)**۔ امام الغزالی کی فقہ پر کتاب المستصفی کا خلاصہ

1159ء **الجوامع الطبیعة۔ جوامع السماع الطبیعی۔ جوامع السماء والعالم۔ جوامع الکون والفساد** (کیمسٹری پر)۔ **جوامع الاثار العلویة** (میٹرولوجی)

1160ء **المختصر فی النفس۔**

1161ء **جوامع ما بعد الطبیعة** (میٹافزکس)

1162ء **کتاب الکلیات فی الطب**

1164ء **بدایة المجتهد و نهایة المقتصد**

1165ء **تلخیص کتاب ایساغوجی۔ تلخیص المعقولات۔ تلخیص العبارة** (تلخیص سے مراد شرح متوسط ہے)

1166ء **تلخیص القیاس۔**

1168ء **تلخیص الجدل**

1169ء **تلخیص البرهان۔ تلخیص کتاب الحیوانات** (زوآلوجی)۔ **تلخیص من اعضاء الحیوان۔**

1170ء **مختصر المجسطی** (Almagest)۔ **جوامع الحس والمحسوس** (بمقام اشبیلیہ)۔ **تلخیص السماع الطبیعی**

1171ء **تلخیص السماء والعالم** De Caelo

1172ء **تلخیص الکون والفساد مقاله فی المحمولات المفردة والمرکبة۔ مقاله فی جهات النتائج فی المقائیس۔ مقاله فی المقدمه الوجودیة او المطلقة۔**

1173ء **تلخیص الاثار العلویة** (اس کتاب میں قرطبہ میں 1170 میں آنیوالے زلزلہ کا ذکر کیا)

1174ء **تلخیص کتاب النفس۔ تلخیص ما بعد الطبیعة۔ تلخیص السفسطة۔**

1175ء **تلخیص کتاب الخطابة** Rhetoric

1176ء تلخیص الشعر Poetics

1177ء تلخیص کتاب الاخلاق ۔ تلخیص سیا سۃ افلاطون کتاب الجمھوریۃ

(وہ کتابیں جن پر نظر ثانی کر کے ابن رشد نے مقالہ جات Revisions لکھے وہ بھی تعداد میں کافی ہیں)

مقالہ فی نقد مذھب ثا مسطیوس۔ مقالہ فی القیاس الشرطی۔ مقالہ فی نقد مذھب ابن سینا۔ تعلیق علی قول لابی نصر فی کتاب البرھان۔

1174ء مقالہ فی الکلمہ والاسم المشتق و نقد مذھب ابی نصر۔ مقالہ فی الحد ونقد مذھبی الاسکندر و ابی نصر۔

تا1178ء مقالہ فی الکلیات ۔مقالہ فی حد الشخص مقالہ فی ثلاثہ نوع المحدود۔ مقالہ فی الحد الاوسط۔ مقالہ فی الشرائط مقدمات البرھان۔ مقدمات فی الشروط۔ مقالہ من علم الی علم آخر۔ مقالہ فی براھین الوجود۔ مقالہ فی کیف الحد ۔مقالہ فی الحدود۔ مقالہ فی زمان النوبۃ۔ مقالہ فی حفظ الصحۃ۔ مقالہ فی الصحۃ۔ مقالہ فی الترياق ۔ مقالہ فی البذور والزروع۔ مسائل فی الطبیعۃ۔ مقالہ فی جوھر الفلک۔

1178ء مقالہ فی الشعر۔ مقالۃ فی العلم الا لہٰی (الضمیمۃ) ۔ المقال

1179ء الکشف عن منا ھیج الادلۃ فی عقائد الملۃ

1180ء شرح ارجوزۃ ابن سینا فی الطب۔مقالہ فی اصناف المزاج ونقد مذھب جا لینوس۔ مقالۃ فی حیلۃ البرء۔ تھافت التھافت۔ مقالہ فی ان ما یعتقدہ المشا ؤون

1181ء مقالہ فی مفارقۃ المبداء الاول۔ مقالہ فی الخطابہ Rhetorica ۔ مقا لۃ فی السماء والعالم De Caelo

1182ء مقالہ فی جھت نتائج القا ئیس، ۱۱۸۳ء مقالہ فی لزوم جھات الی النتا ئج لجھات المقدمات،مقالہ فی محمولات البراھین

1183 شرح البرھان،

1184ء شرح السماع الطبیعی

1188ء شرح السماء والعالم De Caelo

1190ء شرح کتاب النفس ، De Anima

1192ء تلخیص کتاب الاسطقسات، تلخیص کتاب المزاج، تلخیص کتاب القوی الطبیعیۃ، اختصار العلل ولاعراض،

1193ء تلخیص کتاب الحمیات ، تلخیص کتاب الادویۃ المفردۃ ، مقالہ فی زمان النوبۃ ،تلخیص کتاب الادویۃ المفردۃ

1194ء تلخیص رسالۃ الاتصال لابن باجۃ ، مقالہ فی اتصال العقل المفارق بالانسان، رسا لۃ الا تصال ۔ شرح مقالۃ لا سکندر الافرودیسی فی العقل ، شرح ما بعد الطبیعۃ Metaphysics

فروری1195ء مقالۃ فی معنی المقول علی الکل و غیر ذالک

نو مبر1196ء مقالۃ علی المقالۃ السا بعۃ و الثامنۃ من السماع الطبیعی لارسطو (یہ صرف ایک مقالہ آپ نے نظر بندی کے دوران لکھا تھا)

آپ کی تصنیف و تالیف کا عرصہ 1157ء سے لیکر 1196ء تک ہے یعنی 39 سال کا عرصہ۔ آپ کے اشہب قلم سے جو کتابیں منظر عام پر آئیں ان پر طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تحریروں کے تین دور تھے پہلے دور میں جب ملک میں سیاسی خلفشار تھا تو آپ نے مختصرات (شرح صغیر) لکھیں۔ دوسرے دور میں جب ملک میں سیاسی اطمینان تھا تو آپ نے جوامع (شرح متوسط) لکھیں۔ جب ملک میں اور بھی سیاسی استحکام تھا تو آپ نے تفاسیر اور شروح (شرح بسیط) لکھیں نیز طب میں تلاخیص مرتب کیں۔ یہ سہ گانہ ترتیب اسلامی جامعات کے تین مدارج تعلیم کے مطابق رکھی گئیں تھیں۔ اس طرح کہ مختصر شرحیں پہلے سال کیلئے، اوسط دوسرے سال کیلئے، اور مطول تیسرے سال کے طالب علموں کیلئے تھیں۔ آپ اپنی تحریروں سے کبھی مطمئن نہ ہوتے تھے اس لئے پرانے خلاصہ جات، جوامع ،اور شروح پر نظر ثانی کر تے رہتے اور مقالہ جات لکھتے جنھیں آجکل ہم پوسٹ پبلی کیشن نوٹس کہتے ہیں۔

مجموعہ یا جوامع کی مثال ارسطو کی پانچ کتابیں ہیں: Physics, De Caelo et Mundo, De Generation el Corruption, Meteorologica,

and Metaphysica ۔ ان میں آپ نے ارسطو کے خیالات کو ترتیب وار پیش نہ کیا۔ شرح متوسط کی مثال ارسطو کی کتاب کیٹے گوریز (Categories) بھی ہے جس میں ہر پیراگراف کے آغاز میں فرمایا قال ارسطو اور پھر اس کا اصل عربی متن دیا۔ کیٹے گوریز کا ترجمہ بوجیس (Bouyges) نے کیا جو 1932ء میں شائع ہوا تھا۔

ابن رشد کی کتابوں کا تنقیدی جائزہ

بارہویں صدی کے جو بین الاقوامی ادیب اور عالم عربی زبان و ادب میں مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں ابن رشد کا نام سرفہرست ہے۔ ابن رشد نے بالغ نظری اور سادہ و پرکاری اسلوب بیان کی بناء پر عربی تنقید میں سنگ میل قائم کیا۔ اس میدان میں ان کا مقام و مرتبہ اتنا بلند و بالا تھا کہ یہ حقیر باتقصیر لب کشائی نہیں کر سکتا۔

ابن رشد نے اپنی گراں مایہ نگارشات سے نہ صرف عروس البلاد قرطبہ کا نام روشن کیا بلکہ عربی زبان کے ایک عالمی بصیرت نگار کی حیثیت سے بھی شہرت دوام حاصل کی۔ چنانچہ وہ اکتیس سال کی عمر کو جب پہنچے تو علوم حکمیہ و عقلیہ میں اپنی استعداد مکمل کرنے کے بعد، اپنا ذرخیز ذہن تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ کیا۔ قاضی القضاۃ کے عہدہ کے فرائض احسن رنگ میں سرانجام دینے کے لئے ان کو شہروں اور صوبوں کے سرکاری دورے کرنے پڑتے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ کتابوں کے لکھنے، لکھی ہوئی کتابوں پر نظر ثانی کرنے کا کام بھی شب و روز جاری رہتا تھا۔ اکثر کتابیں انہوں نے کثیر الاشغالی کی حالت میں قلم بند کیں۔ جب اشبیلیہ میں قاضی تھے تو ان کی ذاتی لائبریری کی جملہ کتابیں قرطبہ میں تھیں اس کا ذکر انہوں نے کتاب الحیوان کے چوتھے حصہ کی شرح میں کیا۔ پھر ارسطو کی ایک اور کتاب کی شرح میں گلہ کیا کہ سرکاری کاموں کی وجہ سے فرصت نہیں ملتی، زیادہ وقت دفتری کاموں میں صرف ہو جاتا ہے اور قلبی سکون حاصل نہیں ہو پاتا جو تصنیف و تالیف کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کتاب مختصر المجسطی کے مقالہ اولی میں لکھا کہ مجھے مجبوراً صرف اہم مسائل کی حد تک رہنا پڑتا ہے کیونکہ میری مثال اس شخص کی سی ہے جس کے گھر کے چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہو اور صرف اتنا موقعہ ہو کہ جو اشیاء بے حد ضروری ہیں وہی بچانے کے ساتھ اپنی جان بھی بچالے۔ یہ باتیں ان کے ذوق تصنیف لگن، ذہنی ارتکاز اور دھنی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

ابن رشد نے جن گوناگوں موضوعات پر قلم اٹھایا وہ ان کی فطری استعدادوں کی اغماض ہیں۔ دینی علوم کا علم ان کو ورثہ میں ملا تھا جبکہ یونانی علوم اور علوم عقلیہ میں اکتساب علم انہوں نے ذاتی مطالعہ سے حاصل کیا تھا۔ آج کل ایسے شخص کو سیلف ٹاٹ مین (self-taught man) کہا جاتا ہے۔ جارج سارٹن کی رائے میں آپ پیدائشی عبقری نہ تھے بلکہ جو کچھ حاصل کیا وہ تدبر اور فکر سے حاصل کیا۔

Ibn Rushd was not a creative genius, but a purely reflecting one. (12)

آپ کی تصنیفات کے موضوعات درج ذیل ہیں۔ صرف ونحو، اصول فقہ، علم کلام، منطق، فلسفہ، علم الاخلاق، علم النفس، طبعیات، سیاسیات، علم الحیوان، علم الابدان، علم فلکیات، اور طب۔

بظاہر ابن رشد کی تصنیفات میں کوئی خاص جدت نہیں پائی جاتی مثلاً طب میں ان کی معلومات جالینوس کی کتابوں تک محدود تھیں۔ ان کا فلسفہ اگرچہ ارسطو سے ماخوذ ہے لیکن آپ نے چابکدستی سے اس کو اندلس کے ماحول اور اسلامی روایات کے مطابق ڈھال دیا۔ ان کی فقہ وہی تھی جو ان کے معاصرین کی تھی، ان کی 'الکلیات فی الطب' کو حکیم بوعلی سینا کی 'القانون فی الطب' جیسی پایہ دار شہرت حاصل نہ ہو سکی لیکن ہاں ان کو قوت تنقید کے لحاظ سے خاص امتیاز حاصل ہے۔ تحصیل علم کے لئے قوت تنقید کا ہونا بنیادی چیز ہے جو اس زمانے کے مسلمانوں میں کم تھی زیادہ تر لوگ تقلید کرتے تھے۔ آپ نے اجتہاد سے کام لیا اور نئے نئے خیالات و مشاہدات سے اندلس کے افق علمی کو منور کیا۔ آپ اپنے مافی الضمیر کا اظہار اس وضع سے کرتے تھے کہ اس سے قول فیصل کی صدا آتی تھی۔ ایسا ہوتا بھی کیوں نہ عبارت کی ساخت میں استدلال کی اینٹیں لگی ہوتی تھیں۔ تحریر میں پختگی، صلابت بڑی کاوشوں کے بعد ان کو حاصل ہوئی تھی۔

ابن رشد عربی زبان کے سوا اس وقت کی دیگر علمی و سائنسی زبانوں سریانی، فارسی، لاطینی، یونانی بلکہ طرفہ یہ کہ وطن عزیز کی قومی زبان اسپینش سے بھی نابلد تھے۔ اس لئے ارسطو کی تصنیفات کی شرحیں اور خلاصہ جات انہوں نے ان عربی تراجم سے لکھے جو تین سو سال قبل حنین ابن اسحٰق، اسحٰق ابن حنین، ابو بشر متی، یحیٰ بن عدی، ثابت ابن قرۃ نے بغداد میں کئے تھے۔ کئی یونانی الفاظ کے متبادل الفاظ عربی میں خود وضع کئے جیسے افلاطون کی کتاب کی شرح لکھتے ہوئے لیجیسلیٹر (legislator) کا ترجمہ انہوں صاحب الشریعۃ (ماسٹر آف لاء) کیا۔ مذہبی قانون کے لئے یونانی لفظ نوموس (Nomos) کا ترجمہ انہوں نے شریعت کیا۔ اسی طرح جج کے لئے جو یونانی لفظ ہے اس کا ترجمہ انہوں نے (بجائے قاضی کے) حکیم کیا کیونکہ اس لفظ کا روٹ حکم (دانائی) ہے۔

البتہ جہاں انہوں نے دیکھا کہ ترجمہ میں نقص ہے تو انہوں نے ترجمہ خود کیا اور ارسطو کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ کر بہتر طریق سے ادا کیا۔ مثلاً ارسطو کتاب الجدل (Rhetoric) کے ابتداء میں مدعی، جج، اور قانون ساز کی بات کرتا ہے جو کہ یونانی عدلیہ کی طرف صریح اشارہ ہے۔ ابن رشد نے اس آئیڈیا کو اندلس کے اسلامی ماحول کے

مطابق ادا کرنا تھا تا لوگ اس کا مفہوم آسانی سے سمجھ سکیں۔ شہادت کے بارہ میں ارسطو کہتا ہے کہ مدعی خود اپنی شہادت پیش کرسکتا ہے لیکن اس کے لئے مدعی کی شخصیت کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ ابن رشد نے اس کی شرح یوں کی کہ اول شہادت تو یہ ہے کہ مدعی جب اپنے حق میں بیان دیتا ہے تو وہ اپنی قابلیت خود ثابت کرتا ہے جس کے ذریعہ اس کو قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے۔ اس دلیل کے حق میں ابن رشد نے قرآن پاک کی آیت 7:68 **و انا لکم نا صح امین** (اور میں تمہادے لئے قابل اعتماد نصیحت کرنے والا ہوں) پر انحصار کیا جو حضرت ھودؑ نے بطور شہادت کے کہا تھا۔ ایک مسلمان جج کی حیثیت سے یوں آپ نے یونانی فلسفہ اور اسلامی قانون میں تطبیق اور ہم آہنگی پیدا کردی۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا یونانی تہذیب سے آپ کی واقفیت بہت محدود تھی اور یونانی زبان سے یا اللہ واجبی سی تھی اس لئے آپ نے بعض مرتبہ یونانی حکماء کے ناموں کی پہچان میں غلطی کھائی اور دو مختلف افراد کو ایک سمجھا جیسے وہ فیثا غورث (Pythagoras) اور ڈیما کریٹس (Democrates) میں فرق نہ کرسکے۔ یونانی ادب سے بھی ناواقف تھے اس لئے یونانی شاعری کی متعدد اقسام ٹریجڈی، کامیڈی، ڈرامہ اور ایپک (epic) میں فرق نہ کرسکے، انہوں نے سمجھا کہ ٹریجیڈی مدحیہ شاعری اور کامیڈی ہجو آمیز شاعری کا نام ہے۔ انہوں نے اہل عرب کے کلام بلکہ قرآن مجید سے بھی ان کی مثالیں تلاش کرنے کی بے سود کوشش کی۔ یونانی فلاسفہ اور فلسفہ کے مختلف گروہوں کے ناموں کو بھی انہوں نے غلط ملط کردیا۔ مگر یاد رہے کہ ایسی فاش غلطیاں دوسرے مسلمان شارحین ارسطو سے بھی سرزد ہوئیں تھیں جیسے ابن سینا نے کتاب الشفاء میں رقم طراز ہے کہ کامیڈی وہ نظم ہے جس میں کسی شخص کے افعال قبیحہ کھول کر بیان کئے جاتے ہیں۔

یونانی فلسفیوں میں سے اسکندر افرودوسی (Alexander of Aphrodasia) نے ارسطو کے فلسفہ پر شروح لکھیں تھیں، ابن رشد نے اسکے خیالات کو ہدف تنقید بنایا۔ ابن باجہ کو وہ اندلس میں فلسفہ کا باوا آدم کہتے تھے۔ ابن سینا کی انہوں نے مخالفت کی جس کا سبب اس کی مذہب کی تائید و تردید ہے۔ امام غزالیؒ سے ان کو دشمنی اس لئے تھی کیونکہ انہوں نے فلسفہ کو برا اور فلاسفروں کو زندیق قرار دیا تھا۔ ارسطو کے ساتھ ان کی شیفتگی انتہائی درجہ کی تھی، اس کو صاحب المنطق کے لقب سے یاد فرماتے تھے۔ ارسطو کی تعریف و توصیف کے باب میں آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو ایسی نعمتیں ودیعت کی گئی ہوں اسے انسان کی بجائے دیوتا کہا جائے تو بجا ہے۔ ایک اور جگہہ لکھا کہ ارسطو کے مسائل بلکل حق ہیں، چونکہ اس کا دماغ ذکاوت انسانی کی انتہا ظاہر کرتا ہے اس لئے یہ کہنا بجا ہوگا کہ خدا نے اتنی اعلیٰ وارفع تعلیم دینے کے لئے اس شخص کو پیدا کیا جس قدر حاصل کرنا ہمارے امکان میں داخل تھا۔

مغربی مصنف راجر آرنلڈس نے آپ کی دیوقامت علمی شخصیت کو درج ذیل چند گنے چنے الفاظ میں بیان کر کے گویا سمندر کو کوزے میں بند کردیا ہے: "اس بارہ میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آپ کی وسیع القلبی، آپ کا سخت (سائنسی) طریق کار، تجزیہ، اور وہ نئی ایجادات جو آپ نے کیں جن میں کئی ایک اب بھی ہمیں نئی ریسرچ کی طرف رہ نمائی کرسکتی ہیں، یہ ایسی مثالیں ہیں جن کو فلاسفی کی تعلیم میں ابھی بھی سود مند طریق سے استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔"

It is unquestionable that his openness of mind, his rigorous method, his analyses, not to mention his innovations, several of which can put us onto the path of new research, are examples which can still be profitably utilized today in the teaching of Philosophy. (13)

اس باب کا خلاصہ چھ لفظوں میں یہ ہے: ابن رشد علم کا سمندر تھے۔

بے مثل فقیہ

معجز رقم ابن رشد بے مثل فقیہ اور فقہی معاملات میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ یہ علم اور ذوق انہیں دادا اور باپ سے وراثت میں ملا تھا۔ قانونی مہارت ان کے رگ وریشہ میں رچی بسی ہوئی تھی۔ فقہ اور حدیث میں ابن رشد کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ بقول ابن الابار ان علوم میں اندلس میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ان کی زبردست علمیت اور شہرت کے پیش نظر 1169ء میں انہیں اشبیلیہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ دو سال بعد قرطبہ کے قاضی محمد بن مغیث کی وفات پر 1171ء میں قاضی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ قاضی کے فرائض کیا ہوتے تھے؟ قاضی ایسا سرکاری افسر ہوتا تھا جس کے ہاتھ میں عدلیہ کی تمام اتھارٹی ہوتی تھی۔ چونکہ ملک کے قانونی اختیارات خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتے تھے اس لئے قاضی کا تقرر خلیفہ خود کرتا تھا۔ اندلس میں قاضی کی معاونت کے لئے مجلس شوریٰ ہوتی تھی جس سے وہ مشورہ کرتا تھا۔ مشاورت کا اصول قرآن پاک کی آیت کریمہ 42:38 و

شاورھم فی الامر پر مبنی ہے۔ اس لئے قاضی کے جب سامنے کوئی مشکل مقدمہ سماعت کے لئے آتا ، تو وہ ان ارا کین سے مشورہ کرتا تھا۔ قاضی کے لئے دیوانی اور فوجداری معاملات میں صلاحیت رکھنا ضروری ہوتا تھا جن کے فیصلے شریعت کے قوانین کے مطابق کئے جاتے ہیں۔ مزید براں قاضی کے لئے مختلف اسلامی مذاہب کے عقائد اور اصولوں کا علم رکھنا بھی ضروری ہوتا تھا تا وہ مقدمہ کا فیصلہ فریقین کے مسلک کے مطابق کر سکے۔ اندلس میں قاضی الجماع (کیپٹل جج) کو قاضی القضاۃ کا لقب دیتے تھے جس کا رواج بغداد کی عباسی خلافت کی طرز پر تھا۔ قاضی القضاۃ تمام عدالتی انتظامیہ کا ذمہ دار ہوتا اور وہی صوبوں میں قاضی مقرر کرتا تھا۔

ایک مقدمہ کا فیصلہ

مراکش کے تیرھویں صدی کے معروف مؤرخ عبد الواحد مراکشی نے ابن رشد کے ایک مقدمے کا ذکر کیا ہے: قرطبہ میں ایک نامور ، دانشور استاد تھا جس کو لوگ وزاغی (چھپکلی) کہہ کر بلاتے تھے۔ اس کے ایک شاگرد کو لوگ غرنوق (سارس) کہہ کر بلاتے تھے۔ غرنوق ایسے نوجوان کو بھی کہتے ہیں جس کا چہرہ نہایت خوبصورت ہو۔ اس استاد کے دیگر شاگردوں کو شک ہوا کہ شاید ہمارا استاد اس پری چہرہ لڑکے کے ساتھ عشق میں مبتلا ہے۔ فی الحقیقت کوئی ایسی بات نہیں تھی کیونکہ خدا نے استاد کو اس گناہ سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ ایک طالب علم نے استاد کی ہجو ملیح لکھی جو کچھ یوں تھی:

اے دیوار پر چپکی چھوٹی سی چھپکلی

ایک دلفریب پرندہ تمہارا دل بہلاتا ہے

کیا ایسی چیز ممکن ہے؟

تم تو دیواروں پر چپکی رہتی جبکہ وہ پرواز کرتا ہے۔

استاد کو جب اس ہجو کا علم ہوا تو اس نے ابن رشد کی عدالت میں ہتک عزت مقدمہ دائر کر دیا۔ ابن رشد نے سماعت کے بعد شاعر کو جسمانی سزا سنادی۔ مؤرخ نے سزا کی تفصیل بیان نہیں کی لیکن یہ سزا قرآن میں بیان کردہ حد کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ یعنی شاعر قذف کا مورد ہوا جس میں اسی کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ قذف کا جرم اس وقت سرزد ہوتا جب کوئی شخص کسی نیک انسان پر چار گواہ لائے بغیر کسی گندے فعل کے ارتکاب کا الزام عائد کرتا ہے۔ قرآن پاک (24:4) میں نیک عورتوں (محسنات) کے خلاف گندی افواہ پھیلانے کا ذکر یوں ہے۔ **والذین یر مون المحصنت ثم لم یر تابو ا باربعۃ شھدا فا جلدو ھم ثمنین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابداً(النور)** اور جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ اور ان کی گواہی آئندہ کبھی مت قبول کرو۔ قاضی ابن رشد نے تہمت لگانے کی سزا اجتہاد کر کے اس شاعر پر واجب لاگو کر دی۔ اگر چہ آئت کریمہ میں خاص واقعہ کا ذکر ہے لیکن اس میں عمومی حالات بھی شامل ہیں۔ یاد رہے کہ مالکی مذہب کے مطابق کسی پر بہتان لگایا جائے تو اس کو عدالت میں مقدمہ دائر کرنا لازم ہوتا ہے اور یہی کچھ اس مقدمہ میں ہوا۔

فقہہ اور اصول فقہہ پر کتابیں

قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد انہوں نے فقہ کا رخ ہی بدل دیا۔ اگلے دس سال میں انہوں نے طب، فلسفہ، اور علم کلام میں متعدد بصیرت افروز کتب تصنیف کیں۔ وہ تمام امور میں اجتہاد سے کام لیتے تھے اور جدید ملکی تقاضوں کے پیش نظر فروعی مسائل میں اپنے اجتہاد سے فیصلے کرتے تھے۔ ان کے اس اجتہاد نے ملک گیر شہرت حاصل کر لی۔ چنانچہ خلیفہ ابو یعقوب یوسف بن عبد المومن کی 1184ء میں وفات کے بعد جب اس کا بیٹا ابو یوسف یعقوب (المنصور) تخت نشین ہوا تو اس نے ملک کے تمام فقہاء کو حکم دیا کہ

کسی امام یا مجتہد کی تقلید نہ کریں بلکہ خود اپنے اجتہاد سے فیصلہ کریں۔ چنانچہ تمام عدالتوں میں فروع فقہ کی پابندی اٹھا دی گئی اور جو فیصلہ کیا جاتا قرآن مجید، حدیث، اجماع، قیاس کی مدد سے ائمہ فقہ کی آراء کی روشنی میں کیا جاتا۔ فقہ اور اصول فقہ پر ابن رشد نے آٹھ گراں قدر کتابیں تصنیف کیں ان میں **بدایۃ المجتھد** کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کی شخصیت چاند ستاروں کی طرح جگمگانے لگی۔ اس کے علاوہ خلیفہ منصور نے آپ کو اپنا مشیر خاص مقرر کر لیا اور اکثر فرصت کے اوقات میں دوستانہ ماحول میں آپ سے علمی مسائل پر گفتگو کرتا اور آپ کے صائب مشوروں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاتا تھا۔ اس باہمی انس و مودت کی بناء پر ابن رشد خلیفہ منصور کو برادرمن کہہ کر مخاطب ہوتے۔

فقہ اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں مختلف مسائل کے متعلق احکام صادر کئے جائیں، اس لئے ضروری ہے کہ جو شخص فقیہ ہو وہ قرآن اور حدیث کا بھی پورا عالم ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ فقیہ کو قانونی مہارت کے علاوہ دنیاوی معاملات کا بھی تجربہ ہو اور الجھے ہوئے معاملات و مسائل کو شریعت کے مطابق سلجھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

فقہ ان احکام شرعیہ کا بھی نام ہے جن کا تعلق انسان کے ظاہری اعمال سے ہے۔ احکام سے مراد وہ عملی مسائل ہیں جو انسان کو روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ خواہ وہ مسائل عبادات (نماز، روزہ، حج) یا معاملات (خرید و فروخت، ٹھیکہ، شرکت) سے متعلق ہوں۔ گویا روزمرہ زندگی کے مسائل شرعی سند کے ساتھ پیش کرنے اور اس پر عمل درآمد کرنے کی تلقین کرنے والے علم کا نام فقہ ہے۔ فقہ کا اطلاق دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے مسائل پر ہوتا ہے اس لئے فقہ کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اول عبادات یعنی دینی امور (نماز، زکوۃ، روزہ، حج کے احکام کی تفصیل۔ دوم دنیاوی امور (عقوبات یعنی حدود وتعزیرات، مناکحات یعنی نکاح، خلع، ایلاء، اظہار۔ اور معاملات بیع وشراء، اجارہ، ٹھیکہ، عاریت، امانت، ضمانت، شرکت، مصالحت، شفعہ) وغیرہ۔

ابن رشد چونکہ مالکی مذہب کے قاضی تھے اس لئے حضرت امام مالکؒ کے مختصر حالات پیش کئے جاتے ہیں۔ امام صاحب مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، تمام زندگی مدینہ میں رہے اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ مدینہ کے معزز امام، فقیہ، اور محدث تھے۔ آپ امام شافعیؒ کے استاد تھے۔ علم حدیث میں کتاب موطا تصنیف کی جس کے متعلق امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر امام مالک کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی اور کتاب نہیں ہے۔ امامؒ مسائل کے استخراج کے لئے صرف قرآن اور حدیث پر اعتماد رکھتے تھے اور جس حدیث کی سند وہ صحیح جانتے اس سے استدلال فرماتے تھے خواہ ایسی روایت کو صرف ایک راوی نے ہی روایت کیا ہو۔ آپ اقوال صحابہ کو قابل سند قرار دیتے تھے اور نص کی عدم موجودگی میں اپنے اجتہاد کے مطابق فتوی دیتے تھے۔ جب آپ کو کسی مسئلہ کے متعلق علم نہ ہوتا تو اس کے متعلق مسئول سے کہہ دیتے **لا ادری** (میں نہیں جانتا)۔ مالکی مذہب پورے حجاز میں پھیلا ہوا تھا لیکن بعد میں صرف اندلس، الجزائر، تیونس، طرابلس، بالائی مصر، سوڈان، بحرین، میں محدود ہو کر رہ گیا۔

ابن رشد نے فقہ پر 8 شاہکار کتابیں قلم بند کیں۔ **بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد، کتاب لمقدمات فی الفقہ، خلاصہ المستفی للغزالی فی اصول فقہ، اسبابالاختلاف، الدروس الکاملۃ فی لفقہ،، مقالہ فی الضحایہ، فرائض السلاطین ولخلفا، کشف عن المنا ھیج الادلۃ۔**

کشف کا جرمن زبان میں ترجمہ میکس میولر (Max Muller) نے 1859ء میں **المقال** کے ہمراہ فلاسفی اینڈ تھیولوجی وان ایوروس (Philosophie und theologie von Averroes) کے عنوان سے میونخ سے شائع کیا۔ علم فقہ پر آپ کی معرکۃ الآراء کتاب **بدایۃ المجتہد** (starting the industrious) قاہرہ سے آخری بار 1966ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب علم خلاف کے موضوع پر بے نظیر اور جلیل القدر کتاب ہے۔ انگلش میں اس کا ترجمہ پروفیسر احسن خاں نیازی (اسلام آباد) نے کیا اور دو جلدوں کا مکمل سیٹ 44 پاؤنڈ میں (kitaabun.com) سے خریدا جا سکتا ہے۔

ابن رشد سے قبل بالعموم فقہ کی کتب میں فروعی مسائل جمع کر دئے جاتے تھے اور قاری یہ معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ کس فروعی مسئلہ کو کس اصول کے تحت مستنبط کیا گیا ہے۔ اور کیا بیان کردہ مسئلہ کا کوئی مخالف پہلو بھی ہے یا کہ نہیں؟ اور اگر ہے تو اسے بیان کرنے والا کس اصول سے اخذ کرتا ہے ابن رشد نے مسئلہ کے موافق اور مخالف پہلو بیان کر کے ہر ایک مذہب کے تائیدی دلائل بیان کئے۔ اور اگر ان بیان کردہ مسائل میں سے کسی ایک سے بھی اتفاق نہ ہوتو انہوں نے اس مسئلہ میں اپنا اجتہاد پیش کر کے اختلاف بیان کو دلائل صحیحہ سے واضح کیا۔ انہوں نے قرآن پاک کی دو متضاد آیات یا احادیث نبوی ﷺ کو پیش کر کے ان میں مطابقت ثابت کرنے کی۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیا ایک حکم ہر چیز پر لاگو ہے یا کہ اس میں مستثنیات (exceptions) ہیں یا پھر یہ کہ فلاں حکم بلکل منسوخ ہو گیا ہے۔ ابن رشد مالکی مذہب کے پیروکار تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے مختلف ائمہ مذاہب (امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام حنبلؒ) کی رائے بلکل غیر جانب داری سے پیش کیں۔ یہ کہ وہ مالکی مذہب کے پیروکار ہیں اس بات کا پتہ فقط یوں چلتا ہے جب وہ اپنے مذہب میں کسی شرعی مسئلہ پر پائے جانے والی مختلف آراء پر دوسرے مذاہب کی آراء سے زیادہ روشنی ڈالتے ہیں۔

آپ نے **بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد** (ایسے شخص کیلئے جو ذاتی کوشش (اجتہاد) کرنا چاہتا یہ قاعدہ ہے اور ایسے شخص کے لئے خاتمہ جو ایسی کوشش سے اجتناب کرتا ہے Primer for the discretionary scholar) 1167ء میں مکمل کی ماسوا حج کے باب کے جو 1188ء میں لکھا گیا تھا۔ اس کتاب کا تعلق ادب کی اس شاخ (genre) سے ہے جس کو علم الاختلاف کہا جاتا ہے۔ کتاب میں جملہ موضوعات پر مختلف مذاہب کی رائے پیش کی گئی ہیں اور فقہاء کے مابین اختلاف (controversy) اور ان کے دلائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کو فقہی کتابوں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس کے مطالعہ سے اجتہاد کی قوت اور استعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ اجتہاد صرف فقہی مسائل میں کیا جاتا ہے یعنی جب قرآن، سنت، حدیث اگر کسی مسئلہ پر خموش ہوں تو اجتہاد کر کے مسئلہ کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ ابن رشد نے کتاب لکھنے کی غرض وغایت اپنے الفاظ میں یوں بیان کی:

"اس کتاب کی غرض یہ ہے کہ اگر انسان لغت اور اصول فقہ سے بقدر ضرورت واقف نہ ہو تو اس کتاب کے مطالعہ سے اس میں اجتہاد کی قوت پیدا ہو جائے۔

اور اسی وجہ سے میں نے اس کتاب کا نام بدایۃ المجتہد رکھا کیونکہ اس کے بغور مطالعہ سے (انسان میں) اجتہاد کی استعداد پیدا ہوسکتی ہے۔ ہمارا مقصد اس کتاب میں یہ ہے کہ ہم شریعت کے متفق علیہ اور مختلف علیہ احکام کے مسائل بیان کر دیں، کیونکہ ان دونوں قسم کے مسائل کی واقفیت کے بعد ہی کوئی مجتہد اس اصول کو جان سکتا ہے جس کے ذریعہ وہ پیش آمد اختلاف کو رفع کر سکتا ہے۔ اگر ان مسائل کی واقفیت کے ساتھ ساتھ فقہاء کے اختلاف کے علل واسباب بھی (انسان کے) ذہن نشین ہو جائیں تو انسان ہر جدید حادثہ کے متعلق شرعی فتویٰ دینے کے قابل ہو سکتا ہے۔ "

اس کتاب کی تین خصوصیات ہیں:

(1) بدایۃ کے مضامین کی ترتیب دیگر کتب فقہ کی ترتیب سے مختلف ہے۔ مثلاً عبادات کے بعد کتاب الجہاد کو کتاب الایمان اور معاملات سے مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ ابن رشد کے نزدیک جہاد کا مرتبہ عبادات کے بعد سے سب مقدم ہے۔ اسی طرح کتاب الاشربہ اور کتاب الضحایا کو معاملات سے الگ کر دیا گیا ہے کیونکہ ہمارے مذہب میں ان چیزوں کی حیثیت ثانوی ہے۔

(2) اس کتاب کے مطالعہ سے قاری میں اجتہاد کی قوت واستعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔ ابن رشد سے قبل فقہاء کا کام صرف یہ تھا کہ وہ اپنے امام کی رائے کی تائید لازماً کرتے تھے چنانچہ اپنے امام کے قول کو صحیح ثابت کرنے کیلئے ہر قسم کے رطب و یابس فراہم کئے جاتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ فریق اپنے اپنے امام کے مسلک کے ساتھ چمٹا رہتا۔ چنانچہ ان کے ذہنوں میں جلا نہ پیدا ہوسکتی کہ وہ خالی الذہن ہوکر یہ فیصلہ کریں کہ حق کے ساتھ کون ہے اور باطل پر کون ہے۔ علامہ ابن رشد نے یہ کتاب تالیف کر کے ذہنوں کے اس دھارے کو سراسر بدل کے رکھ دیا اور کورانہ تقلید کے انداز کو تہ و بالا کر دیا۔ اذہان میں نئے انداز پر سوچنے کی اہلیت پیدا کر دی۔

(3) فقہ کی کتابوں میں عموماً فروعی مسائل جمع کر دئے جاتے ہیں۔ قاری یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ کس فرعی مسئلہ کو کس اصول کے تحت مستنبط کیا گیا ہے اور کیا مسئلہ کا کوئی مخالف پہلو بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اسے بیان کرنے والے نے کس اصول سے وضع کیا ہے۔ ابن رشد نے بدایۃ میں اس مقلدانہ طرز کو ترک کر کے نیا اسلوب اختیار کیا۔ انہوں نے ہر مسئلہ کے مخالف اور موافق پہلو بیان کر کے ہر مذہب کے تائیدی دلائل بیان کر دئے اور ساتھ ساتھ ترجیحی مذہب کی نشاندہی بھی کر دی۔ اگر ان کو بیان کردہ مسائل میں سے کسی ایک کے ساتھ اتفاق نہ بھی ہوتو انہوں نے اس مسئلہ میں اپنا اجتہاد پیش کر کے اختلاف بیان کو دلائل سے واضح کر دیا۔

پروفیسر مانٹ گمری واٹ نے اس کے مضامین کی یوں وضاحت کی ہے

The book deals with the "differences" between the various legal schools and pays special attention to the types of : arguments used by each to justify its particular decisions (14)

علامہ ابن رشد کی وسعت نظر کا اظہار بدایۃ میں یوں ہوتا ہے کہ انہوں نے معروف اور غیر معروف ہر قسم کے ائمہ کے نظریات اس کتاب میں پیش کر دئے۔ امام مالکؒ کے اصحاب میں سے ابن القاسم، اشہب، سحنون، ابن الماجشون۔ امام ابو حنیفہؒ نیز امام شافعیؒ کے اصحاب عطاء بن دینارؒ، ابو ثورؒ، امام ثوریؒ، اوزاعیؒ، امام احمد حنبلؒ، امام داؤد ظاہری، فقیہ ابو اللیثؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، ابن جریر طبری غرض تابعی اور غیر تابعی ہر قسم کے ائمہ کے اقوال کتاب میں نقل کر کے ہر ایک کے دلائل بھی واضح طور پر بیان کر دئے۔ اگر کسی مسئلہ میں صحابہؓ نے اختلاف کیا تو اختلاف مع وجہ کے بیان کر دیا۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے بدایۃ بہت مقبول ہوئی۔ ان کا اجتہاد میں اعلیٰ درجہ کا مقام مخالف و موافق نے تسلیم کیا۔

عورت کی امامت کے متعلق اختلافات پیش کرنے کے بعد کہتے ہیں: وشذا ابو ثور والطبری فاجازا اما متھا علی الاطلاق۔ ابو ثور اور طبری جمہور سے الگ ہیں اور اس بات

کے قائل ہیں کہ عورت علی الاطلاق امامت کر سکتی ہے عورتوں اور مردوں دونوں کی۔ (بدایۃ المجتہد جلد اول صفحہ 185) استحقاق قضائت کے بیان میں عورت کی قضائت کے متعلق اختلافات تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: قال الطبری یجوز ان تکون المرأۃ حاکما علی الاطلاق فی کل شیٍ۔ عورت علی الاطلاق ہر شی میں حاکم ہو سکتی ہے (یعنی دیوانی اور فوجداری کی کوئی تخصیص نہیں) بلکہ وہ بادشاہ بھی ہو سکتی ہے۔ (بدایۃ المجتہد جلد دوم صفحہ 277)

ابن رشد کے محاکمہ کی مثال

فقہاء میں ایک قابل ذکر اختلاف یہ ہے کہ بلا ولی کے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر

نکاح نہیں ہوسکتا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام زفرؒ، امام شعبیؒ اور امام زہریؒ کے نزدیک جب کوئی عورت اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ایسے شخص سے کر لے جو اس کے معیار کے مطابق ہو تو جائز ہے۔ داؤد ظاہریؒ نے باکرہ کے نکاح کے لئے ولی کا ہونا ضروری قرار دیا ہے لیکن ثیبہ بغیر ولی کے نکاح کر سکتی ہے۔ منکرین حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث کو اپنے مؤقف کے حق میں پیش کرتے ہیں اور ظاہریہ بھی اسی حدیث کے ظاہر الفاظ سے استدلال کرتے ہیں۔

ابن رشد کہتے ہیں قرآنی آیات کا طرز خطاب کسی فریق کی حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ محکم نہیں ہے بلکہ مجمل ہے۔ نہ ہی شارعؑ نے اپنے طرز عمل سے اس کی تشریح کی۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے بھی ظاہریہ کی تائید ہوتی ہے۔ اگر اس مسئلہ پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بلوغت کی عمر پہنچنے پر عورت کو تصرف مال کا حق شرعاً حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ نظیر یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ عورت کو عقد نکاح کا حق بھی ملنا چاہئے، اولیاء کو زیادہ سے زیادہ نگرانی اور فسخ کا حق دیا جا سکتا ہے۔ پھر اگر شرعاً ولی کی موجودگی نکاح کے لئے شرط ہوتی تو شارع اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیتے یعنی وہ اصناف اولیاء، ان کے مراتب اور اختیارات کی تشریح بھی کر دیتے۔ (بدایۃ المجتہد جلد دوم صفحہ 7-8)

اختلاف کی ایک مثال

بدایۃ المجتہد میں ایک باب جہاد پر ہے۔ اس میں اس بات پر بحث کرتے ہوئے کہ جنگ کے دوران دشمن کو نقصان اس کی جائیداد، اس کو جسمانی زخم، یا اس کی آزادی کا سلب کیا جانا (یعنی اس کو غلام بنا لینا) کس حد تک جائز ہے؟۔ اجماع ائمہ یہ ہے کہ ایسا نقصان مشرکوں مرد، عورت، جوان اور بوڑھے، معروف یا غیر معروف افراد کو پہنچایا جاسکتا ہے۔ صرف راہبوں کے بارہ میں مختلف آراء ہیں، کچھ کا کہنا ہے کہ ان کو قید نہ کیا جائے، ان کو امن میں رہنے دیا جائے، ان کو غلام نہ بنایا جائے۔ اپنی اس رائے کے حق میں وہ حدیث نبوی ﷺ پیش کرتے ہیں جس میں حضور پاک ﷺ نے فرمایا ان کو امن میں رہنے دو اور وہ چیز بھی جس کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کیا ہے۔ نیز وہ اپنے مؤقف میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا عملی نمونہ بھی پیش کرتے ہیں۔

اکثر علما اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ قیدیوں کے ساتھ سلوک کے بارہ میں اسلامی ریاست کے سربراہ (امام یا خلیفہ) کو کئی اختیارات حاصل ہیں۔ وہ ان کو معاف کر سکتا ہے، وہ ان کو غلام بنا سکتا ہے، وہ ان کو قتل کر سکتا ہے، وہ ان کو تاوان کی ادئیگی پر رہا کر سکتا ہے، یا ایسا شخص ذمی بن کر ملک میں رہ سکتا ہے۔ آخری صورت میں قیدی کو جزیہ دینا لازمی ہوگا۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ قیدیوں کو کبھی قتل کیا نہ جائے۔ الحسن ابن محمد التمیمی کے مطابق صحابہ کرامؓ کا اس امر پر اجماع تھا۔

یہ اختلاف اس لئے پیدا ہوا: اول قرآن کریم کی آیات اس ضمن میں بظاہر متضاد ہیں۔ دوم رسول کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کے طرز عمل میں بظاہر تناقض ہے۔ سوم قرآن پاک کی آیات کی تعبیر رسول پاک ﷺ کے اعمال سے بظاہر میل نہیں کھاتی ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ نمبر 47 آیت نمبر 4 میں ارشاد ہوا ہے: **فاذا لقیتم الذین کفرو فضرب الرقاب، حتی اذا اثخنتموھم فشد و الوثاق** (ترجمہ) سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خوں ریزی کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو (قیدی بنا لو)۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی، تاج کمپنی لاہور)۔ قرآن کی سورۃ نمبر 8 آیت نمبر 67 میں ارشاد ہوا ہے: **ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتی یثخن فی الارض** (ترجمہ) نبی کے شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کر دئے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خوں ریزی نہ کر لیں۔ (ترجمہ مولینا اشرف علی تھانوی صفحہ 167) نیز جس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی (یعنی جنگ بدر کے قیدی) اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ قیدیوں کو قتل کر دینا بہتر ہے بجائے ان کو غلام بنانے کے۔ خود آنحضور ﷺ نے میدان جنگ کے باہر قیدیوں کو بعض دفعہ قتل فرمایا لیکن بعض دفعہ ان کو معاف بھی فرما دیا۔ عورتوں کو آپؐ قیدی بناتے تھے۔ ابو عبیدؓ سے روایت ہے کہ سرور کونین ﷺ عرب آدمیوں کو قیدی نہیں بناتے تھے۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ نے اجماع کیا کہ اہل کتاب کے مرد اور عورتیں غلام بنائے جا سکتے ہیں۔

وہ لوگ جن کی رائے یہ ہے کہ آیت کریمہ (47:4) جو قتل کی ممانعت کرتی ہے وہ سنت نبوی کی تنسیخ کرتی ہے ان کی رائے میں قیدیوں کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ اس

کے برعکس بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ چوں کہ نبی پاک ﷺ قیدیوں کو قتل کیا کرتے تھے وہ دراصل آیت 47:4 کے حق میں تصدیق ہے۔ اس لئے نبی کریمؐ نے اگر بدر کے قیدیوں کو قتل نہیں فرمایا تو وہ مناسب ہے، کوئی شکایت والی بات نہیں۔ یوں ایسے لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ قیدیوں کا قتل کرنا جائز ہے۔ (15)

اختلاف کی ایک اور مثال

دشمن کی جائیداد (جیسے عمارتیں، مویشی، زرعی وں) کو کس قسم کا نقصان پہنچایا جا سکتا ہے؟ اس بارے میں مختلف آراء ہیں۔ مالک بن انسؓ نے درختوں کو گرانے،

پھلوں اور عمارتوں کے گرانے کی اجازت دی ہے لیکن مویشیوں کو قتل کرنے کی اور کھجور کے درختوں کو جلانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اوزاعی نے پھلوں والے درختوں اور عمارتوں کے گرانے کی مخالفت کی ہے چاہے ایسی عمارتیں گرجے ہی کیوں نہ ہوں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ عمارتیں اور درخت جلائے جا سکتے ہیں بشرطیکہ دشمن ان کو قلعوں کے طور پر استعمال کر رہا ہو۔ اگر ایسا نہیں تو عمارتوں کا گرانا اور درختوں کا کاٹنا قابل سرزنش ہے۔

اس اختلاف کی کئی وجوہات ہیں۔ مثلاً حضرت ابو بکرؓ کا عملی نمونہ آنحضرت ﷺ کی سنت کے خلاف تھا۔ ایک مستند روایت کے مطابق نبی پاک نے بنونظیر قبیلہ کے کھجور کے درختوں کو آگ لگا کر جلا دیا تھا۔ جبکہ حضرت ابو بکرؓ کا نا قابل تردید حکم یہ ہے کہ درخت مت کاٹو اور عمارتوں کو مت گراؤ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اگر ایسا فرمایا تو صرف یہ جان کر کہ نبی پاک کا عملی نمونہ منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ ابو بکرؓ کی کیا مجال کہ وہ نبی کریم کی سنت کا علم رکھتے ہوئے تردید کرتے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کا یہ عمل صرف اور صرف بنونظیر کے قبیلہ کیلئے تھا کیونکہ ان لوگوں نے نبی پاکؐ پر حملہ میں پہل کی تھی۔ جو لوگ ایسے دلائل پیش کرتے ہیں وہ ابو بکرؓ کے نقطہ نظر سے اتفاق کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ایسے لوگ بھی ہیں جو سراسر نبی پاک کے عملی نمونہ پر انحصار کرتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ کسی کے فعل یا قول کو اس کے اپنے عملی نمونہ کے برعکس دلیل کے طور پر پیش کرنا، ناممکن امر ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک درختوں کا جلا دینا جائز ہے۔

امام مالکؒ نے مویشیوں اور درختوں میں فرق بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک مویشیوں کا قتل اذیت دینے کے مترادف ہے، اس لئے یہ قطعی طور پر منع ہے۔ مزید براں آنحضور ﷺ نے کبھی بھی جانوروں کو قتل نہیں فرمایا تھا۔ مشرکین کی جانوں اور ان کی جائیدادوں کو کس حد تک نقصان دیا جا سکتا ہے اس کے بارہ میں یہ تشریح کافی ہے۔

اختلاف کی مثال ۔ نکاح سے متعلق

نکاح کی تین بنیادی شرائط ہیں: اولیاء۔ گواہوں کی گواہی اور حق مہر۔ اولیاء کے کیا اوصاف ہونے چاہئیں؟ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ولی مسلمان بالغ مرد ہونا چاہئے۔ لیکن تین اشخاص کے متعلق اختلاف ہے: غلام۔ فاسق اور سفیہ۔ (جو نفع ونقصان میں فرق نہ کر سکے)۔ غلام کے متعلق اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اس کی ولایت درست نہیں ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک درست ہے۔ (یہ حکم آج کے دور پر چسپاں نہیں ہوتا کیونکہ غلامی غیر قانونی قرار دی جا چکی ہے)۔ رشد کے متعلق اصحاب مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ امر ولایت کے لئے شرط نہیں ہے۔ ان کے شاگردوں میں سے اشہب اور ابو مصعب اس روایت کے حامی ہیں۔ اور یہی مذہب امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک رشد بھی ایک ضروری شرط ہے۔ رشد سے مراد وہ صفت ہے جس کے ماتحت کوئی شخص نفع اور نقصان میں تمیز کر سکتا ہے۔

وجہ اختلاف: اس اختلاف کی وجہ یہ سوال ہے کہ آیا نکاح کی ولایت مال کی ولائت کے مشابہ ہے یا نہیں؟ جن کے نزدیک رشد ولایت نکاح میں ضروری ہے لیکن ولایت مال میں ضروری نہیں انہوں نے ولایت مال کے لئے رشد کا پایا جانا ضروری نہیں قرار دیا۔ ابن رشد کے نزدیک ولایت مال اور ولایت نکاح دونوں کے لئے رشد کا پایا جانا ضروری ہے لیکن ولایت نکاح اور ولایت مال دونوں میں رشد کے مدارج میں فرق کرنا پڑے گا۔ ولی کے عادل ہونے کے بارہ میں اختلاف اس وجہ سے ہے کہ ولی کے غیر عادل ہونے کی صورت میں اس بات اندیشہ باقی رہتا ہے کہ وہ ایسا رشتہ تجویز کر دے جو غیر مناسب ہو اور لڑکی معیار کے مطابق نہ ہو۔ ولایت نکاح کا فریضہ تقاضا کرتا ہے کہ ولی عادل ہو۔ ابن رشد کہتے ہیں کہ ولایت نکاح کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے ان میں عدالت کا شمار نہیں ہوتا کیونکہ معیاری رشتہ تلاش کرنے کا اصل محرک تو انسان کا یہ احساس ہے کہ لوگ اسے یہ طعنہ نہ دیں کہ اس نے ایسا رشتہ تلاش کیا جو اس کے شایان شان نہیں ہے۔ عادل سے مراد ایسا شخص جو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو۔ (15)

بغیر مہر کے نکاح

اس بات پر سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایسا نکاح جس میں مہر مقرر نہ کیا گیا ہو جائز ہے۔ یعنی نکاح کی صحت کے لئے مہر کا مقرر کرنا ضروری نہیں البتہ رخصتانہ کے بعد مہر واجب ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسو ھن او تفرضوا لھن فریضۃ** (بقرۃ آیت 236) ترجمہ: تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اگر تم بیویوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو جبکہ تم نے ان کو چھوا تک نہ ہو اور نہ ہی مہر مقرر کیا ہو۔ اس بارہ میں دو مواقع پر اختلاف کیا گیا ہے۔ اول: جب بیوی مہر مقرر کرنے کا مطالبہ کرے اور میاں بیوی کا مقدار مہر میں اختلاف ہو۔ دوم: جب خاوند فوت ہو جائے اور اس نے نکاح کے موقعہ پر مہر مقرر نہ کیا ہو۔

مسئلہ اول کے متعلق فقہاء کے ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا مہر مثل مقرر کیا جائیگا۔ اگر خاوند اس اختلاف کے دوران بیوی کو طلاق دیدے تو اس صورت میں بعض کے نزدیک اس کا نصف مہر ادا کرے اور بعض کے نزدیک اس کا کوئی مہر نہیں ہے۔ کیونکہ نکاح کے موقعہ پر اس کا کوئی مہر مقرر نہیں تھا۔ یہ مذہب امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک مسئلہ اول میں خاوند کو تین اختیارات دئے جائیں گے۔ اول بیوی کو مہر مقرر کئے بغیر طلاق دیدے۔ دوم عورت کے مطالبہ کے مطابق اس

کا مہر مقرر کرے سوم مہر مثل مقرر کرے۔

وجہ اختلاف: یہ بحث اللہ تعالیٰ کے ارشاد (سورۃ بقرۃ آیت نمبر 236) میں اختلاف کی بناء پر ہے۔ بعض کے نزدیک یہ آیت مہر کے سقوط کے متعلق ایک عام حکم بیان کرتی ہے خواہ طلاق کی وجہ مہر مقرر نہ کرنے کا معاملہ ہو یا کوئی اور وجہ ہو۔ نیز اس آیت میں گناہ کی نفی سے مراد یہ ہے کہ طلاق دینے والے پر مہر واجب نہیں ہے یا اس کا کوئی اور مطلب ہے؟ اس کے متعلق ابن رشد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ظاہر مفہوم تو یہی تقاضا کرتا ہے کہ ایسی صورت میں طلاق دینے والے پر مہر واجب نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: و متعوهن علی الموسع قدره و علی المقتر قدره (بقرۃ آیت نمبر 236) ترجمہ اور چاہئے کہ تم انہیں مناسب طور پر کچھ سامان دے دو۔ دولت مند پر اس کی حیثیت کے مطابق اور نادار پر اس کی حیثیت کے مطابق۔ ابن رشد کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کوئی شخص مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق دیدے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔

مزید ابن رشد فرماتے ہیں کہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص تعلقات زوجیت سے قبل اپنی بیوی کو طلاق دیدے جبکہ نکاح کے وقت اس کا حق مہر مقرر ہو چکا ہو تو اس صورت میں خاوند پر نصف مہر کے علاوہ کچھ لہ ادا کرنی بھی ہوگی جو نقد مال یا کپڑوں کی صورت میں ہو۔ اور وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ جس نکاح میں مہر مقرر نہیں ہوا وہاں مہر مثل واجب ہو جاتا ہے ان پر یہ واجب کہ وہ ایسے نکاح میں اگر مجامعت سے قبل طلاق ہوئی ہو تو زائد سامان کے علاوہ مہر مثل کا نصف بھی دلوائیں کیونکہ آیت سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق دی جاسکتی ہے۔ مہر کے ساقط ہونے کا براہ راست اس آیت کریمہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسئلہ دوم: جب خاوند فوت ہو جائے اور اس نے نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا ہو اور زوجیت کے تعلقات بھی قائم نہ ہوئے ہوں تو اس صورت میں امام مالکؒ اور ان کے اصحاب اور اوزاعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی مہر نہیں ہے بلکہ اس کی دلداری کے کچھ دے دینا چاہئے۔ عورت اس کی میراث میں بھی شریک ہوگی۔ (16)۔

غرضیکہ کیا بلحاظ اسلوب تحریر، ترتیب مضامین، جمع اقوال ائمہ، قوت فقاہت، بدایۃ المجتہد ایک بے مثل کتاب ہے۔ اگرچہ فقہ کی دوسری کتابیں بھی اسی طرز پر لکھی گئیں تھیں لیکن اختصار کے ساتھ جامعیت کے لحاظ سے اس جیسی کوئی کتاب نہیں ہے۔ ابن رشد نے فقہ کے بارہ میں جس علمی استدلال اور واقفیت کا ثبوت دیا ہے اور جس طرح اصولی طرز پر محاکمہ کیا ہے اس کے بعد یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے زمانے کے مجتہد اعظم تھے۔ یورپ میں اگرچہ وہ شارح ارسطو تھے لیکن مسلمانوں کے لئے ان کا تمغہ امتیاز ان کا رتبہ اجتہاد ہے۔

ابن رشد کا علم کلام

علم کلام فلسفہ کی پیداوار ہے۔ یہ دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے:

ا۔ اسلامی عقائد کا اثبات ۲۔ دوسرے فلسفوں اور مذاہب کی تردید

اندلس میں عام طور پر فلسفہ و منطق کی درس و تدریس کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھا جاتا تھا اس لئے یہاں علم کلام زیادہ ترقی نہ کر سکا۔ حسن اتفاق سے ابن حزم نے فلسفہ و منطق میں کمال پیدا کیا اور علم کلام پر دو مستند کتابیں لکھیں۔ اندلس میں اشعری مذہب کے رائج الوقت ہونے کے بعد تاویل کی بحث نے اندلس میں شدت اختیار کر لی اور مسلمانوں میں دو گروہ پیدا ہو گئے، ایک تاویل کو جائز اور دوسرا ناجائز خیال کرتا تھا۔ علمائے سلف آیات متشابہات میں تاویل کو ناجائز سمجھتے تھے، لیکن اشاعرہ نے ان میں بڑے شد و مد سے تاویل کی۔ اس اختلاف سے یہ مسئلہ معرکۃ الآراء بن گیا۔ درحقیقت تاویل کے پردہ میں ان لوگوں نے اور فلاسفروں نے شریعت کی بیخ کنی شروع کر دی تھی۔

علم کلام میں یوں دو اہم مسئلے پیدا ہو گئے تھے۔ اول یہ کہ فلسفہ اور شریعت میں باہمی تعلق کیا ہے؟ دوم نصوص شرعیہ میں تاویل جائز ہے یا نہیں؟ فقہاء کا گروہ کہتا تھا کہ فلسفہ کی تعلیم جائز نہیں کیونکہ اس سے عقائد میں ضعف پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ فلسفہ عین دین ہے اور فلسفہ جو تعبیر کرتا ہے وہی شریعت کی صحیح تعبیر ہے۔ جیسا کہ ہر ظاہر کا باطن ہوتا ہے، بعینہ شریعت ظاہر ہے اور فلسفہ باطن۔

معجز نگار ابن رشد میں یہ دونوں چیزیں جمع ہو گئیں تھیں۔ ایک طرف تو وہ مجتہد فقیہ اور دوسری طرف محقق فلسفی تھے۔ وہ عقل اور مذہب دونوں کو ایک دوسرے کا ممد و معاون دیکھنا چاہتے تھے۔ القال میں فرمایا: " جو لوگ فلسفی کہلاتے ہیں ان سے شریعت کو زیادہ نقصان پہنچا ہے، کیونکہ دوست سے جو تکلیف ملتی ہے وہ دشمن کی دی ہوئی تکلیف سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ فلسفہ شریعت کی سہیلی اور اس کی رضاعی بہن ہے اس لئے ایک فلسفی سے جو تکلیف پہنچتی ہے وہ بہت زیادہ سخت ہوتی ہے، یوں شریعت اور فلسفہ میں باہم جنگ چھڑ جاتی ہے حالانکہ دونوں حقیقت میں باہم دوست اور متحد ہیں " (صفحہ 26-25) بعض فلاسفروں نے شریعت میں تاویلیں کر کے اسلام کے عقائد کو مسخ کرنے کی

کوشش کی تھی۔ فلاسفروں کے علاوہ اہل اسلام نے تاویل کا دروازہ کھول کر خود اپنے اپنے آپ کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا تھا، اسی لئے اتنے فرقے پیدا ہو گئے تھے۔

معجز بیان ابن رشد فرماتے تھے کہ مجتہد میں ذات الفطرۃ (keen sense of truth) کے علاوہ العدلہ الشریعۃ (ethical virtue) کا ہونا ضروری ہے۔ تمام انسان دلائل سے ثبوت ملنے پر یقین نہیں لاتے بلکہ بعض لوگ الاقاویل الجدلیہ اور بعض خطابیۃ سے تصدیق کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ خدا انسانوں سے تین قسم کے طرز استدلال سے گفتگو کو مستحسن جانتا ہے: **ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن** (16:125) ترجمہ: آپ اپنے رب کی راہ (دین) کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلائے، اور (اگر بحث آن پڑے تو) ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے (اس میں شدت نہ ہو)۔

ابن رشد بھی اگرچہ فلسفی ہونے کے ناطے سے شریعت کے بعض نصوص کی تاویل کو ضروری قرار دیتے تھے لیکن اس کے لئے شرط یہ تھی کہ ایسا صرف وہ لوگ کر سکتے جو صاحب نظر اور ماہر دین ہوں۔ وہ ہر کس و ناکس کے لئے تاویل کو ناجائز قرار دیتے تھے، ان کے نزدیک عوام کو صرف ظاہری معنوں کی تلقین کرنی چاہئے۔

علم کلام پر آپ نے درج ذیل تصانیف عالیہ قلم بند فرمائیں: **المقال فیما بین الحکمة و الشریعة بین الاتصال، ذیل المقال، الکشف عن مناھیج الادله فی عقائد الملة، شرح عقیده ابن تومرت الامام المهدی، تهافت التحافت الفلاسفه**، ایک رسالہ اس عنوان پر کہ عالم کے حدوث کے متعلق فلاسفہ اور متکلمین میں حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں۔ ان معرکۃ الآراء کتب میں سے دو کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

المقال

المقال ابن رشد کی مایہ ناز تخلیق بلکہ سرمایہ فخر ہے۔ فقہ میں یہ کتاب غیر معمولی سرمایہ خیال کی جاتی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے ابن رشد کی جامع الکمالات شخصیت کے بے شمار گوشے سامنے آتے ہیں۔ درحقیقت یہ کتاب ان کی شخصیت کی آئینہ دار ہے جس میں ان کی ندرت فکر اور اسلوب کے گوشوں کا عکس منور نظر آتا ہے۔ آپ کے زور علم اور تبحر علمی نے ہی تو تاریخ اسلام میں آپ کو قد آور شخصیت کا جائز مقام دلایا تھا۔

اس کتاب میں انہوں نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی میں فلسفہ اور منطق کے علوم میں غور و فکر کرنے کو واجب بتایا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ان علوم میں کامل قیاس کے ذریعے غور کرنا جائز ہے۔ قیاس عقلی میں غور و فکر کرنے کو واجب ٹھہراتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حکیم کیلئے اپنے پیش رووں کی تحقیقات سے فائدہ اٹھانا ضروری ہوتا ہے۔ متاخرین کیلئے لازم ہے کہ وہ متقدمین سے استفادہ کریں، مگر اس کے ساتھ وہ حق تنقید کو محفوظ رکھتے تھے۔ جو حق کے موافق ہو اس کو قبول کر لو اور جو حق کے خلاف ہو اس پر اعتراض کر کے اس کو چھوڑ دو۔ ابن رشد کہتے ہیں: "اس کا مطلب یہ نہیں کہ اہل نظر اور صاحب بصیرت کو بھی ان کتابوں کے پڑھنے سے روک دیا جائے"۔

المقال (فیصلہ کن کتاب) میں اس موضوع پر آپ نے روشنی ڈالی کہ کیا منطق و فلسفہ کی تعلیم جائز ہے یا نہیں؟ منطق و فلسفہ کے متعلق اس دور میں مسلمانوں میں دو گروہ پیدا ہو گئے تھے۔ (۱) محدثین کا گروہ کہتا تھا کہ ان کی تعلیم جائز نہیں کیونکہ اس سے مذہبی عقائد میں ضعف پیدا ہوتا ہے۔ (۲) دوسرا گروہ کہتا تھا کہ فلسفہ دین کے عین مطابق ہے اور شریعت کی وہی تعبیر صحیح ہے جو فلسفہ کرتا ہے، اس لئے کہ ہر ظاہر کا باطن ہوتا ہے اور شریعت ظاہر ہے اور فلسفہ باطن۔ ابن رشد نے کہا کہ ان دونوں گروہوں کی رائے ٹھیک نہیں میرے نزدیک فلسفہ و منطق کا سیکھنا نہ صرف جائز بلکہ واجب و مستحب ہے کیونکہ قرآن حکیم میں خدا نے عالم کائنات سے اپنے وجود پر استدلال قائم کیا ہے۔ جیسے آیات کریمہ: **فاعتبروا یا اولی الابصار، فاعتبروا یا اولی الالباب**۔ عربی میں اعتبار اور قیاس ہم معنی لفظ ہیں یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسی قسم کی آیات سے قیاس فقہی ثابت کرتے ہیں۔ اگر ان آیات سے قیاس فقہی کا جواز نکلتا ہے تو اس سے قیاس برہان کیوں جائز نہیں؟

قیاس کی ایک مثال: حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت امام باقرؒ سے دریافت کیا مرد ضعیف ہے یا کہ عورت؟ امام باقرؒ نے فرمایا عورت۔ پھر امام ابو حنیفہؒ نے سوال کیا وراثت میں مرد کا زیادہ حصہ ہے یا عورت کا؟ حضرت امام باقرؒ نے فرمایا مرد کا۔ اب امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اگر میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ظاہری قیاس کی بناء پر ضعیف کو زیادہ ملنا چاہئے۔ (امام اعظم مطبوعہ فیروز سنز لاہور 1977 صفحہ 28)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ فلسفہ سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں اس لئے اس کا سیکھنا حرام ہے۔ ابن رشد پوچھتے ہیں کہ نفع و ضرر سے دنیا کی کون سی چیز مستثنیٰ ہے؟ غذا کا دخل اور اس کی کثرت معدہ میں بار پیدا کرتی ہے، اب کیا تم اس بناء پر یہ طبی قاعدہ بنا سکتے ہو کہ غذا طبی طور پر مضر ہے؟ کیا صرف فلاسفہ ہی بیدین ہوتے ہیں؟ کیا فقہاء کبھی گمراہ نہیں ہوتے؟ تجربہ بتلاتا ہے کہ فلسفہ سے زیادہ فقہ سے بیدینی کی اشاعت ہوتی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ فقیہ کی بیدینی پر اس کا جبہ و عمامہ پردہ ڈالتے رکھتے ہیں۔

نصوص قرآنی کی تاویل جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق مسلمانوں میں دو گروہ تھے، ایک تاویل کو ناجائز سمجھتا تھا اور دوسرا اس کا قائل تھا۔ سب سے پہلے اشاعرہ نے

آیات متشابہات میں تاویل کی اور اس کے بعد یہ مسئلہ معرکۃ الآراء بن گیا۔ ابن رشد کے زمانہ میں فلسفہ ومذہب میں باہمی تعلق کے مسئلہ کی طرح یہ مسئلہ بھی ارکان دین میں شمار کیا جاتا تھا۔ ابن رشد نے کہا کہ تاویل جن نصوص میں جائز ہے وہ صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو راسخ فی العلم ہیں۔ عام لوگوں کو ظاہری معنی کی تلقین کرنی چاہئے۔ مثلاً اگر عوام سے یہ کہا جائے کہ خدا ہے مگر اس کا کوئی مقام نہیں، نہ جہت ہے، وہ قیامت کے روز ہی دکھائی دے گا مگر اس کا جسم نہیں ہے۔ تو اس قسم کا وجود ان کے ذہن میں سمانہیں سکتا۔

اشعریت کیا ہے؟

اشاعرہ نے عجیب وغریب قسم کے عقائد مسلمانوں کو عطا کئے۔ یہ ایسے عقائد تھے جنہوں نے دنیا کے سٹیج پر سے انسان کا سارا کردار غائب کر دیا۔ اسے مجبور محض بنا کر تقدیر کے ہاتھ میں بے جان کھلونا بنادیا۔ ایسی سوچ بھلا کب کسی ترقی کا موجب ہوسکتی تھی بلکہ ایسے ہی عقائد مسلمانوں کی تباہی اور مرگ آمیختہ زوال کا موجب بنے تھے۔

پاکستان کے مجتہد عالم ڈاکٹر فضل الرحمٰن کہتے ہیں: عہد حاضر کے مسلمان مفکرین کی اکثریت نے تیسری صدی کے وسط میں خلافت کی تباہی اور مسلم دنیا کے سیاسی انتشار کو مسلمانوں کے فکری جمود کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے اپنے تجزیہ میں کہا ہے کہ سیاسی بربادی سے بہت پہلے اسلامی روح میں جمود آچکا تھا۔ علم کلام اور اس کے ارتقاء نے ہی اس جمود کا مظاہرہ کیا ہے بلکہ قانونی سوچ سے بھی بڑھ کر، علم کلام کی، جس نے دسویں، گیارہویں، اور بارھویں صدیوں میں تشکیل پائی۔ سب سے زوردار شکل نے اشعریت کے روپ میں جنم لیا۔ اس نے اپنے لئے اس عظیم مقام، اسلامی قانون کے اصولوں کا دفاع کرنیوالا، کا دعویٰ کیا۔ اشعریت نے نظریہ اسباب وعلل اور انسانی ارادہ کے اثر اور اس کی قوت کے خیال کو مسترد کر دیا جس سے بزعم خویش خدا کی قدرت کامل کا اثبات تھا یعنی دنیا کی سٹیج پر انسان نہیں بلکہ صرف اللہ کی ذات ہی اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ اشعریت نے مزید کہا کہ حسن وقبح (اچھائی اور برائی، افادہ اور ضرر) کے جاننے کا پیمانہ عقل نہیں بلکہ وحی ہے۔ نیز یہ کہ قرآنی احکام واوامر کے پیچھے کوئی فلسفہ یا مقصد نہیں ہے ان کی صرف اسلئے پیروی کی جاتی ہے کہ وہ خدائی احکام ہیں۔ اشعری نظریہ کو پروان چڑھانے والے دسویں صدی کے عالم ابوبکر باقلانی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ مسلمانوں سے زمان اور مکان کی جوہریت (atomism) پر اعتقاد نہ رکھنے (یعنی نظریہ اسباب وعلل کو مسترد کرنے) کا سرکاری سطح پر مطالبہ کیا جائے۔ فکر ونظر کی یہ تبدیلی خلافت کی بربادی سے بہت پہلے وجود میں آچکی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اشعریت نے آہستہ آہستہ مسلم دنیا پر اپنی گرفت مضبوط کرلی اور غزالی جیسے صوفی کی مدد سے اس کا دائرہ وسیع ہوگیا حتیٰ کہ سنی مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت نے اسے عقیدہ کے طور پر قبول کرلیا۔ (اسلام اور جدیدیت Islam & modernism، شکاگو یونیورسٹی پریس، امریکہ ۱۹۸۲ء صفحہ ۲۶ تا ۲۷)

تاویل کے شرعی اصول کیا ہیں؟ تاویل کی ضرورت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "شریعت نے جن باتوں میں واضح حکم دینے میں خموشی اختیار کی ہے اس میں اور برہان عقلی میں کوئی تناقض نہیں ہے، لیکن اگر شریعت نے ان کو بیان کیا ہے اور اس بیان کے ظاہری معنی برہان عقلی کے موافق ہیں تو اس میں کوئی بحث نہیں ہونی چاہئے۔۔۔ ہاں اگر وہ برہان عقلی کے خلاف ہیں تو ان کی تاویل کرنی چاہئے۔ تاویل کے معنی یہ ہیں کہ لفظ کے حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی لئے جائیں۔ لیکن اس کے ساتھ اہل عرب نے مجازی معنی لینے کے جو اصول وضع کئے ہیں ان میں خلل واقع نہ ہونا چاہئے، مثلاً یہ کہ ایک چیز کو بول کر اس کے مشابہ یا اس کے سبب یا عوارض وغیرہ مراد لئے جائیں۔ فقہاء بہت سے احکام شرعیہ میں ایسا ہی کرتے ہیں، تو ایک فلاسفر کے لئے ایسا کرنا اور بھی زیادہ مستحب ہے۔ مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نہ تو شریعت کے تمام الفاظ کو ظاہری معنوں پر محمول کرنا چاہئے، اور نہ ہی تاویل کے ذریعہ ان کے تمام معنوں کو چھوڑ دینا چاہئے۔ ہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ کن الفاظ کی تاویل کرنی چاہئے اور کن الفاظ کے ظاہری معنی لینے چاہئیں۔"

مثلاً اشاعرہ آیت استواء اور حدیث نزول کی تاویل کرتے ہیں اور حنابلہ ان کے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں " قرآن مجید پر اگر غور کیا جائے تو اس میں جمہور کی تعلیم کے تین طریقے موجود ہیں، جو اکثر لوگوں کی تعلیم میں مشترک ہیں، ان طریقوں سے بہتر طریق کہیں اور نہیں پائے جاتے۔ اس لئے جس شخص نے ایسی تاویل سے جو بذات خود واضح نہ ہو ان طریقوں میں تحریف کی یا سب پر اس کو ظاہر کر دیا، اس نے اس کی حکمت کو برباد کر دیا اور شریعت نے انسانی سعادت کا جو مقصد سامنے رکھا تھا، اس کو ضائع کر دیا۔ صدر اول اور ان کے بعد کے مسلمانوں کے حالات کے موازنہ سے یہ بات خوب ثابت ہوتی ہے۔ صدر اول کے مسلمانوں کو جو فضیلت اور تقویٰ حاصل تھا اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ تاویلات نہیں کرتے تھے اور جو لوگ تاویل سے واقف تھے وہ اس کی تصریح کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے بعد کے مسلمانوں نے تاویل کا استعمال کیا تو ان کا تقویٰ کم ہوگیا، اختلافات بڑھ گئے اور باہمی محبت زائل ہوگئی "

کشف المناھج

کشف الادلہ میں ابن رشد نے اپنے دور کے چار مشہور فرقوں یعنی اشاعرہ، معتزلہ، باطنیہ اور حشویہ کے عقائد پر تنقید کر کے ان کے طریق استدلال کی غلطی بیان کی ہے۔ پھر اثبات باری تعالیٰ، توحید، صفات باری، حدوث عالم، بعثت انبیاء، جور وعدل، اور معاد کی حقیقت بیان کی اور ان پر عقلی ونقلی دلائل پیش کئے۔ انہوں نے بتایا کہ ان فرقوں نے جو عقائد تاویل کے ذریعہ ایجاد کئے ہیں وہ صریحاً غلط ہیں۔ ان فرقوں میں سے معتزلہ کے عقائد پر آپ نے بہت کم بحث کی کیونکہ اندلس میں ان کا صحیح مسلک جاننے کے لئے ان کی کوئی کتاب یا رسالہ دستیاب نہیں تھا۔ باطنیہ کے متعلق بھی کچھ اظہار خیال نہ کیا۔ حشویہ کے متعلق صرف اتنا لکھا کہ شرعی عقائد میں ان کے نزدیک عقل کو کوئی دخل حاصل نہیں ہے۔ پھر قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت کیا کہ خدا نے اپنے وجود پر بہت سی عقلی دلائل پیش کئے ہیں۔ صوفیہ کے متعلق لکھا کہ ان کا مسلک قیاس سے مرکب نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک علم و معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ قلب کو عوارض شہوانیہ سے پاک کر کے مطلوب پر غور وفکر کیا جائے۔ اس نقطہ نظر کے ثبوت میں وہ قرآن حکیم کی آیات بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اگر اس طریقہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی یہ تمام انسانوں کے لئے نہیں ہو سکتا۔ اس سے نظری طریقہ بلکل غلط ثابت ہو جائیگا، حالانکہ قرآن حکیم بار بار نظر و اعتبار کی دعوت دیتا ہے۔ غرضیکہ آپ صوفی ازم پر یقین نہ رکھتے تھے۔

جہاں تک اشاعرہ کا تعلق ہے (امام الغزالیؒ کا تعلق اسی گروہ سے تھا) ابن رشد نے ان کو دل کھول کر ہدف تنقید بنایا ہے۔ ابن رشد کے نزدیک عقائد کے جو دلائل قرآن میں موجود ہیں وہ اہل برہان اور عوام دونوں کے لئے تسلی بخش ہیں کیونکہ ایک طرف تو وہ یقینی ہیں اور دوسری طرف سادہ، غیر مرکب ہیں۔ لیکن اشاعرہ کے دلائل ان دونوں اوصاف سے عاری ہیں، نہ تو وہ نظری طور پر یقینی ہیں اور نہ شرعی دلائل کی طرح وہ سادہ اور قطعی ہیں۔ آج کے حنفی علماء اشعری عقائد رکھتے ہیں۔ اشعری عقائد کی مقبولیت کا عام سبب یہ تھا کہ اس میں عوام پسند سوچ کو رواج دیا گیا تھا۔ عوام جب بھی خدا کی بات کرتے ہیں اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ فلسفی کچھ بھی کہتا رہے عوام کا خدا آسمان پر بیٹھا ہوا ہے۔ ابن رشد لکھتے ہیں: حقیقی اور اصلی مفہوم عوام کی سوچ میں آ ہی نہیں سکتا مثلاً اگر عوام سے کہا جائے کہ خدا ہے لیکن نہ اس کا کوئی مقام ہے نہ جگہ ہے، نہ جہت ہے، نہ اس کا کوئی جسم ہے تو اس قسم کا وجود ان کے دماغ میں آ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے خدا کے متعلق یہ باتیں کہنا، عوام کے نزدیک یہ کہنے کے برابر ہے کہ خدا ہے ہی نہیں (کشف عن مناہج الادلہ فی عقائد الملۃ صفحہ ۲۱)۔

اشعریہ کی اشاعت کا ایک اور سبب یہ تھا کہ یہ انسان کو جبریہ عقائد کی تعلیم دیتا تھا اور اسے مجبور محض بتاتا تھا۔ ایسی سوچ لوگوں کو گناہوں اور برائیوں پر مطمئن رکھتی ہے اور وہ برے کام کا ارتکاب کر کے کہتے ہیں کیا کیا جائے خدا کے حکم کے بغیر تو پتہ بھی نہیں ہلتا، یہ کہہ کر وہ اپنے گناہوں پر پردہ ڈال لیتے ہیں۔ ان کا ضمیر ان کو کچھ کہنے نہیں دیتا۔ اور ایک وجہ اس کی مقبولیت عوام کی جہالت اور فلسفہ کے خلاف ان کے ذہنوں میں زہر ابھرا ہوا تھا۔ اس عقیدے کو رواج دینے والے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے جیسے امام غزالی، امام فخرالدین رازی اور علامہ سیف الدین آمدی۔ علمائے منقول عوام میں ہمیشہ مقبول رہے یعنی ایسے علماء جو کسی مسئلہ پر اقوال کے ڈھیر لگا دیں۔ امام غزالی اور اس طرح کے دوسرے علماء اور دانشوروں پر اشعریہ کی کمزوریاں واضح تھیں مگر وہ اس کی مخالفت برسر عام نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ایسے عقائد کی مخالفت کرنا اپنی موت کو بلا کر اپنا گھر دکھلانا تھا۔

امام غزالی نے دو قسم کی کتابیں لکھیں (۱) ایک وہ جن میں اشاعرہ کی تائید کی گئی تھی (۲) اور دوسری وہ جن میں اشاعرہ کے بعض اعتقادات پر محاکمہ کیا گیا تھا۔ امام غزالی اس خیال کے حامی تھے کہ اسرار شریعت عام طور پر ظاہر نہیں کئے جا سکتے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں: امام غزالی نے ان ہی کتابوں کی اشاعت کی جو اشاعرہ کے اعتقادات کے موافق تھیں اور اپنے خاص مذاق کے مطابق جو کتابیں لکھیں ان کی نسبت تاکید کی کہ ان کو شائع نہ کیا جائے۔ اس لئے ان کا شمار اشاعرہ کے علماء میں ہوتا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں: دوسرے درجہ کے عقائد وہ ہیں جن کی تصدیق لوگ اس وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ علمائے کبار میں مقبول عام ہو چکے ہیں اور ان سے انکار کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی ان میں شک وشبہ کرے تو لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ (الجام العوام از غزالی صفحہ ۴۲) اشاعرہ کے مسلک کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں انسان مجبور محض ہونے کا عقیدہ شامل ہے۔ مطلق العنان بادشاہوں کو اس عقیدے سے بڑا پیار ہوتا ہے کیونکہ بادشاہ کی زیادتیوں کو خدا کی مرضی سمجھ کر قبول کر لیا جاتا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی اس مسلک اشعری کی اشاعت وترویج میں بڑی کوشش کی اور اس کا قاضی عبد الملک بھی اس کے ساتھ اس میں شریک رہا۔ مراکش میں محمد ابن تومرت کی سلطنت موحدین قائم ہو گئی جس نے خود امام غزالی سے اشعری مسلک کی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ بھی اس مذہب کی اشاعت پر کمربستہ ہوا، جو لوگ ابن تومرت کے عقائد پر نہ تھے ان مسلمانوں کا خون کیا گیا۔ بے شمار لوگوں کا قتل کیا گیا اس طرح یہ مذہب تمام اسلامی ممالک میں پھیل گیا، وہاں سے یہ برصغیر میں پہنچ گیا۔

اس طور پر ابن رشد نے سب سے پہلے ان دلائل پر سیر حاصل بحث کی جو اشاعرہ اور قرآن حکیم نے خدا تعالیٰ کے وجود پر قائم کئے ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود پر دو قسم کے دلائل پیش کئے ہیں، جن کو ابن رشد نے دلیل عنایۃ اور دلیل اختراع میں تقسیم کیا ہے۔ (1) دلیل عنایۃ کی بنیاد دو باتوں پر ہے ایک تو یہ کہ دنیا کی تمام چیزیں انسانی ضروریات اور انسانی فوائد کی خاطر بنائی گئیں ہیں۔ مثلاً چاند، سورج، دن، رات، سردی، گرمی، نباتات وجمادات، بیل بوٹوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

انسان کے لئے کس قدر مفید اور اس کی ضروریات کے لئے کس قدر موزوں ہیں۔ اس لئے جو شخص خدا کے وجود کا پتہ لگانا چاہتا ہے اس کے لئے موجودات کے فوائد پر تحقیق لازمی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کائنات کے تمام اجزاء، انسانی وجود اور موجودات کے نہایت موافق ہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص زمین پر ایک پتھر کو دیکھے جو اس طرح تراشا گیا ہے کہ اس پر آرام سے بیٹھا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر یہ پتھر اس طرح پڑا ہوا ہے کہ یہ بیٹھنے کے لائق نہیں ہے تو انسان یقین کر لیتا ہے کہ پتھر اتفاق سے زمین پر آن گرا ہے۔ کسی نے اس کو خاص مقصد کی خاطر نہیں رکھا ہے۔ اس طرح انسان جب کائنات کے اجزاء کو دیکھتا ہے کہ وہ کس طرح وہ انسان کے فوائد کے عین مطابق ہیں تو یقین ہو جاتا ہے کہ دنیا کو ضرور کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ اس لئے یہ دلیل خدا کے وجود پر بہترین دلیل ہے اور اسی کا قرآن حکیم نے بار بار اعادہ کیا ہے۔ (امریکہ میں آجکل اس تھیوری کا بہت چرچا ہے یہاں اسے انٹلیجی ڈیزائن تھیوری (intelligent design) کا نام دیا جاتا ہے مثلاً پرندوں، جانوروں اور انسان میں آنکھ کا ڈیزائن کتنا پیچیدہ اور عمدہ ہے۔)

(2) دلیل اختراع کی بنیاد بھی دو اصولوں پر ہے ایک یہ کہ تمام کائنات مخلوق ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جو چیز مخلوق ہے اس کا ضرور کوئی خالق ہے، لہذا جواہر اشیاء کا علم لازمی ہے کیونکہ جس کسی کو شخص کسی چیز کی حقیقت معلوم نہ ہوگی اس کو صانع حقیقی کا علم نہ ہوگا۔

اشاعرہ نے لیکن خدا کے وجود پر جو دلیل قائم کی ہے اس کے مطابق خدا کے وجود پر موجودات کی دلالت کسی حکمت کی بناء پر نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد جواز پر ہے۔ یعنی دنیا کا جو نظام قائم ہے اس کے برعکس بھی نظام قائم ہوسکتا تھا۔ انسان کے اعضاء کی جو شکل اور تعداد ہے اس کے خلاف بھی شکل اور تعداد ہوسکتی تھی۔ لیکن ابن رشد کے نزدیک دنیا کا جو نظام قائم ہے وہ ضروری ہے اور اس سے بہتر اور اس سے مکمل نظام قائم نہیں ہوسکتا ہے۔ مثلاً انسان کے ہاتھ کی شکل اور انگلیوں کی تعداد اگر پکڑنے کے لحاظ سے افضل نہ ہو بلکہ جانوروں کی طرح اس کے کھر ہوں تو جو لوگ خدا کے وجود کے منکر ہیں اور اتفاق کے قائل ہیں ان کے خلاف کونسی دلیل قائم کی جاسکتی ہے؟

کچھ بھی ہو دنیا کی چیزوں میں جو حکمتیں پائی جاتی ہیں انہی سے خدا کے وجود پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ بظاہر جس چیز کی کوئی مثال موجود نہیں ہوتی اس کو عوام بہ آسانی سمجھ نہیں سکتے اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کو مثالوں (تلک الامثال نضربھا للناس) سے سمجھایا ہے۔ جیسے خدا نے دنیا کو ایک زمان میں اور ایک چیز سے پیدا کیا ہے۔ تخلیق عالم سے پہلے خدا کا تخت پانی پر تھا۔ خدا نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ قرآن پاک کی اس قسم کی آیات کی تاویل عوام کے لئے نہیں کرنی چاہئے کیونکہ وہ انکا فہم نہیں رکھتے۔ تاویل صرف تین مواقع پر ہوسکتی ہے (اول) جہاں قرآن کی آیات کی تاویل میں اجماع ممکن نہ ہو (دوم) جہاں آیات کریمہ ایک دوسرے سے بظاہر متضاد ہوں (سوم) جہاں قرآن کی آیات فلاسفی اور نیچرل سائنس سے میل نہ کھاتی ہوں۔

اس کتاب کا انگلش میں ترجمہ ابراہیم نجار نے Faith & Reason in Islam کے عنوان سے کیا جو آکسفورڈ سے 2001ء میں شائع ہوا تھا۔

Both men (ibn rushd and al-Ghazzali) believed implicitly in the absolute truth, literal and symbolic, of the Koran, but whereas Ghazzali held that the deepest truths can only be grasped intuitively, Averroes mainatined that they must be approached by means of rational analysis. (Jan Read , page 171)

تہافت التہافۃ میں وہ ایک ایسے مفکر نظر آتے ہیں جو فلسفہ کی باریکیوں سے خوب اچھی طرح واقف ہو۔ یہ کتاب انہوں نے امام غزالی کی کتاب کے جواب میں لکھی تھی۔ ابن رشد نے فقہاء کے قیاس کو ظنیات پر مبنی قرار دیتے ہوئے کہا: "اگر اجماع یقینی طور پر ثابت ہو جائے تو اس وقت تاویل سے کام لینا جائز نہیں لیکن اگر یہ ظنی طور پر ہی ثابت ہو جائے، تو تاویل سے کام لینا جائز ہے۔ اس لئے ابو حامد غزالی اور ابو المعالی وغیرہ کا کہنا ہے کہ تاویل سے اگر اجماع کے خلاف معنی اخذ کئے جائیں تو تکفیر لازم نہیں ہوتی"۔ امام غزالی کے اس قول کو ابن رشد نے خود ان کے خلاف استعمال کیا ہے۔ انہوں نے سوال اٹھایا کہ مسلمان فلسفیوں جیسے فارابی اور ابن سینا کے بارے میں کیا کہا جائے جائے جنہیں غزالی نے تین مسئلوں کی بنا پر کافر ٹھہرا لیا تھا۔ حالانکہ امام موصوف نے التفرقۃ بین الزندقۃ والاسلام میں وضاحت کی ہے کہ اجماع کی مخالفت کی بنیاد پر کسی شخص کی تکفیر احتمال ہے۔ اس لئے ان کے قول کی روشنی میں فلاسفہ اسلام کی تکفیر قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتی۔

شرح جمہوریہ: ابن رشد کے افکار کی جدت، معنی آفرینی، فراز کمال ان کے سیاسی اور سماجی فلسفے میں نمایاں ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے شرح جمہوریہ افلاطون کے نام سے افلاطون کی کتاب کی شرح لکھی تھی جو عبرانی اور لاطینی زبانوں میں محفوظ ہے۔ کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن رشد جمہوریت کے حامی تھے بجائے ملوکیت کے۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں عربوں کی حکومت افلاطونی نظام جمہوریت کے مطابق تھی مگر اموی خلیفہ نے اس نظام کو بدل ڈالا اور اس کی جگہ استبدادی حکومت قائم کی جس کے نتیجے میں اسلامی قلمرو میں انتشار پیدا ہوا۔ عورتوں کا مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی جس طرح وہ وکالت کرتے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم اکیسویں صدی کے کسی روشن خیال دانشور سے گفتگو کر رہے ہوں۔ وہ لکھتے ہیں: "ہم نے جس غلامی کی حالت میں اپنی عورتوں کو پالا پوسا ہے اس

سے ان کی تمام اعلیٰ فطری قوتیں مضمحل ہو گئی ہیں اور ان کے عقلی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ یہ امر تمدن کی سخت ترین تخریب اور انحطاط کا موجب ہے کیونکہ عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے زیادہ ہے گویا وہ دنیا کی مجموعی آبادی کا دو تہائی ہیں۔ لیکن وہ باقی ایک تہائی کے جسم پر طفیلی حیوان کی طرح زندگی بسر کرتی ہیں ، وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنی ضرورتوں کی تکمیل سے عاجز ہیں"۔

اب ہم ابن رشد کی زندگی کا مطالعہ بطور طبیب کے کرتے ہیں

ابن رشد، طبیب

جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں ذکر کیا گیا ابن رشد نے طب کی تعلیم ابو جعفر ہارون الترجالی جیسے مشہور اور بے مثل استاد سے حاصل کی تھی جو اشبیلیہ میں طبابت اور تدریس کا کام کرتے تھے۔ یعنی دن کے اوقات میں وہ مطب لگاتے تھے اور بعد سہ پہر طالب علموں کو طب کی تعلیم دیتے تھے۔ اس وقت کے نامور طبیب ابن طفیل کے ساتھ بھی آپ کی دوستی تھی اس لئے طب میں مہارت حاصل کر لینا عین فطری معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ ابن رشد طب پر ماہرانہ قدرت اور کماحقہ گرفت رکھتے تھے۔

ابن رشد نے جب طبابت کا کام شروع کیا تو جلد ہی ان کو اپنی پریکٹس کے ذریعہ اتنا تجربہ حاصل ہو گیا کہ زندگی کے چھتیسویں زینہ پر قدم رکھا تو 1162ء میں کتاب الکلیات قلم بند کی۔ کتاب لکھنی کب شروع کی اس کے بارہ میں معلوم نہیں ہاں قرین قیاس ہے کہ کم ازکم چار سال تو ضرور قلم بند کرنے میں صرف ہو گئے ہوں گے۔ کسی طبیب کا روزانہ طبابت کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام کرنا بڑا معنی رکھتا ہے۔ آپ نبض اور پیشاب دیکھ کر تشخیص کیا کرتے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ جو مریض آپ کے پاس علاج کے لئے آتے ہوں گے ان میں سے ہر ایک کی فائل آپ نے تیار کی ہوگی اور مریض کی بیماری کی مدت، علاج، تشخیص، دواؤں کی تفصیل ضبط تحریر میں لاتے ہوں گے کیونکہ انہی تحریروں (اور درجنوں مریضوں کی علامات مرض (symptoms) کی بناء پر طبیب مرض کی شناخت کے ساتھ ساتھ کتاب کے لئے مواد تیار کر لیتے تھے۔ ڈاکٹروں کو تشخیص مرض (Prognosis) کا علم بھی اسی طرح ہوتا ہے مثلاً زکام کے چار مریضوں میں مرض کو ٹھیک ہونے میں کتنا وقت لگا؟ اگر ان میں سے ہر ایک کو تین ہفتے لگے تو یقیناً پانچویں مریض کو بتانا آسان ہوگا کہ تمہیں ٹھیک ہونے میں تین ہفتے لگیں گے۔

طب میں آپ کی عالمگیر شہرت دو یادگار دریافتوں کی وجہ سے ہے۔ پہلی عظیم الشان دریافت یہ تھی کہ جس مریض کو چیچک (smallpox) ایک بار ہو جائے یہ اسے دوبارہ لاحق نہیں ہوتی۔ اغلب ہے کہ اس دریافت کا پتہ انہوں نے میڈیکل پریکٹس کے دوران صدیوں مریضوں کے عینی مشاہدات سے لگایا ہوگا بہر حال حتمی طریقہ دریافت پر آپ کی زندگی پر سوانحی کتابیں خموش ہیں۔ دوسری دریافت یہ تھی کہ آنکھ کا پردہ بصارت (Retina) نہ کہ عدسہ (Lens) آنکھ میں فوٹو ریسپٹر کا کام کرتا ہے۔ یہ دریافت بھی کوئی آسان دریافت نہیں تھی کیونکہ ابن رشد سے قبل تمام بڑے بڑے ماہرین امراض چشم (جیسے حنین ابن اسحٰق) خیال کرتے تھے کہ اشیا کے دیکھنے میں آنکھ کا عدسہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے، مگر ابن رشد نے کہا کہ عدسہ نہیں بلکہ بینائی کی حس پردہ بصارت میں ہوتی ہے (sense of sight originates in the retina)۔ پردہ بصارت (ریٹینا) کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ جس طرح کیمرہ کے اندر فلم ہوتی ہے اسی طرح ہماری آنکھ میں ریٹینا ہوتا ہے۔ اگر فلم کے بغیر کیمرہ بے کار ہے تو ریٹینا کے بغیر آنکھ بے کار ہے۔ ریٹینا آنیوالی شعاعوں کو الیکٹریکل سگنلز میں تبدیل کر کے آپٹک نرو کے ذریعہ دماغ کی طرف بھیجتا ہے جس طرح فلم ڈے ویلپ کی جاتی ہے۔ ریٹینا کی وجہ سے ہم رنگین چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں، اور اسی کی بدولت ہمیں پیری فرل ویژن حاصل ہوتا ہے۔ جب یہ ناقص ہو جاتا تو انسان بینائی سے محروم ہو جاتا ہے۔

جارج سارٹن کا کہنا ہے کہ "الکلیات میں کئی بیش قیمت مشاہدات پائے گئے، مثلاً ابن رشد پہلا شخص تھا جس نے پردہ بصارت کا صحیح مصرف معلوم کیا (اس سے پہلے ماہرین چشم خیال کرتے تھے کہ بصارت آنکھ کے عدسہ میں ہوتی ہے۔) اس نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ جس شخص کو ایک بار چیچک ہو جائے پھر اسے زندگی بھر کے لئے چھٹکارا مل جاتا۔ بلاشبہ وہ مسلمہ طبیب تھا، بلکہ اپنے زمانے کا عالی طبع طبیب کرہ ارض پر کہیں بھی"۔ اصل حوالہ درج ذیل ہے:

Kulliyat contained other valuable observations; for example, Ibn Rushd seems to have been the first to : understand, the function of retina(earliest oculists thought that visual perception occurred in the lens); and he realized that an attack of smallpox confers immunity. He was unquestionably a great physician, one of the greatest of his time anywhere" (17) .

ایک مغربی مصنف راجر آرنلڈس (Arnaldez) کا کہنا ہے کہ اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی کہ آیا ابن رشد خلیفہ ابو یعقوب یوسف کے رائیل فزیشن مقرر ہونے سے قبل میڈیسن کی پریکٹس کرتے تھے اور نہ ہی یہ معلوم ہو سکا ہے کہ وہ خلیفہ کا کس قسم کا علاج کرتے تھے یا صرف طبی مشورے دیتے تھے؟ اور یہ کہ خلیفہ کی علالت کی نوعیت کیا تھی کہ اس کو رائیل فزیشن کے نظریاتی اور اطلاقی علم طب کی ضرورت تھی۔ فاضل مصنف کا کہنا ہے کہ ابن رشد کا طب کا علم سراسر کتابی تھا، ہاں یہ مطالعہ خاصا وقیع تھا جبھی تو آپ نے طب پر بیس کتابیں لکھیں۔ نیز میڈیسن کا علم آپ کے اس وقت بھی کام آیا جب آپ نے ارسطو کی نیچرل ہسٹری کی کتابوں جیسے کتاب الحیوان کی شرح لکھی۔ جالینوس کی کتابوں اور طبی نظریات پر آپ کا علم بھی وسیع تھا۔ (18)

ابن رشد کہتے تھے کہ اچھی صحت برقرار رکھنے کے لئے اچھا ہاضمہ اور ہر روز رفع حاجت بہت ضروری ہیں۔ بعض حکماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسلمان اطباء کا کام اپنے

مریضوں کی صحت کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے امراض کا علاج بھی ہوتا تھا۔ غذا جو انسان کھاتا اس کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ اگر نا مناسب غذا کھانے سے بیماری لاحق ہو جاتی تو طبیب ایسی غذا تجویز کرتے جس سے برے اثرات کم ہو جاتے۔ غذا اور صحت کے موضوع پر ابن رشد کے دوست ابو مروان ابن زہر کی تصنیف کتاب الاغذیہ بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ابن زہر کا کہنا تھا کہ سردیوں میں زیادہ کھانا چاہئے بہ نسبت گرمیوں کے کیونکہ سردیوں میں نظام ہضم زیادہ تیز ہوتا ہے۔ موسم سرما میں ایسی خشک غذائیں تناول کریں جن کی تاثیر گرم ہو۔ ابن رشد ان تمام باتوں سے آگاہ تھے اور کلیات میں تاکید کی کہ امراض کے علاج کے لئے ابن زہر کی کتاب کا مطالعہ ازحد بنیادی ہے۔ (17) کلیات لکھنے کی غرض وغایت آپ نے یوں بیان کی:

> "میں نے اس تصنیف میں فن طب کے امور کلیہ کو جمع کر دیا ہے اور ایک ایک عضو کے امراض کو الگ الگ بیان نہیں کیا ہے کیونکہ اس کی کچھ ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ باتیں امور کلیہ سے مستنبط ہوتی ہیں، لیکن جب کبھی مجھے ضروری امور سے فرصت ہوئی تو میں اس موضوع پر کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال ابو مروان زہر کی کتاب التیسیر اس کے لئے کافی ہے جو میری فرمائش پر اس نے قلم بند کی ہے۔"

امور کلیہ (کلیات فی الطب) سے مراد جنرل رولز آف میڈیسن (general rules of medicine) ہے۔ اس کا متضاد جز ئیات فی الطب، پارٹیکولرز آف میڈیسن (particulars in medicine) یعنی سر سے پاؤں تک کے امراض کا بیان ہے۔ چنانچہ ابن رشد نے کلیات پر کتاب لکھی اور ان کے دوست ابن زہر نے انہی کی فرمائش پر جزئیات پر کتاب لکھی تا آرٹ آف میڈیسن (صنعت الطب) پر یہ دونوں کتابیں مستند مجموعہ بن جائیں۔ جز ئیات میں سر سے پاؤں تک کے تمام اعضاء کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور ہر عضو کو ہو سکنے والی بیماری کو نوٹ کر لیا جاتا ہے پھر ان کا علاج کلیات میں تلاش کیا جاتا ہے۔ ایسی کتابوں کو الکناشیش (جمع کناش) کہا جاتا ہے۔ کلیات میں جالینوس کے طریق علاج پر کافی انحصار کیا گیا ہے ہاں بقراط کا ذکر بھی کہیں کہیں کیا ہے۔ اسی کتاب میں ابن رشد نے ابن زہر کو جالینوس کے بعد دنیا کا سب سے عظیم طبیب قرار دیا تھا۔

کلیات سات حصوں میں تقسیم ہے۔ تشریح الاعضاء (anatomy of organs)۔ الصحۃ (h ealth) المرض (on sickness) الادویہ والاغذیہ (drugs & foods) حفظ الصحۃ (hygiene) شفاء المرض (on therapy) العلامات (on symptoms of disease)۔ کتاب کے بعض اصل اجزاء عربی میں اور لاطینی میں اسکوریال لائبریری میں موجود ہیں۔ اس کی زبردست استفادیت کے پیش نظر اٹلی کے یہودی سکالر بینا کوسا (Banacosa) نے پیڈ ڈا کے شہر میں اس کا لاطینی میں ترجمہ کالے جیٹ (Colliget) کے عنوان سے 1255ء میں کیا۔ اس کا عبرانی میں ترجمہ ابراہام بن ڈیوڈ (Abraham ben David) نے کیا تھا جبکہ عبرانی نظم میں اس کو موسز ابن طبون (Moses ben Tibbon 1260) نے ڈھالا۔ عبرانی میں ایک اور ترجمہ فرانس کے شہر بے زیرز (Beziers) سے 1261ء میں سالومن بن جوزف آف غرناطہ (Solomon ben Joseph) نے کیا۔ لاطینی میں ترجمہ ایک اور مشہور مترجم آرمن گاڈ بین بلیس (Armengaud ben Blaise) نے بیس سال بعد 1284ء میں کیا جو وے نس (اٹلی) سے 1496ء میں طبع ہوا۔ عربی متن بمع لاطینی ترجمہ آکسفورڈ سے 1778ء میں اور فرانسیسی ترجمہ 1861ء میں ترتیب وار شائع ہوئے۔ یورپ کے میڈیکل سکولز کی ریڈنگ لسٹ میں یہ کتاب انیسویں صدی تک شامل ہوتی تھی۔ یونیورسٹی آف پیڈوا (اٹلی) میں القانون فی الطب اور کلیات دونوں میڈیکل ٹیکسٹ بک کے طور پر پڑھائی جاتی تھیں۔

کلیات کئی سو سال تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں ٹیکسٹ بک کے بطور پڑھائی جاتی رہی۔ کتاب کا پہلا پرنٹ ایڈیشن 1482ء میں وینس کے مطبع خانے سے شائع ہوا تھا۔ کلیات اکثر ایک جلد میں زکریا الرازی اور یحیٰ ابن صرافیون کی کتابوں کے ہمراہ شائع ہوا کرتی تھی مثلاً سٹراس بورگ سے 1531ء کا ایڈیشن۔ ابن زہر کی کتاب التیسیر کے ہمراہ ایک جلد میں وینس شہر سے یہ سات بار (1490,1496,1497,1514,1530,1531,1533ء) شائع ہوئی تھی۔

کینیڈا کے شہرہ آفاق تعلیمی ادارہ، یونیورسٹی آف میک گل (مانٹریال) کی لائبریری میں کلیات کا وہ لاطینی ایڈیشن موجود ہے جو 1482ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے 116 صفحات ہیں۔ جلد چمڑے کی ہے۔ اسی طرح ایک اور لاطینی ایڈیشن بھی موجود ہے جو 1562ء میں وینس سے شائع ہوا تھا۔ ٹائٹل پیج پر لکھا ہے: cantica item Avicennae cum eiusdem Averrois commentariis۔ اس کے علاوہ ٹائٹل پیج جرمن میں بھی ہے Die Medizinischen Kompendium۔ اس کے 312 صفحات ہیں۔ مزید معلومات کیلئے لائبریری کی ویب سائٹ دیکھیں http://aleph.mcgill.ca.

کلیات فی الطب بمع حاشیہ جے ایم فورنیاس (J.M. Forneas) نے میڈرڈ سے دو جلدوں میں 1987ء میں شائع کی تھی۔

مغرب میں ان کی شہرت کی وجہ بہ حیثیت فلاسفر اور ارسطو کی کتابوں کی تفاسیر ہیں جبکہ مشرق میں ان کی شہرت کی وجہ ان کے بے نظیر فقیہ اور مستند فزیشن ہونے کی وجہ سے ہے۔ کلیات حکیم ابن سینا کی القانون فی الطب کی پہلی جلد سے بہت مطابقت رکھتی ہے۔ ابن سینا نے نظریاتی میڈیسن کی مختلف برانچز کے تذکرہ کے بعد کہا ہے کہ جو شخص ان پر مکمل عبور حاصل کر لے وہ خود کو ڈاکٹر کہہ سکتا ہے چاہے وہ میڈیسن کی پریکٹس نہ بھی کرتا ہو۔ اس نقطہ نظر سے ابن رشد اتفاق کرتے ہیں، اس لئے ابن سینا کی اتھارٹی سے ابن رشد خود کو طبیب کہلانے میں حق دار تھے۔ کتاب میں آپ نے سائیکالوجی پر جدید نظریات کا اظہار خیال کیا، ان نظریات سے امریکن مصنف ولیم جیمز (James1842-1910) نے اپنی کتاب پرنسپلز آف سائیکالوجی (Principles of Psychology) میں خوب استفادہ کیا۔ (19)

پروفیسر نیوبرگر اس کتاب کے بارہ میں کہتے ہیں:

"Colliget betrays extraordinary wide reading, a gift for adaptation and a mastery of dialectics. It is a colossal commentary upon the first book of Canon. It presents little that is new; the practical contents may be looked upon as the ripe fruit of author's reading" (20) ....

کلیات سمیت فن طب پر آپ کی 20 کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے: جالینوس کی طب پر 8 کتابوں کے خلاصہ جات (تلخیص کتاب التعرف، تلخیص کتاب القویٰ الطبیعیۃ الجالینوس، تلخیص کتاب العلل والاعراض الجالینوس، تلخیص کتاب الاسطقات، تلخیص کتاب حیلۃ البرء، تلخیص کتاب المزاج، تلخیص کتاب الحمیات، تلخیص کتاب الادویۃ المفردہ)۔ ان کتابوں کے عربی زبان میں مسودات ابھی تک موجود ہیں۔ مقالہ فی التریاق کا ترجمہ اینڈریا الپاگو (Andrea Alpago) نے لاطینی میں کیا اس کا مسودہ اسکوریال (سپین) کی لائبریری میں ہے۔ کلام علی مسئلۃ من العلل (عبرانی زبان لیڈن، ہالینڈ میں موجود ہے)۔ مقالہ فی المزاج۔ مقالہ فی حیلۃ البراء۔ مقالہ فی المزاج المعتدل۔ مقالہ فی نوائب الحمی۔ مقالہ فی حمیات العفن ۔ دو کتابیں جن کے لاطینی عنوان یہ ہیں: De spermalo اور Canonis de medicinis Laxatives۔ مراجعات ومباحث بین ابی بکر ابن الطفیل وبین ابن رشد فی رسمہ للدواء فی کتابہ الموسوم بالکلیات۔

شرح ارجوزہ فی الطب

شیخ الرئیس حکیم ابن سینا کی طب پر نظم الارجوزہ فی الطب (یا شرح منظومہ فی الطب) جو عربی زبان میں 1326، اشعار پر مشتمل ہے، ابن رشد نے اس کی شرح لکھی تھی۔ عبرانی میں اس کا ترجمہ موسیٰ ابن میمون نے 1260ء میں کیا۔ عبرانی نظم میں فرانس کے شہر بے زرز (Beziers) سے اس کو ایوب ابن جوزف آف غرناطہ نے 1261ء میں ڈھالا۔ لاطینی میں اس کا ترجمہ آرمن گاڈ (Armenguad) نے کینٹی کم ڈی میڈی سینا (Canticum de Medicina) کے عنوان سے کیا جو وے نس (Venice) سے 1484ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ اس کا قلمی نسخہ امریکہ کی ایک لائبریری میں موجود ہے: Yale University Library, Landberg Collection, MS 157 # 1513۔ ایک نسخہ نیشنل لائبریری آف میڈیسن (میری لینڈ، امریکہ) میں بھی موجود ہے جس کا عنوان شرح علی الفیہ ہے۔ اصل نظم سرخ رنگ کی روشنائی میں جبکہ شرح سیاہ رنگ کی روشنائی میں لکھی گئی ہے۔ www.nlm.nih.gov/hmd/arabic/poetry_3.html۔ حکمت و معرفت سے بھرپور اس طویل نظم کے چند اشعار یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

تدبیر النوم

853 لا تطل النوم فتؤذی النفسا	ولا تؤر قها فتوذی الحسا
854 وطول النوم لغیر المنهضم	من الطعام اوعلی آثر التخم
855 ولا تطل نوماً بوقت الجوع	تبخر الراس من الرجیع
856 نم باستنساد اثر الطعام	حتی یحل موضع انهضام

ذکر اصناف الادویۃ

997 و ها انا ازکر من عقار	ما یخرج الاخلاط با لاحدار
998 وما تراه غالب المزاج	وما له فی الخلط من اخراج
999 و ما به تفتح اوتلین	و ما به تحرق او تعفن

1000 وما به تنضج او تصلب وما يسد فتحاً اوما يجذب
1001 ونا تجلو به وما تخلخل و تنبت اللحم به او تدمل
1002 وشبه ذالك من قوى ثوان ومن ثوالث بلا توان

ذکری قوی الادویة

1033 وللعقاقير قوى اوائل ومثلها ثانيه عوامل
1034 وللعقاقير قوى ثوالث تصدر عنها ان بدت حوادث
1035 فالقوه الاولى هي اسلخونة والبرد واليبس مع الدونة
1036 وها انا مبتدى و مورد من العقاقير بما يرد

------------taken from the following book----------------

Medicine Arabes Anciens by Jean-Charles Sournia, Conseil International de la Langue Francaise - Paris 1986

محولہ بالا کتاب میں الارجوزہ فی الطب کے 1251-772، اشعار عربی زبان میں اور ان کا ترجمہ سامنے صفحہ پر فرنچ میں دیا گیا ہے۔

ایک مصنف ڈیوڈ ریس مین کا کہنا ہے کہ ابن رشد کہتے تھے کہ جس طرح ہم قدرتی آفات کے طبعی اسباب کی تلاش مظاہر قدرت میں کرتے ہیں اسی طرح ہمیں جسمانی اور وبائی امراض کے طبعی اسباب فطرت میں تلاش کرنے چاہئیں۔ He held that direct physical causes of disease and epidemics must be sought just like those of other natural phenomenon. (21) ابن رشد کے مقولے ان کے افعال و خصائل کی طرح حکیمانہ رنگ میں ڈوبے ہوتے تھے۔ چنانچہ اناٹومی (علم الاعضاء) سے متعلق آپ کا درج ذیل مقولہ بہت مشہور ہوا: **من اشتعل بعلم التشريح ازداد ايمانا بالله** علم تشریح کی واقفیت سے اللہ پر انسان کا ایمان تازہ اور قوی ہو جاتا ہے۔

ابن رشد اور جالینوس

جالینوس (Galen 130-200) عہد قدیم میں اسکندریہ (مصر) کا سب سے عظیم طبیب اور فلاسفر تھا۔ اس نے طب میں چار سو سے زیادہ قابل ذکر کتابیں قلم بند کیں جن میں سے 140 یونانی زبان میں محفوظ ہیں۔ یونانی میں اس کی کتابیں امتداد زمانہ کے ہاتھوں خرد برد ہو گئیں مگر ان کے تراجم عربی اور لاطینی میں دستیاب ہیں۔ اس کی متعدد تصنیفات طب پر ہیں۔ مسلمانوں نے علم طب انہی کتابوں سے سیکھا۔ اس کے حکیمانہ مقولے دنیا بھر میں زبان زد عام ہیں۔ جالینوس کہتا تھا کہ ہر طبیب کے لئے فلاسفر ہونا ضروری ہے اور فلاسفر وہ شخص ہے جو سچائی سے پیار کرتا ہے۔ ابن رشد نے اس کی کتابوں کے خلاصے تیار کئے جیسے **مقاله فی اصناف المزاج ونقد مذهب جالينوس**۔ **مقالة فى حيلة البرء**۔ **تلخيص كتاب المزاج لجالينوس** ۔ کتاب میں جب جالینوس کا ذکر کرتے تو کہتے **قال جالينوس** اور پھر جب اس پر تبصرہ کرتے تو کہتے **قلت** ۔ ابن رشد نے اس کے ان نظریات پر کڑی تنقید کی جو ارسطو کے نظریات سے مطابقت نہ رکھتے تھے۔ مثلاً جالینوس کا وہ ریفرنس جس میں وہ ان یونانی طبیبوں اور فلاسفروں کا ذکر کرتا ہے جو کہتے کہ تمام نوع انسانی نے ایک عنصر سے نمود پایا ہے کیونکہ چار عناصر ایک دوسرے میں ٹرانسفارم ہو جاتے ہیں۔ بنی نوع انسان کے یوں شروع ہونے کے اس نظریہ پر جالینوس اور بقراط نے تنقید کی تھی۔ یہ دونوں طبیب ارسطو سے اتفاق کرتے تھے کہ کسی چیز کے بننے میں یہ چاروں عناصر شامل ہوتے ہیں بشمول انسان کے جسم کے۔ ارسطو نے یہ بھی کہا کہ چاروں عناصر ایک دوسرے میں تبدیل نہیں ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ دونوں طبیب ارسطو کے نظریات سے اتفاق کرتے تھے اس لئے ابن رشد بھی ان سے اتفاق کرتے تھے۔

جالینوس کی کتاب آرٹ آف ہیلنگ (**حيلة البرء**) میں مذکور ہے کہ جہاں تک تھیراپی کا تعلق ہے عموماً طبیب علاج کے وقت یہ مقولہ مدنظر رکھتے ہیں: opposite heals its opposite and the like heals its like. فلاسفروں کا اس کے برعکس کہنا ہے کہ healing consists in the progress from one given principle to another in accordance with a fixed procedure directed towards a desired result. ابن رشد کہتے تھے کہ نہ صرف تھیراپی بلکہ تمام میڈیکل پروسیجرز میں اسی نیچرل پروسیس کو مدنظر رکھنا چاہئے کیونکہ فطرت کے شفاء کے طریقے انسانی طریقوں سے حد درجہ فائق ہیں۔ چنانچہ صحت کی بحالی کے لئے شفاء کے فطری طریقوں سے فائدہ اٹھانا چاہئے کیونکہ جسمانی ورزش، غسل کرنا، جسم کی مالش، وغیرہ سرجری اور ادویاء سے زیادہ موثر ہوتے ہیں۔ جب کوئی طبیب مریض کا علاج

کرتا ہے تو وہ فطرت کے اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے ایک خاص مقصد کی طرف رہ نمائی کر رہا ہوتا ہے، یہ مقصد یا تو مرض کا خاتمہ یا پھر صحت کی بحالی ہوتا ہے۔ ابن رشد ارسطو کی کتاب

پاروانا طورالیا (Parva Naturalia) سے حوالہ دیتے ہیں کہ اکثر مریض جو موت کا نشانہ بن جاتے وہ غلط دوا کی وجہ سے نہیں بلکہ طبیب کی غلطی سے موت کا نشانہ بنتے ہیں۔ ارسطو کا مطلب اس حکمت کی بات میں کچھ بھی مخفی ہو ابن رشد اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ میڈیسن کی تھیوری اور پریکٹس کے لئے منطق اور طبیعات کا علم لازمی شرط ہیں۔

یورپ میں ابن رشد کی شہرت اور قدر کی اصل وجہ یہ تھی کہ یورپ کے عالم نئے نئے فلسفہ سے آشنا ہوئے تھے۔ فلسفہ کا مطالعہ ارسطو کے مطالعہ کے بغیر ناممکن تھا اور ارسطو کا مستند شارح ابن رشد تھا۔ اس لئے ابن رشد کی شہرت ان کی طبی اور فلسفیانہ کتابوں کی بدولت ہوئی۔ طب میں جو شہرت ابن سینا کی القانون کو یورپ میں حاصل ہوئی وہ ابن رشد کی الکلیات کو نصیب نہ ہو سکی۔ طب میں ابن رشد جالینوس کے پیروکار تھے لیکن جہاں جالینوس نے ارسطو سے مختلف نقطہ نظر بیان کیا، وہاں ابن رشد نے ارسطو کے نظریہ سے اتفاق کیا جیسے ارسطو اور جالینوس میں ایک نزاعی مسئلہ یہ تھا کہ دماغ اور دل میں سے کس عضو کو رئیس الاعضاء کی حیثیت حاصل ہے؟ ارسطو کے خیال میں یہ دل تھا مگر جالینوس کے مطابق یہ دماغ تھا۔ ابن رشد نے اس مسئلہ میں ارسطو سے اتفاق کیا۔

ابن رشد اور فارماکالوجی

کلیات فی الطب کے پانچویں باب "الادویہ والاغذیہ" میں ابن رشد نے القول فی قوانین الترکیب (رولز آف کمپوزیشن) کے عنوان پر کمپاؤنڈ میڈیسن تیار کرنے پر اظہار خیال کیا۔ اس باب کے مطالعہ سے ان کے فارماکالوجی کے علم کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ابن رشد نے بیان کیا کہ فزیشن دوا دیتے وقت سادہ (مفرد) دوا کی بجائے مرکب دوا دینے پر کیوں مجبور ہو جاتے ہیں؟ بقول ابن رشد فزیشن مرکب دوا تین وجہ سے دیتا ہے: مفرد دوا مطلوبہ قوت میں دستیاب نہیں۔ مفرد دوا میں مطلوبہ خواص تو ہیں مگر مطلوبہ مقدار میں نہیں۔ مفرد دوا میں کوئی ایسی خاصیت ہے جو مریض کے لئے مضر ہے۔

ابن رشد مثال دیتے ہیں کہ اگر فزیشن نے جلاب آور دوا تیار کرنی ہو اور اس پوشن کے لئے چار قسم کی دوائیاں درکار ہوں تو طبیب ہر دوائی کا چوتھائی حصہ لے کر مشروب تیار کر کے مریض کو دیتا ہے۔ غرض یہ وہ جامع الدستورات والقوانین ہیں جن کا استعمال کمیت کے لئے کیا جاتا ہے۔

فرماتے تھے کہ انسانی جسم کے دوا سے ردعمل کو قبل از وقت دوا کے جزئیات کا تجزیہ کر کے جن سے مرکب دوا بنتی ہے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

"The actions of drugs upon bodies are only a relative matter. In truth, this is not something that is consequent upon the parts of the drug itself. It may happen that a drug that is itself less hot will be, relative to the human body, hotter than a drug that itself possesses greater heat. "

اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین درج ذیل مضمون کا مطالعہ فرمائیں: Ibn Rushd's critique of Al-Kindi - Pharmacological computus - Enterprise of science in Islam by A.I. Sabra,(22

ابن رشد اور علم بصریات

اس باب کے شروع میں ذکر کیا گیا کہ ابن رشد دنیا میں پہلے طبیب تھے جس نے کہا کہ آنکھ کا پردہ بصارت (Retina) آنکھ میں فوٹو ریسپٹر کا کام کرتا ہے۔ حسن اتفاق سے مجھے کوئینز یورسٹی کی میڈیکل لائبریری میں جرنل آف دی ہسٹری آف میڈیسن نمبر 24, 1969 کے جنوری کے شمارہ میں وہ مضمون مل گیا جس کا عنوان ہے ابن رشد کا نقطہ نظر پردہ بصارت کے متعلق Averroes View of the Retina۔ مصنف نے یہ مضمون کتاب الکلیات کے چار لاطینی تراجم سے چار مخطوطات سے تیار کیا جو وینس (اٹلی) میں 1514, 1552, 1560, 1574ء میں شائع ہوئے تھے۔ مصنف کہتا ہے کہ ابن رشد پہلے سائنسدان تھے جس نے کہا کہ پردہ بصارت آنکھ میں فوٹو ریسپٹر کا کام کرتا ہے لیکن یہ دریافت یورپ میں پلاٹر (Platter) نے پانچ سو سال بعد کی، کیپلر (Kepler) نے بھی اس سے مکمل اتفاق کیا۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ کتاب الکلیات کا لاطینی ترجمہ 1255ء میں کیا گیا مگر کسی نے اس معرکۃ الآراء دریافت کی طرف توجہ نہ کی۔ بیسویں صدی میں اس دریافت کا ذکر ایک مصنف فوکالا (Fukala) نے فرسٹ ہینڈ آبزویشن کے بعد ایک مضمون میں کیا تھا۔

ابن رشد نے کلیات میں جالینوس کے نقطہ نظر کی تردید کی کہ آنکھ کا عدسہ روشنی ملنے پر ردعمل کرتا ہے بلکہ عدسہ امیج بناتا ہے جو پردہ بصارت کو بھیج دیا جاتا ہے یہ درحقیقت روشنی ملنے پر ردعمل کرتا ہے (sensitive to light)۔ کلیات کے ابواب 2:15 اور 3:38 میں ابن رشد نے آنکھ پر مفصل روشنی ڈالی۔ باب 2:15 کا اقتباس

درج ذیل ہے: "It seems that the proper instrument of the visual sense should be either the round humor, called glacial, or the

zonule (lens) located anterior to this humor... The tunic called the chorioid was created for the nutrition of the retina through its veins; and that it may nourish itself becaue of the natural heat passing through its own arteries. Nutrition of the retina is first in order that it may pass the visual spirit through the nerves inside the retina; this nutrition is the natural heat, the complexion of which has been adjusted in the brain, and it comes through the two nerves proceeding to the eyes. The retina nourishes the lens by way of drops of moisture and gives the nourishment of natural heat via its arteries. But Ali ibn Isa avows that the zonule is of ultimate perviousness and lucidity, because colors and forms are imprinted in it. *Therefore the same tunic (the zonule) is the actual instrument of sight, either by itself or with the assistance of the lens* ... But the eye receives colors through its transparent parts after the manner of a mirror, and when colors are impressed upon it, the visual spirit apprehends them. " (Colliget, II, 15) یہاں ابن رشد نے فرمایا ہے کہ کلرز اور امیجز عدسہ اکھٹی اسی طرح کرتا جس طرح آئینہ کرتا ہے، امیجز یہاں سے پردہ بصارت، اور آپٹک نرو سے ہوتے دماغ تک پہنچتے ہیں۔ ابن رشد نے پردہ بصارت کو نیٹ ورک آف بلڈ ویسلز (network of blood vessels) کہا ہے۔ اگر زندگی نے وفا کی تو انشاء اللہ اس مضمون کا اردو ترجمہ شائع کرایا جائیگا۔(23)

ابن رشد اور فریڈ ہوئیل

ابن رشد کے سائنسی خیالات نے بیسویں صدی کے نامور سائنسدانوں، اور ہیئت دانوں جیسے گولڈ، بانڈی اور فریڈ ہوئیل کو کیسے متاثر کیا، اس کے بارے میں مغربی مصنف جیمز ریڈ کہتا ہے: The great virtue of Averroes work was that he did not allow later thinking to obscure the original, ... he transmitted his (Aristotle) writings for the first time in genuinely Aristotlian fashion. The most important feature of this grand scheme ... was that the universe is bounded in space by an outer sphere, timeless, in that it is subject neither to creation nor destruction. Averroes elaborated this last proposition in his own manner, postulating a world that is continuously evolving and takign new shape from what has existed before. These ideas have a curiously modern ring in the light of the theories of modern astronomers and mathematicians like Gold, Bondi, and Hoyle, as to the continuous origin of the material of the universe For Averroes only the Prime Mover is immutable, eternal and without cause. (The Moors in Spain and Portugalby Jan Read, London 1974, page 179)

(**ترجمہ**) ابن رشد کی تحقیقات کی خوبی یہ تھی کہ اس نے اصل تحقیق کو مبہم نہ ہونے دیا۔۔۔ اس نے ارسطو کی تعلیمات کو پہلی بار ارسطوئی طریق پر صحیح رنگ میں پیش کیا۔ اس گرینڈ سکیم کی سب سے نمایاں بات یہ تھی کہ کائنات ایک اور دائرے کے اندر محیط ہے، جس پر وقت اثر انداز نہیں ہوتا، ان معنوں میں کہ یہ نہ تو تخلیق اور نہ ہی تخریب کی حامل ہوتی۔ ابن رشد نے اس دعوے کو اپنے طریقے سے واضح کیا، **مفروضہ یہ تھا کہ کائنات مسلسل تبدیل ہوکر متواتر نئی ترتیب پاتی اس مادے سے جو پہلے سے موجود تھا۔** ایسے آئیڈیاز میں جدیدیت کی خوشبو پائی جاتی، جہاں تک کائنات کے مادے کے مبدع کا تعلق ہے اور جو ماڈرن ہیئت دانوں اور ریاضی دانوں جیسے گولڈ، بانڈی، فریڈ ہوئیل کی تھیوریز میں پائے جاتے ہیں۔ ابن رشد کے یہاں صرف مبدع اول تبدیل نہیں ہوتا، وہ ازل سے ہے اور بغیر کسی علت کے ہے۔ اس کے علاوہ کائنات میں ہر چیز علت اور معلول کے ماتحت ہے۔ یہ نظریہ یہودیت (کتاب پیدائش) اور عیسائیت کے مرکزی عقیدہ کے خلاف تھا جس کے تحت تمام کائنات مادہ کے بغیر تخلیق ہوئی تھی۔

ایچ بانڈی (H. Bondi 1919-2005) نے نظریہ پیش کیا تھا کہ کائنات کے مختلف حصوں میں مادہ بن رہا ہے اور کہکشاؤں کو نزدیک لا رہا ہے اس کے بعد یہ کہکشائیں علیحدہ ہو جاتی ہیں اور بہت بڑا دھماکہ تمام کائنات میں مادہ کے اجزاء بکھیر دیتا ہے۔ (نوٹ: پروفیسر بانڈی نے سٹیڈی سٹیٹ تھیوری کی بنیاد رکھی تھی جو بگ بینگ تھیوری کے خلاف ہے۔ اس نے نظریہ اضافت میں اہم کنٹری بیوشن کی تھیں۔

طب میں علمی کارنامے:

1. طب میں بیس کتابیں تصنیف کیں۔
2. خلیفہ ابو یعقوب یوسف کے شاہی طبیب رہے۔
3. طویل مشاہدات کے بعد فرمایا کہ جس شخص کو چیچک ایک بار ہو جائے یہ اسے دوبارہ لاحق نہیں ہوتی۔
4. بصارت کی حس آنکھ کے پہلے پردہ Retina میں ہوتی ہے۔ the retina and not the lens in the eye is the photo receptor.
5. امراض کے اسباب مریض کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی تلاش کرنے چاہئیں۔
6. آپ نے ارسطو کے فلسفہ کے اصولوں کا اطلاق میڈیسن پر کیا۔
7. کتاب الکلیات اور ابو مروان ابن زہر کی کتاب التیسیر کے لاطینی تراجم اکھٹے ایک جلد میں انسائیکلوپیڈیا کے طور پر شائع ہوا کرتے تھے۔
8. آپ کو مشاہدے اور تنقید کی قوت کثیر حد تک ودیعت کی گئی تھی جو ایک سائنس داں کے لئے بنیادی چیز ہے۔

اب ہم ابن رشد کی زندگی کا مطالعہ بطور سائنسدان کے کرتے ہیں

فصل چہارم

ابن رشد
سائنس دان

ابن رشد پیدائشی مفکر اور عبقری سائنس دان تھے۔(he had an enquiring mind)۔ دقیقہ شناس، نکتہ داں، نکتہ سنج تھے۔ خدا نے مشاہدے کی قوت بھی وافر کمیت میں ودیعت کی تھی اس لئے جس چیز کو دیکھتے گہری نظر سے دیکھتے۔ ہر مظہر قدرت میں خدا کی شان کا جلوہ تلاش کرتے۔ کسی کی بات یا دلیل کو بلا حیل وحجت تسلیم نہ کر لیتے، اپنا نقطہ نظر پیش کرنے یا مخالفانہ دلائل دینے میں عار محسوس نہ کرتے۔ آپ کا انداز فکر فلسفیانہ اور اسلوب محققانہ تھا۔ مطالعہ کے رسیا تھے، قرطبہ کی شاہی لائبریری ان کی پسندیدہ جگہ تھی جہاں چار لاکھ کے قریب نایاب کتابوں کا علمی خزانہ موجود تھا۔ کسی مسئلہ کے معائب ومحاسن فوراً جان جاتے۔ ایک عبقری فلاسفر ہونے کی وجہ سے انہوں نے ارسطو کے سائنسی نظریات کی گہرائی میں غوطہ زن ہو کر ان کو خوب سمجھا اور ان کی تشریح کرتے ہوئے اپنا نقطہ نظر پیش کیا جس سے ان کی علمی فضیلت، مطالعہ کی وسعت، اور ژرف نگاہی روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے۔

ارسطو کو مجسم دانش اور حکمت کا سرچشمہ سمجھتے تھے: How wonderful is this man and how different is his nature from human generally. It is as though divine art brought him forth so as to inform us, humans, that ultimate perfection is possible in the human species perceptibly and demonstrably. (Kitab al-Qiyas)

بعض لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا ہے کہ آپ کی نظر میں **سائنٹفک ٹروتھ** (scientific truth) لوگوں کو الہامی مذہب سے زیادہ سکھا سکتی ہے، خاص طور پر کیتھولک چرچ نے یورپ میں یہ سنگین اعتراض بہت اچھالا تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ انالیٹکل متھڈ (analytical method) کے ذریعہ مذہب کے عقائد اور پیغام کو بہتر طریق سے سمجھنا چاہتے تھے۔ ذوق تحقیق انسان کو لذت تشکیک سے آشنا کر دیتا ہے اسلئے تحقیق کے دوران اگر آپ کا فکر رنگ تشکیک سے مزین ہو گیا تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ آپ کا مطمح نظر مذہب اور عقل (یعنی سائنس) کے مابین تضاد اور تصادم کے بجائے ان کو ایک دوسرے کا مددگار ثابت کرنا تھا۔ آپ کے نزدیک عقل ایمان کی مخالف نہیں بلکہ ایمان کی تکمیل اسی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ قرآن حکیم کی آیات پر عقل کے ذریعہ غور وفکر کرنے سے انسان حقیقت کا ادراک کر سکتا ہے۔ یہ ادراک حقیقت اصل ایمان ہے۔ اس سے یہ مستنبط ہوا کہ عقل اور ایمان ایک دوسرے کے ممد ومعاون ہیں۔

یہ اعزاز بھی ابن رشد کو حاصل ہے کہ امریکہ کی دریافت کا آئیڈیا کرسٹوفر کولمبس کو آپ کی تصانیف سے ملا تھا۔ کرسٹو کولمبس کا خود اپنا بیان ہے کہ امریکہ کی دریافت کی جانب جس چیز نے میری رہ نمائی کی وہ ابن رشد کی تصانیف ہیں (معرکہ مذہب وسائنس صفحہ 223 بحوالہ کتاب ابن رشد مؤلفہ مولوی محمد یونس فرنگی محل صفحہ 110)۔ میری رائے میں مصنف کو غلط فہمی ہوئی ہے، دراصل ابن عربی نے فتوحات مکیہ (1232ء) میں فرمایا تھا کہ میں نے بحر الکاہل کے اس پار کشف میں ایک ملک دیکھا تھا۔ اسی طرح ڈریپر نے کتاب یورپ کی دماغی ترقی کی تاریخ (Intellectual History of Europe, by J.W. Draper) میں صفحہ 39 پر لکھا ہے کہ قرص آفتاب میں دھبوں اور داغوں کا انکشاف سب سے پہلے ابن رشد نے ہی کیا تھا۔ (24)

انٹرنیٹ پر میں نے ان کی طرف کئے جانے والے ایک ایکس پیری منٹ کا پڑھا جو کچھ یوں ہے: ابن رشد نے کہا کہ اگر ہم جو کے بیج کو مٹی میں بوئیں اور ان کو ٹیوب میں رکھ دیں تو اس میں سے پودا نکلنا شروع ہو جائیگا، بھٹا اور اس کی جڑ بھی نظر آئیگی۔ چنانچہ انہوں نے طالب علموں کو خود ایسا عملاً کر کے دکھایا اور وہ حیران رہ گئے۔

www.kul.lublin.pl/efk/angielski/hasla/a/averroes/html

بہ حیثیت ہیئت دان

راقم نے عہد وسطیٰ کی سائنسی تاریخ پر جتنی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ان میں ہر مصنف نے بلا استثنیٰ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ابن رشد ایک مسلم الثبوت نظریاتی اور مشاہداتی ماہر فلکیات تھے (theoretical and observational astronomer)۔ علم فلکیات پر آپ کے سائنسی نظریات کا اثر بہت گہرا اور دیرپا تھا۔ شاید کوئی کہے کہ قرطبہ کا قاضی اسٹرانومر کیسے بن گیا؟ تو عرض ہے کہ اسٹرانومی پر آپ نے تمام تحقیق کا کام جوانی کے عالم میں کیا جب آپ کی استعدادیں جوبن پر تھیں۔ مثلاً جب آپ نے 1153ء میں زندگی کے ستائیسویں زینہ پر قدم رکھا تو خلیفہ کی خواہش پر مراکش تشریف لے گئے جہاں آپ کو رصدگاہ کا مہتمم (ڈائریکٹر) مقرر کیا گیا۔ اسی رصدگاہ سے آپ نے سن سپاٹس (sunspots) یعنی قرص آفتاب میں دھبوں اور داغوں کا لمبے مشاہدات فلکی کے بعد انکشاف کیا تھا۔ قرطبہ کی طرح مراکش جا کر بھی ستارہ بینی اور مشاہدات فلکی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اس امر کا ذکر انہوں نے ارسطو کی کتاب شرح السماء والعالم (De Caelo) میں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا "حرکات الافلاک میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے تاکہ فزیکل اسٹرانومی کی بنیاد رکھی جا سکے بجائے صرف ریاضیاتی اسٹرانومی کے۔ جب میں نوجوان تھا تو میں نے اس موضوع پر تحقیق کرنے کے امکانات کا سوچا تھا، لیکن اب

جبکہ میں ضعیف ہوگیا ہوں یہ ممکن نہیں ہے۔" علم فلکیات میں آپ کے شوق اور ایک نا معلوم ستارے کی دریافت کا ذکر ایک مغربی مصنف نے یوں کیا ہے:

Ibn Rushd - at the age of 27, made astronomical observations near Marrakesh in the course of which he discovered a previously unknown star **(25)**

ترجمہ: ابن رشد نے ستائیس سال کی عمر میں مراکش کے قریب فلکیاتی مشاہدات کیئے، ان مشاہدات کے دوران آپ نے ایک نا معلوم ستارے کو دریافت کیا۔

کتاب مابعد الطبیعات (میٹا فزکس) کی شرح میں آپ نے فرمایا: "جوانی کے زمانے میں مجھے امید تھی کہ میں علم فلکیات پر اپنی ریسرچ مکمل کر سکوں گا۔ اب جبکہ میں ضعیف العمر ہوں میں نا امید ہوگیا ہوں کیونکہ میرے راستے میں کئی رکاوٹیں تھیں۔ لیکن اس موضوع پر میں جو کچھ کہتا ہوں شاید مستقبل میں محققوں کی توجہ اس طرف مبذول ہو۔ ہمارے دور کی فلکیات کی سائنس ان مسائل پر روشنی نہیں ڈالتی جس سے اصل حقیقت کا حال معلوم ہوسکے۔ ہماری زمانے میں جو (سائنسی) ماڈل تیار کیا گیا ہے یہ ریاضیاتی طور پر تو ٹھیک ہے مگر حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتا۔"

اس اقتباس سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ علم فلکیات کی تھیوریز کی ہسٹری سے باخبر تھے۔ آپ میں اتنی استعداد بھی تھی کہ ارسطو سائنسی کے نظریات کی وضاحت بڑے عمدہ اور مدلل طریقے سے کی۔ آپ بطلیموس (Ptolemy) کے نظریات سے اور ہپارکس (Hipparchus) سے پہلے جو قدیم ماہرین فلکیات ہوگزرے ان کے تھیوریز سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ عرب اسٹرانومرز کی کتابوں، کارناموں اور نظریات سے بھی واقف تھے۔ یاد رہے کہ البتانی اور ابن یونس بطلیموس کے پیروکار تھے مگر الفرغانی، الزرقالی اور البطروجی نے بطلیموسی نظام پر تنقید کر کے تبدیلیاں تجویز کیں۔ ابن رشد اگر چہ ماضی قریب اور اپنے دور کے اسٹرانومرز سے متاثر تھے مگر وہ ان کی اندھی تقلید نہ کرتے تھے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت دوربین اور ٹیلی سکوپ جیسے آلات نہیں تھے تو آپ نے یہ مذکورہ ستارہ کیسے دریافت کیا ہوگا؟ ایک بات تو ظاہر ہے کہ آپ آسمان پر موجود دریافت شدہ ستاروں کے ناموں اور ان کے محل وقوع سے واقف تھے۔ قرطبہ شہر کی بجائے مراکش (افریقہ) میں ستاروں کا دیکھنا اس کے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے زیادہ آسان ہوگا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ ستارہ بینی کے دوران ان کا ریکارڈ ضرور اپنی ڈائری میں رکھتے ہوں گے اور ممکن ہے ان ستاروں کی کوئی کیٹیلاگ بھی تیار کی ہو۔

بہ حیثیت ہیئت دان آپ نے اجرام فلکی کو یوں تقسیم کیا:

1۔ ایسے اجرام سماوی جو آنکھ سے نظر آ جاتے those observed by naked eye

2۔ ایسے اجرام سماوی جو آلات رصد کی مدد سے نظر آتے those that can be detected alongwith the use of observational instruments

3 یسے اجرام فلکی جن کا موجود ہونا ہم عقل (تھیوریٹکل) سے ثابت کرتے those whose existence is established by reasoning

دوسری قسم کے اجرام سماوی مشاہدات فلکی کرنے والے سائنسدانوں کو بعض دفعہ کئی سالوں بعد نظر آتے ہیں، نیز ان کو دیکھنے کیلئے کئی نسلوں کے درمیان باہمی تعاون و شرکت کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس دوران مشاہدات کرنے کیلئے آلات رصد بھی بدلتے رہتے ہیں۔ (اس کی ایک مثال ہیلی کامٹ (Haley's comet) ہے جو ہر ستر سال بعد نظر آتا ہے، مصنف)۔

ارسطو نے حرکات الافلاک (concentric spheres) کی کل تعداد 55 بتلائی تھی۔ ابن رشد کہتے ہیں کہ ان کی زندگی میں مسلمان ماہرین فلکیات نے یہ 50 کر دی تھی البتہ ابن رشد اپنے علم اور تجربے کی بناء پر یہ تعداد 45 کر دی یعنی 38 غیر متحرک سیاروں (fixed stars) کی اور 7 ایسے اجرام فلکی (سیارے) جو یومیہ محوری گردش کرتے۔ اصل تعداد کیا ہے؟ اس پیچیدہ سائنسی مسئلہ کا حل یوں پیش کیا "اس سوال کے بغور جائزہ میں کیا ضروری اور واقعی مسائل ہیں ہم یہ بات ان لوگوں پر چھوڑ دیتے ہیں جو خود کو اس علم کے لئے وقف کر چکے ہیں اور جن کو دوسرے علوم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔"۔ آپ بطلیموس کے **الافلاک الخارجات المراکز** (system of eccentrics) اور **الافلاک التداویر** (epicycles) سے اتفاق نہ کرتے تھے۔ **(26)**

کتاب مابعد الطبیعات کی شرح میں آپ نے ثابت ابن قرۃ کے نظریہ الاقبال والادبار (trepidation & recessions) کی توضیح پیش کی برعکس ان مصنفین کے جن کے نزدیک یہ کائنات ہوموسینٹرک سفیرز (homocentric spheres) سے بنی ہے۔ نیز آپ نے افلاک میں موجود اجرام کے مشاہدہ (یعنی رصد) کی

اہمیت بیان کی ۔علم ہیئت میں ان کی درج ذیل کتابیں قابل ذکر ہیں۔

تلخیص المجسطی۔ summary of Almajest (اس کا لاطینی میں ترجمہ نہیں ہوا تھا)

مقالہ فی حرکۃ الفلک۔ motion of the sphere

یحتاج الیہ من کتاب اقلیدس فی المجسطی۔ (اس کا مسودہ اسکوریال میں ہے)

مقالہ فی تدویر ھئیۃ الافلاک والثوابت۔

یاد رہے کہ مجسطی اسکندریہ کے سائنسدان بطلیموس کی علم فلکیات پر مبسوط اور جلیل القدر کتاب ہے جس کا مطالعہ اسٹرانومرز 1400 سال تک کرتے رہے۔ یہ کتاب اس نے 150AD ء میں لکھی تھی۔ اس کو بائبل آف اسٹرانومی بھی کہا جاتا ہے۔ یونانی زبان میں اس کا نام میگالے میتھیمطک سینٹکسس (Megale Mathematike Syntaxis) تھا۔ اس کا مخفف مجسطی سینٹکسس (Magiste Syntaxis) ہے۔عرب مترجمین (الحجاج، اسحٰق ابن حنین، ثابت ابن قرۃ) نے نویں صدی میں جب اس کا ترجمہ بغداد میں کیا تو اس کا نام المجسطی (The Greatest) رکھ دیا جو ابھی تک مروج ہے۔ یونانی میں مکمل کتاب تو کب کی ناپید ہو چکی ہے، دنیا بغداد کے مسلمانوں کی رہین منت ہے جنہوں نے اس کا عربی میں ترجمہ کر کے رہتی دنیا تک کے لئے اس نایاب علمی خزانے کو محفوظ کر دیا۔ سینکڑوں سائنسدان اس کے مطالعہ سے اپنے اذہان کو تشحیذ دے چکے ہیں۔ یونان میں یہ آخری بار 1913ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی تھی۔ ابن رشد نے اس کی جو تلخیص سپرد قلم کی تھی اس کا عبرانی میں ترجمہ جیکب اناطولی (Jacob Anatoli) نے 1231ء میں کیا تھا۔ کتاب کے مطالعہ سے ابن رشد کی علمی حیثیت بطور سائنس دان مسلم ثابت ہوتی ہے جس نے اس قدر مشکل کتاب کو سمجھا اور خلاصہ تیار کیا۔ خلاصہ تیار کرنا بھی آرٹ ہے ہر کوئی یہ نہیں کر سکتا۔

کوئینز یونیورسٹی کی ڈگلس لائبریری میں اس کا عربی سے انگلش ترجمہ بمع حواشی موجود ہے جو پہلی بار 1984ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ 693 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے تیرہ ابواب ہیں، کتاب میں سٹار کیٹلاگ کے علاوہ آلات ہیئت بھی دئے گئیں ہیں۔ اس کتاب میں اس نے زمین کو کائنات کا مرکز قرار دیا تھا اور اس کے تین ثبوت دئے۔ یہ بھی کہا کہ زمین گردش نہیں کرتی ہے۔ **(27)**

مقالہ فی حرکت الفلک کے ضمن میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ تفسیر مابعد الطبیعۃ (صفحہ 1664) میں آپ نے فرمایا کہ جب میں نوجوان تھا تو اس موضوع پر شرح و بسط سے تحقیقات کا ارادہ تھا مگر اب بڑھاپے میں پہنچ کر مایوس ہو گیا ہوں۔ ممکن ہے آپ نے اس سائنسی مسئلہ پر کافی غور وخوص کیا ہو اور جب اس کا کوئی حل نہ مل سکا تو مزید تحقیقات کا ارادہ ترک کر دیا۔ سائنس دانوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہی رہتا ہے، ضروری نہیں کہ ہر وہ سائینٹفک پرابلم جس پر ریسرچ شروع کی اس میں خاطر خواہ نتائج بھی حاصل ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سائنسدان سو تھیوریز وضع کرتے ہیں مگر ان میں صرف پانچ ٹھیک ثابت ہوتی ہیں۔

روم سے قریب ایک سو سال قبل 1911ء میں عربی زبان میں کتاب علم الفلک، تاریخہ عند العرب فی القرون الوسطیٰ شائع ہوئی تھی جس کا ایک نسخہ میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے اس کے مصنف پروفیسر کارلو نالینو (Carlo Nallino) نے علم فلکیات کی اقسام یوں بیان کی ہیں: علم الھیئۃ الکروی۔ علم الھیئۃ النظری۔ علم المیکانیا الفلکیۃ۔ علم طبیعۃ الاجرام الفلکیۃ۔ علم الھیئۃ العملی۔ آخری قسم یعنی پریکٹیکل اسٹرانومی کی تفصیل دیتے ہوئے مصنف کہتا ہے:

وھو جزء ان: جزء رصدی مشتمل علی نظریۃ الالآت الرصدیۃ و کیفیۃ الارصاد وقیاس الزمن۔ و جزء حسابی یعلم طرائق حساب الزیجات والتقاویم و غیر ذالک علی قواعد النظریات المثبۃ فی الاقسام الاولیٰ۔ و اضیف الی ذلک ان الجزء الرصدی من ھذا القسم ھو ما یسمیہ الفیلسوف الاندلسی الشھیر ابو الولید ابن رشد الحفید المتوفی سنۃ ۱۱۹۸ء صناعۃ النجوم التجر بیبیۃ (کتاب ما بعد الطبیعۃ ص ۸۳ من طبعۃ مصر ۱۹۰۲ء) فانہ یسمی سائر اجزاء علم الھیئۃ صناعۃ النجوم التعا لیمیۃ ایی المبنیۃ علی التعالیم وھی الرضیات (صفحہ ۲۲)

(مصنفہ السنیور کرلو نلینو الاستاذ با لجامعۃ المصریۃ و بجامعۃ بلروم با یطالیہ ۔ طبع مدینۃ روما العظمی سنۃ ۱۹۱۱ء)۔(28)

ابن رشد اور بطلیموس

اسی طرح ایک اور مصنف پروفیسر جارج صلیبا، کولمبیا یونیورسٹی، نیویارک، اپنی کتاب ہسٹری آف عربک اسٹرانومی میں کہتا ہے کہ جن لوگوں نے بطلیموس (Ptolemy) کی اسٹرانومی پر کڑی تنقید کی ان کے دو گروپ تھے (1) ایک تو وہ گروپ جس نے صرف اس کی اسٹرانومی پر تنقید کی مگر کوئی اس کا متبادل نظام پیش نہیں کیا۔ (2) اور دوسرے وہ تھے جو اس کے متبادل نظام کا خود کوئی ریاضیاتی ماڈل (mathematical model) پیش نہ کر سکتے تھے تا ان کی فلسفیانہ جستجو اور سوالوں کے جواب مل

سکیں۔ کچھ ایسے بھی تھے جو ریاضی کے امور میں خود ماہر تھے اس لئے انہوں نے بطلیموسی نظام پر تنقید سائنسی نقطہ نظر سے کی اور بطلیموسی نظام کو ریاضی کے اصولوں پر تعمیر کرنے کی سعی کی۔

47

وہ سائنسدان جنہوں نے فلسفیانہ نقطہ نظر کو مدنظر رکھ کے تنقید کی وہ زیادہ تر اندلس میں مقیم تھے۔ جیسے ابن باجہ (1139ء)، ابن طفیل (1185ء)، ابن رشد (1198ء)، البطروجی (1200ء)۔ ان سائنسدانوں کی کوشش تھی کہ کسی طرح وہ ارسطو کے نظام ہیت کی احیائے ثانی کر سکیں۔ وہ کسی اور نظام ہیت کو قابل قبول نہ سمجھتے تھے جو ارسطو کے مفروضوں سے میل نہ کھاتا تھا۔ ان کا بطلیموسی نظام ہیت پر بڑا اعتراض یہ تھا کہ اس میں الافلاک الخارجات المراکز اور الافلاک التدا ویر موجود تھے۔ **(29)**

ایک اور جگہہ یہی مصنف کہتا ہے کہ اسلامی دنیا کے مشرقی ممالک میں ابن سینا اور اس کے شاگرد ابو عبید الجزجانی نے بطلیموس کی (Problem of Equant) کا نیا حل پیش کرنے کی کوشش کی تھی تا اس کے نظام کی ریاضی اور طبعی ضروریات کو مطمئن کیا جا سکے۔ الجزجانی نے ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ ابن سینا نے اس کو بتلایا کہ میرے پاس اس کا حل موجود ہے لیکن یہ حل اسے دکھایا نہیں تھا۔ اسی صدی میں ابن الہیثم (مصر) نے ایک مقالہ الشکوک علی بطلیموس لکھا جس میں اس نے بطلیموس کے نظام ہیت پر مدلل علمی اعتراضات اور اس میں تضادات پیش کئے اور اس کے متبادل نظام کے لئے جملہ شرائط کا ذکر کیا اگر ایسا متبادل نظام ممکن ہو سکے۔

ابن الہیثم کے چیلنج کے جواب میں اندلس کے مشہور اسٹرانومرز جیسے ابن باجہ (سارا گوسا)، ابن طفیل (غرناطہ)، ابن رشد (قرطبہ)، البطروجی (اشبیلیہ 1204ء) اور جابر ابن افلاح (اشبیلیہ 1200ء) نے بطلیموس کے نظام ہیت کو ری فارمولیٹ کرنے کی کوشش کی۔ آیا یہ اسٹرانومرز ابن الہیثم کے چیلنج کے جواب میں ریسرچ کا یہ کام رہے تھے؟ یہ قطعی طور پر معلوم نہیں ہو سکا البتہ صریح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی ریسرچ کا محرک کچھ ایسے ہی محرکات تھے۔ کوپرنیکس ان اندلسی اسٹرانومرز کی ریسرچ سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ کوپرنیکس نے ان کی ریسرچ سے کس حد تک استفادہ کیا اس کا قطعی علم اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ان کی عربی اور لاطینی میں موجود کتابوں کو دوبارہ ایڈٹ نہیں کیا جاتا۔ **(30)**

ابن رشد اسٹرالوجی (علم نجوم) پر یقین نہ رکھتے تھے بلکہ انہوں نے اس کو مکمل طور پر رد کیا۔ ابن رشد نے کہا:

"It does not belong to physical science; it is only a prognostication of future events, and is of the same type as augury and vaticination " (31)

ابن رشد کے علاوہ کئی دیگر مسلمان سائنسدان بھی علم نجوم پر یقین نہ رکھتے تھے۔ ہاں علم فلکیات کی افادیت اسلامی نقطہ نظر سے علما اور فقہا سب پر عیاں تھی جیسے قبلہ کا تعین یعنی مکہ مکرمہ کا رخ کسی علاقہ سے تلاش کرنا، رمضان المبارک کے مہینہ کے آغاز کا تعین، اسلامی تہواروں (حج) کا تعین، نمازوں کے اوقات کا تعین، وغیرہ۔ یاد رہے کہ مساجد میں مواقیت الصلوۃ (یعنی ٹائم کیپر) کا پیشہ یونہی شروع ہوا تھا۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا مشرق کے اسلامی ممالک میں ابن سینا نے پرابلم آف ایکوانٹ (Problem of Equant) پر غور وخوص کے بعد اس کا حل پیش کیا تھا۔ اندلس میں اس مسئلہ پر جابر ابن افلاح نے تحقیقی کام کیا اور بطلیموس پر تنقید کرتے ہوئے کہا He did not take the center of the deferent (in the model of the upper planets) to be halfway between the equant and the center of the universe without proof".

ابن رشد نے جو کچھ ریسرچ کا کام اس سائنسی مسئلہ پر کیا جو کچھ یوں تھا: He blamed Ptolemy for not being Aristotelian enough, taking him to task mainly in the context of his own commentary on Aristotle Metaphysics(Page 75)

غرضیکہ بطلیموس کے نظام ہیت کا متبادل نظام پیش کرنے یا اس میں اصلاح کرنے میں جن اندلسی اسٹرانومرز نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں درج ذیل نام قابل ذکر ہیں: ابن رشد، البطروجی، اور جابر ابن افلاح۔ اب یہاں دو مؤخ الذکر اسٹرانومرز کے مختصر حالات زندگی پیش کئے جاتے ہیں:

نور الدین البطروجی (1204ء) اپنے دور کے نامور اور ممتاز ہیئت دان تھے آپ کی تصنیف کتاب فی الہیئہ کا ترجمہ مشہور مترجم مائیکل سکاٹ نے 1217ء میں ٹولیڈو میں کیا۔ برکلے امریکہ سے اسکا ایک ایڈیشن 1952ء میں شائع ہوا۔ عبرانی میں اس کا ترجمہ وی آنا سے 1531ء میں شائع ہوا۔ البطروجی فلکی مشاہدات کرتے ہوئے انسانی حواس پر زیادہ اعتبار نہ کرتے تھے کیونکہ مشاہدہ کرنے والے اور فلکی کروں کے مابین فاصلہ بہت لمبا تھا۔ کوپرنیکس کے دور تک یورپ کے عالموں پر آپ کے سائنسی نظریات کا گہرا اثر تھا۔ کوپرنیکس نے آپ کا ذکر اپنے علمی شاہکار دی ریوولیوشنبس (De Revolutionibus) میں کیا آپ کے زبردست علمی اور سائنسی کارناموں کے پیش

نظر چاند کا ایک حصہ مارے نیک ٹارس (Mare Nectarus) آپ کے نام سے منسوب ہے۔ کتاب فی الھیۂ کا انگلش ترجمہ بمع عربی متن برنارڈ گولڈ سٹین نے al-bitruji: on principles of astronomy امریکہ سے 1971ء میں شائع کیا۔

48

جابر ابن افلح (وفات 1200ء) بارہویں صدی کے سب سے افضل ہیئت دان اور ریاضی دان تھے جن کی عمر زیادہ حصہ اشبیلیہ میں گزرا۔ آپ کا علمی شاہکار کتاب **اصلاح المجسطی** تھی جس کا عربی میں قلمی نسخہ برلن لائبریری میں موجود ہے۔ اس کتاب کی زبردست افادیت کے پیش نظر جیرارڈ آف کریمونا نے اس کا ترجمہ لاطینی میں کیا اور 1274ء میں اس کا ترجمہ عبرانی میں کیا گیا۔ اس کتاب میں جابر نے بطلیموس کے ہیئت کے نظریات پر کڑی تنقید کی اور اس کے کئی نظریات سے اختلاف کر کے متبادل نظریات پیش کئے۔ بطلیموس کی بیان کردہ غلطیوں کو آپ نے واضح طور پر بیان کیا۔ اشبیلیہ کا ٹاور لا ہیر الڈا (La Geralda) جو جامع مسجد کا مینارہ ہوا کرتا تھا اس میں رات کے وقت گھنٹوں تنہائی میں بیٹھ کر آپ نے کئی سال تک فلکی مشاہدات کئے۔ راقم السطور نے یہ تین سوفٹ اونچا دلکش مینارہ 1999ء میں اسپین کی سیاحت کے دوران وزٹ کیا تھا۔ مینار کے اندر سیڑھیوں کی بجائے ریمپ (ramp) ہے چنانچہ مؤذن گھوڑے پر سوار ہو کر آخری منزل پر جا کر اذان دیا کرتا تھا۔ آخری منزل پر چاروں رخ کھڑکیاں ہیں جن سے ملحقہ بالکونی بنی ہوئی ہے اس لئے انسان اونچے مقام سے باآسانی آسمان کا مشاہدہ رات کے وقت کر سکتا ہے۔ آپ کی تصنیف کتاب الھیۂ میں ایک باب سفیریکل اسٹرانومی پر ہے جس سے یورپ میں ٹریگنومیٹری کے علم میں توسیع ہوئی۔ 1970ء میں یونیورسٹی آف مانچسٹر (برطانیہ) میں ایک طالب علم آر پی لارچ (R.P. Lorch) کو جابر اینڈ ہز انفلوئینس ان دی ویسٹ (Jaber & his influence in the West) مقالہ لکھنے پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی۔ میں نے مسٹر لارچ سے 2004ء میں ای میل کے ذریعہ رابطہ قائم کیا تا یہ مقالہ حاصل کر سکوں، لیکن مائیکروفلم پر ہونے سے ایسا ممکن نہ ہو سکا۔

ایک اور مصنف کی رائے

مصنف ٹامس گلک (Glick) کہتا ہے کہ اندلس کی تھیوریٹکل اسٹرانومی کا ایک خاص فیچر یہ تھا کہ وہاں کے اسٹرانومر ارسطو کے نظام کو بطلیموس کے نظام پر ترجیح دیتے تھے۔ البطروجی چاہتا تھا کہ بطلیموسی نظام میں سے الافلاک الخارجات المراکز اور الافلاک التدویر کو خارج کر کے ان کی جگہ سفیرز (spheres) رکھ دئے جائیں۔ ابن باجہ اور ابن طفیل بھی افلاک التدویر (epicycle) کے خلاف تھے۔ جبکہ ابن رشد الافلاک الخارجات المراکز اور الافلاک التدویر کے خلاف دلیل یہ دیتے تھے کہ: بطلیموس سے پہلے موجود علم ہیئت کا بحال کیا جانا لازمی تھا کیونکہ وہی تو قابل اعتبار علم ہیئت تھا جو طبعی قوانین کے نقطہ نظر سے قابل اعتبار تھا۔

Pre-Ptolemaic astronomy had to be retrieved, for it is the true astronomy that is possible from the standpoint of physical principles. **(32)**

ابن رشد اور نیوٹن

سٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک کے سابق پروفیسر ورین بولوگ (Vern Bullough) نے اپنے مضمون Medieval scholastics and Averroism میں لکھا ہے کہ قرون وسطیٰ کی یونیورسٹی آف پیڈوا (اٹلی) میں متعدد پروفیسرز نے منطق کے اصولوں کا اطلاق میڈیسن پر بالکل ویسے ہی کیا جس طرح ابن سینا اور ابن رشد نے کیا تھا۔ اس کا ضمنی فائدہ یہ ہوا کہ سائنس میں ایک نئے طریق کار کا آغاز ہوا جیسے ریزولیشن اینڈ کمپوزیشن (Resolution & Composition) کا نام دیا گیا۔ ماڈرن سائنس کی ترویج میں اس طریق کار کا بہت بڑا ہاتھ ہے کیونکہ اس میں تجربہ (ایکسپیری منٹ) کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا۔ ارسطو کا کہنا تھا کہ سائنسی حقائق کی دریافت کے لئے مشاہدہ ہی کافی ہوتا ہے مگر اس طریق کار میں حقیقت کے مشاہدہ سے کام شروع کر کے اس کو اجزائی حصوں میں ریزالو کیا جاتا تھا۔ مثلاً بخار کی وجوہات: بخار کسی مائع کے گرم ہونے سے یا کسی عضو کے گرم ہونے سے ہو سکتا ہے، پھر مائع کے گرم ہونے کی وجہ یا تو خون ہے یا پھر بلغمی مادہ، یوں کرتے کرتے انسان بخار ہونے کی خاص وجہ یا پھر بخار کی اصل حقیقت اور وجوہات کا علم حاصل کر لیتا ہے۔

(1) اس سائنسی اصول کے ماتحت ابن رشد کی بعض تھیوریز کو ٹیسٹ کیا گیا مثلاً انہوں نے تھیوری آف کلر (Theory of colour) وضع کی جس کے مطابق رنگوں کے لئے دو جڑواں متضاد خواص کا مختلف کمیتوں میں ہونا ضروری ہے جیسے منور اور مدھم، محدود اور غیر محدود:

Averroes developed a theory of colour which held that colors were attributed to the presence in varying degrees of two pairs of opposite qualities: brightness and obscurity, bounded and unboundedness.

اس تھیوری کو مدنظر رکھ کے بہت سے سائنس دانوں بشمول آئزک نیوٹن نے اپنی تھیوریز کو ٹیسٹ کیا اور پھر اس کے جواب میں اپنی تھیوریز آف کلر پیش کیں۔

(2) ابن رشد نے مقناطیسی جاذبیت پر تحقیق کی تھی جس کی تشریح انواع کی بڑھوتری کی گئی۔ کیونکہ مقناطیس کو جو چیز چھوتی اس کے اجزاء یا خواص میں تبدیلی آجاتی

49

(جیسے پانی اور ہوا) پھر لوہے کے پاس پڑے اجزاء تبدیل (ماڈی فائی) ہو جاتے جن کے جوہر میں حرکت پیدا ہوتی اور یہ مقناطیس کی طرف لپکتے۔ جان فیراڈے اور میکس ویل نے جو ٹیوبز آف فورس (Tubes of force) کئی سو سال بعد برطانیہ میں بنائی تھیں وہ اس کے مشابہ تھیں۔ تاہم ابن رشد کی دریافت نیز فیراڈے اور میکس ویل کی دریافت کے مابین کسی نے ابھی تک ڈائریکٹ کونیکشن ثابت نہیں کیا۔

Averroes had also investigated the problem of magnetic attraction and this had been explained as a form of multiplication of species. That is, the lodestone modifies the parts of the medium touching it (air or water), and these then modified the parts next to the iron, in which a motive virtue was produced, causing it to approach the lodestone.

(3) ابن رشد نے علم جنین (Embryology) پر بھی تحقیق کی تھی۔ اس موضوع پر یورپ میں سب سے پہلی کتاب جائلز آف روم (Giles of Rome 1247-1316) نے لکھی تھی اور اس سوال پر کہ انسانی جسم میں روح کب پیدا ہوتی ؟ مدلل طریق سے روشنی ڈالی۔ ابن رشد کا نظریہ تھا کہ روح جسم کے ساتھ ہی پیدا ہوتی لیکن نمود پانے والے بچہ (Fetus) جب حرکت کرنا شروع کرتا تو یہ اپنی موجودگی کا اظہار کرتی۔ یہ آئیڈیا عیسائیت نے انیسویں صدی میں قابل قبول تسلیم کیا تھا۔

آپ کا نظریہ تھا کہ انسانی نطفہ میں اتنی خلقی استعداد ہوتی کہ ہونے والے بچہ کی صورت، اس کی خوراک، اور اس کے اعضاء کی نشو ونما ممکن ہو سکتی:

A potentiality exists in the semen that determines the shape of the offspring, its nourishment, and development of its organs))

(4) ابن رشد کے سائنسی آئیڈیاز نے اطالین سائنسدانوں جیرارڈو برونو (Bruno 1547-1600) اور گیلی لیو (Galileo 1564-1642) کو بہت متاثر کیا تھا کیونکہ دونوں نے ایسے سائنس دانوں کے ہمراہ تعلیم حاصل کی تھی جو یونیورسٹی آف پیڈوا (اٹلی) میں ابن رشد کے نظریات کے پرجوش پیروکار (Averroists) تھے۔ ابن رشد کے پیروکاروں کے علمی اثر کی وجہ سے سترھویں صدی میں ارسطو کے نظریات میں تنزل آگیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ ابن رشد ارسطو کا سب سے بڑا پرچار کرنے والا تھا مگر اس کے پیروکاروں نے ارسطو کا علمی اثر یورپ میں زائل کیا۔ ابن رشد کے نظریات کا اثر یورپ میں چاہے منفی تھا یا مثبت یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یورپ میں نئی روشنی کی تحریک (Enlightenment) برپا کرنے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ **(33)**

گیلی لیو نے ابن رشد کے سائنسی نظریات سے کس حد تک استفادہ کیا اس کا اعتراف امریکن مصنف نکولس ریشر (Nicholas Rescher) نے یوں کیا ہے:

"The Averroist tradition of Padua kept alive the Arabic interest in and spirit of inquiry respecting natural science, until the time that it provided intellectual grist to the mill of Galileo and his teachers. " **(34)**

(ترجمہ) پیڈوا کی رشدی تحریک کی روایت نے نیچرل سائنس میں عرب دلچسپی اور سپرٹ آف انکوائری کو زندہ رکھا تا آں کہ اس نے گیلی لیو اور اس کے اساتذہ کی مل کو علمی غلہ دیا

قرطبہ کا زلزلہ

جیسا کہ ذکر کیا گیا آپ میں مشاہدے کی قوت کثیر حد تک ودیعت کی گئی تھی۔ اس کی مثال قرطبہ کا وہ زلزلہ ہے جو 1170ء میں آیا، ابن رشد اس وقت اشبیلیہ میں مقیم تھے۔ قرطبہ کے شہریوں نے مشاہدہ کیا کہ زمین نے کس پوری قوت سے حرکت کی کہ ہر طرف ہلچل مچ گئی۔ گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ ابن رشد نے جو کچھ مشاہدہ وہ یوں تھا: "میں عین اس وقت قرطبہ میں موجود نہیں تھا لیکن جب میں وہاں پہنچا تو میں نے ایسی گڑگڑاہٹ کی آوازیں سنیں جو زلزلہ سے پہلے آتی ہیں۔ لوگوں نے دیکھا کہ گڑگڑ کی آواز قرطبہ کے مغرب کی طرف سے آتی اور اس کے ساتھ ہی زلزلہ سے ایسی خوفناک آندھی چلی جو مغرب کی جانب سے آ رہی تھی۔ دہشت انگیز زلزلے کے خفیف جھٹکے (siesmic tremors) قرطبہ میں اگلے سال تک آتے رہے اور تین سال تک ایسا ہوتا رہا۔ پہلے زلزلے میں بہت سارے لوگ مارے گئے جب ان کے گھر منہدم ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ قرطبہ کے نزدیک ایک مقام 'اندوجار' پر زمین شق ہو گئی اور اس میں سے راکھ اور ریت سے ملتی جلتی چیز ہوا میں اڑنے لگی۔ جس کسی نے یہ (زلزلہ) خود دیکھا وہ اس کی صداقت پر یقین رکھتا تھا۔ زلزلہ بالعموم اندلس کے جزیرہ نما کے مغربی حصہ میں زیادہ محسوس کیا گیا لیکن یہ سب سے زیادہ زوردار قرطبہ اور اس کے گردونواح میں تھا۔ قرطبہ کے مشرقی حصہ میں یہ نسبتاً زوردار تھا بجائے شہر کے اندرون میں، جبکہ مغرب میں یہ بہت ہلکا تھا۔"

(www.muslimphilosophy.com/Averroes اقتباس از 64Meteorology تلخیص آثار العلویہ)

آپ بائبل میں مذکور تخلیق کے نظریہ سے اتفاق نہ کرتے تھے اس لئے آپ نے اسلامی تخلیق کائنات کی نئی تھیوری پیش کی۔ آپ کا یقین تھا کہ خدا ازل سے ہے خدا ہی محرک اول (prime mover) ہے۔ قرآن مجید کے ہر لفظ ہر شوشہ پر صدق دل سے ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے قرآن کی آیات کے مطالب دو طریق سے سمجھنا

50

چاہئیں۔ عام انسانوں کو صرف اس کے لفظی معنی بتلائے جائیں۔ فلاسفروں اور دانش مندوں کیلئے اس کی پر معارف آیات میں اور معنی پوشیدہ ہیں جو فلاسفی سے مطابقت رکھتے، اس لئے حکیم (فلاسفر) کو چاہئے کہ وہ قرآن مجید کی آیات کی تاویل کرے مگر سادہ لوح لوگوں کو نہ بتلائے۔ آپ کے نزدیک خدا کا علم ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز (جز ئیات particulars) پر بھی حاوی ہے کیونکہ خدا نے ہی تو ان اشیاء کو بنایا ہے۔

کتاب الحیوان کی تفسیر لکھتے ہوئے آپ نے قرطبہ کی آب وہوا کا اثر انسان کے بالوں، بھیڑ کی کھال اور لوگوں کے مزاج پر کیا۔ اسی طرح کتاب میٹرالوجی کی تفسیر لکھتے ہوئے آپ نے اظہار خیال کیا کہ عرب لوگوں کی اولا د سپین کے آزاد خطہ زمین میں آباد ہو کر رفتہ رفتہ خود مختار لوگوں کی ذہنیت اختیار کر گئی ہے۔ کتاب الکلیات میں آپ نے قرطبہ کے دریا وادی الکبیر کے پانی کا خالص اور صحت کے لئے اچھا ہونے کا ذکر کیا۔

ابن رشد کا نظریہ ارتقاء

نظریہ ارتقاء کے بارہ میں ان کا نظریہ تھا کہ کائنات مسلسل ارتقاء پذیر ہے۔ یعنی جو کچھ دنیا میں موجود ہے وہ ہر لحہ یا وقت کے ساتھ نئی صورتیں اختیار کرتا رہتا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ خدا زمان ومکان کی قیود سے ماوراء ہے اور رب العالمین کی تخلیق کا عمل برابر جاری وساری رہتا ہے۔ خدا نے ہی زمان اور مکان کو بنایا۔ اس نظریہ کی صراحت کرتے ہوئے آپ نے خدا کے ازل سے ہونے اور کائنات کے ازل سے ہونے کے فرق کو واضح کیا۔ فرمایا ازل دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو وہ جس کا سبب ہو یعنی (eternity with cause) اور دوسرے وہ ازل جو بغیر علت کے ہے (eternity without cause) کائنات ازل سے ہے کیونکہ اس کا پیدا کرنے والا ازل سے اس پر اثر انداز ہے۔ قادر مطلق خدا اس کے برعکس بغیر وجہ کے ازل سے ہے۔ خدا کی ذات کے ہونے میں زمان کا کوئی کاروبار نہیں کیونکہ خدا زمان کے بغیر ازل سے قائم ودائم چلا آرہا ہے۔

جارج سارٹن نے گزشتہ چند سطور میں بیان کردہ مضمون کو یوں بیان کیا ہے: Ibn Rushd tried to reconcile the Aristotelian notion of the eternity of the world, which seems to imply a denial of creation, with Muslim creationism. God is eternal, and His creative effort is perpetual; He creates time (or duration) as well as the world, and He may have created it from eternity. **(35)**

چارلس سنگر نے کتاب "اے شارٹ ہسٹری آف سائین ٹفک آئیڈیاز" میں آپ کے نظریہ ارتقاء کو یوں بیان کیا ہے:

Averroes believed, not in a single act of creation, but in a continuous creation, renewed every instant in a constantly changing world, always taking its new form from that which has existed previously.

(ترجمہ) ابن رشد تخلیق کے یک لحہ فعل پر یقین نہ رکھتا تھا، بلکہ مسلسل تخلیق کے عمل پر جس کی تجدید تغیر پذیر کائنات میں ہر لحہ ہو رہی ہے۔ یہ تخلیق ہر دفعہ نئی صورت میں ان اشیاء سے ہوتی جو اس کائنات میں پہلے سے موجود ہیں۔

For Averroes the world, though eternal, is subject to a Mover constantly producing it and, like it eternal. This Mover can be realized by observation of the eternal celestial bodies whose perfected existence is conditioned by their movemen t.

(ترجمہ) ابن رشد کے نزدیک اگر چہ یہ کائنات ازل سے ہے، لیکن یہ ایک محرک (خدا) کے ماتحت ہے جو اس کی تخلیق مسلسل کرتا ہے، نیز وہ کائنات کی طرح ازل سے ہے۔ اس محرک (خدا) کا احساس ہمیں ازل سے قائم اجرام فلکی کے مشاہدہ سے ہو سکتا جن کا کامل وجود ان کی گردش پر مشروط ہے۔

Thereby may be distinguished two forms of eternity, that with cause and that without cause. Only the Prime Mover is eternal and without cause. All the rest of the universe has a cause, or , as we should say nowadays, is 'subject to evolution'. He pictured the universe as finite in space

(ترجمہ) ازل دو قسم کی ہے، ایک تو وہ جس کی علت ہے اور دوسرے وہ جو بغیر علت کے ہے۔ صرف محرک اول (خدا) ازلی اور علت کے بغیر ہے۔ باقی تمام کائنات کی علت ہے، یا پھر جیسا آجکل کہا جاتا ہے کہ (کائنات) ارتقاء پذیر ہے۔ اس کے تصور میں کائنات خلاء کے اندر محدود تھی۔ (36)

وقت کیا ہے؟

51

ٹائم کے متعلق ان کا نظریہ تھا کہ ٹائم اور موشن آپس میں پیوند ہیں، اتنا کہ ہم موشن کا تصور ٹائم کے تصور کے بغیر کر ہی نہیں سکتے۔ خاص طور پر اگر ہم انسانی حواس سے موشن کا ادراک نہیں کر سکتے تو ٹائم کا ادراک بھی نہیں کر سکتے جیسا کہ ارسطو نے سارڈینیا کے سلیپرز (sleepers of sardinia) کا ذکر کیا یا قرآن مجید میں اصحاب کہف کا ذکر ہوا ہے۔ ٹائم موشن کے ہو بہو نہیں ہے یہ بات ابن رشد کے نزدیک ظاہر و باہر ہے۔ ہم ٹائم کا تصور موشن کے بغیر نہیں کر سکتے اگرچہ موشن کا تصور ٹائم کے بغیر کر سکتے ہیں۔ ٹائم کا ادراک خاص طور پر رفتار کی نسبت سے حاصل کیا جا سکتا ہے جس کے اجزا قبل اور بعد ہیں۔ جب ہمیں اس لمحہ (Now) کا ادراک نہیں ہوتا تو ہمیں ٹائم کا بھی ادراک نہیں ہوتا۔ یعنی ٹائم کے ادراک کا موشن کی تقسیم (قبل اور بعد) سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی لئے ارسطو نے ٹائم کی تعریف نمبر آف موشن کی ہے، قبل اور بعد کے تعلق سے۔ ابن رشد کے اس نظریہ کی جھلک گیلی لیو، نیوٹن کے ٹائم اور موشن سے متعلق سائنسی نظریات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (37)

ابن رشد کا عقل کا نظریہ (theory of intellect) یہ تھی کہ ہم اشیاء کے پیچھے پوشیدہ صورتوں کا امیج بنا کر سوچتے ہیں۔ He believed that man thinks by abstracting the forms behind things and that human intellect is receptacle of these intelligible forms. آئن سٹائین نے اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا.imagination is more important than knowledge

ابن رشد کی غلطی

ابن رشد نے ارسطو کے افلاک کے سفیر بیسڈ ماڈل (sphere-based model) کی تائید کی تھی برعکس بطلیموس کے ماڈل کے جس کا مرکز زمین تھی اور جو اس نے سائیکلک اور اپی سائیکلک آربٹس (cyclic & epicyclic orbits) سے وضع کیا تھا۔ ارسطو نے کاؤنٹر ایکٹنگ سفیرز (counter acting spheres) کا ذکر کیا تھا جس کا عربی میں ترجمہ لولبیا کیا گیا تھا۔ ابن رشد نے اس کے معنی کمانی دار، سپائرال (spiral) کے لئے جس کی وجہ سے اس سے سنگین غلطی سرزد ہوئی کیونکہ کشش ثقل والے اجرام فلکی یقیناً کمانی دار نہیں ہوتے۔ (WWW2.NEA.ORG/HE/HETA01.S01P63.PDF)

ابن رشد اور سائنٹیفک ریوولیوشن

فلسفہ چونکہ تجربہ و مشاہدہ کی صداقت پر مبنی ہوتا ہے اس لئے یہ حقیقت جاننے کا سب سے معتبر ذریعہ ہے۔ اسلامی دنیا میں علماء و فلاسفہ نے علم و حکمت کی بنیادیں تجربہ و مشاہدہ پر رکھی تھیں۔ یورپ میں احیاء علوم یا نشاۃ ثانیہ کا آغاز اس وقت ہوا جب مسلمان مصنفین کی تصانیف کے ذریعہ ان پر تجربہ و مشاہدہ کی اہمیت آشکارا ہوئی۔ اس لئے یہ کہنے میں مبالغہ نہیں کہ یورپ میں احیاء ثانی اسلامی علوم کی مرہون منت ہے۔

بیسویں صدی کے آخر پر لوگوں کو احساس ہوا کہ یورپ میں ہونے والے سیاسی انقلابات کے علاوہ سائنسی انقلاب کے بارہ میں علم حاصل کریں۔ یہ انقلاب دو سو سال یعنی 1500-1700ء کے عرصہ میں ظہور پذیر ہوا۔ عیسائیت کے آغاز کے بعد مغربی تہذیب کی تاریخ میں صحیح معنوں میں رخ بدلنے والا یہی انقلاب تھا۔ اگرچہ مغربی تہذیب پر عبرانی اور یونانی تہذیب کا اثر بہت نمایاں تھا مگر اس سائنسی انقلاب سے جنم لینے والی سوسائٹی اس سوسائٹی سے بہت مختلف تھی جو اس سے پہلے تھی۔ کوپرنیکس، کیپلر، گیلی لیو، ڈیکارٹ، اور نیوٹن کے جلیل القدر سائنسی کارناموں نے ایک نئی علمی دنیا کو جنم دیا۔ چنانچہ اس انقلاب کے آنے سے پہلے پس منظر کو جاننے کی کوششیں شروع ہو چکی ہیں، یعنی یہ جاننے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ قرون وسطی کے عرصہ سے لے کر نشاۃ ثانیہ کے عرصہ (1300-1500ء) کی سائنٹیفک تھاٹ کی ہسٹری کیا ہے؟ نشاۃ ثانیہ یورپ کی وہ کلچرل موومنٹ ہے جس سے وہاں سائنسی انقلاب برپا ہوا، اس کا آغاز اٹلی میں چودھویں صدی سے ہوا۔ نشاۃ ثانیہ کی بنیاد اس وقت پڑی جب یورپ کے عالموں، سائنس دانوں نے قدیم یونانی علوم کی تحصیل بڑے شد و مد سے شروع کر دی اور اس تمام علمی خزانے تک جانے کے لئے ابن رشد کا مطالعہ لازمی تھا کیونکہ اس نے ہی تو ارسطو کے سائنسی نظریات اور خیالات کو صحیح معنوں میں بیان کر کے اس کی اہمیت لوگوں پر آشکارا کی تھی۔ ابن رشد کے یونانی کتب کی شرحوں سے نشاۃ ثانیہ کے دیو قامت عالموں کو آئیڈیاز ملے تھے۔

چودھویں صدی میں پیرس کے سکالرز نے ارسطو کی تھیوری آف موشن کو مسترد کیا تھا۔ اس کی جگہ ایک تھیوری نے جگہ لی اس کا نام امپی ٹس (impetus) تھا جس

کا کسی پروجیکٹ ٹائیل کے سفر کے دوران ہونا ضروری تھا۔ اس کے بعد سائنسدان تھیوری آف انرشیا (theory of inertia) پر ریسرچ کرنے لگے جو سترھویں صدی میں مکمل طور پر ڈیولپ ہوئی۔ پیرس کے مکتب فکر کے اس سائنسی کام کو اٹلی کی یونیورسٹی آف پیڈوا میں پندرھویں اور سولہویں صدی میں مزید ڈیولپ کیا گیا۔ یہ یونیورسٹی میڈیکل ایجوکیشن اور ارسطو کے سائنسی نظریات کی وجہ سے بہت مشہور تھی۔ خاص طور پر ابن رشد جن کی شہرت ارسطو کے شارح ہونے کی وجہ سے تھی، ان کے نظریات (Averroism) کا یہاں بہت انفلوئینس تھا جن کا پرتو اطالین نشاۃ ثانیہ کی سائنس اور فلاسفی میں صاف صاف نظر آتا ہے۔ پیڈوا کے سکالرز نے ابن رشد کی کتابوں اور سائنسی نظریات کو گائیڈنگ لائٹ بنا

کر سائینٹفک میتھڈ (scientific method) کے نشو ونما میں اہم کنٹری بیوشن کیں۔

سائینٹفک میتھڈ کی بنیاد پانچ امور پر ہے: 1 کائنات میں کسی مظہر قدرت کو دیکھو۔ 2 جو کچھ تم نے دیکھا اس کی بنیاد پر مفروضہ تیار کرو۔ 3 مفروضہ کو مد نظر رکھتے ہوئے پیش گوئی کرو۔ 4 ان پیش گوئیوں کو تجربات کے ذریعہ ٹیسٹ کرو، اگر نتائج مختلف ہوں تو ان کی روشنی میں نظریہ بدلو۔ 5 تجربہ کو تین چار مرتبہ دہراؤ، حتّیٰ کہ مفروضہ اور مشاہدہ میں کوئی تضاد نہ رہے۔ اس مرحلہ پر مفروضہ تھیوری بن جاتا ہے۔ تھیوری ایک فریم ورک ہے جس میں مشاہدات کی وضاحت اور پیش گوئیاں کی جاتی ہیں۔

یہ سائینٹفک ریوولیوشن اسلامی دنیا میں بھی آسکتا تھا مگر علما کے سیاسی اثر اور وگرگوں معاشی، سیاسی، علمی حالات کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔

ابن رشد۔ سائنس کا حامی

ابن رشد سائنس دانوں کا قرون وسطیٰ میں سب سے بڑا حامی اور طرف دار تھا۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب تہافت الفلاسفۃ کے ذریعہ فلسفہ پر جو کاری ضرب لگائی تھی اس کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ مسلمان جو کسی وقت ایک شاندار تہذیب کے مالک اور وارث تھے وہ رفتہ رفتہ فلسفہ (سائنس) سے بے زار ہو گئے اور اسلامی سوسائٹی انحطاط کا شکار ہو گئی۔ مذہب، فلسفہ اور سائینس کا ہر معاشرے میں اپنا اپنا دائرہ کار ہے۔ عوام کی فلاح اور بہبود کے لئے نیز ان کی مادی خوشحالی کے لئے سائنس کا علم بہت ضروری ہے۔ فلسفہ حقیقت جاننے کا یا حقائق سے پردہ اٹھانے کا نام ہے۔ ہر انسان کے لئے مذہب بنیادی اہمیت رکھتا ہے، تاریخ انسانی کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ماضی میں ایسی سوسائٹیاں تھیں جن میں نہ تو سائنس تھی اور نہ فلسفہ ہاں ان میں مذہب ضرور تھا۔ افلاطون، ارسطو، ابن سینا، ابن رشد، ڈیکارٹ، اور کانٹ کی علمی فضیلت اس بات میں ہے کہ انہوں نے ان تینوں کی اہمیت کو جانا۔ عباسی دور حکومت میں جو ابتدائی فلاسفر اسلامی دنیا میں پیدا ہوئے وہ سائنس کی اہمیت اور مذہب کی افادیت سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ الکندی، الفارابی، ابن سینا سائنس داں ہونے کے ساتھ فلاسفر اور سچے، راسخ العقیدہ مسلمان بھی تھے، انہوں نے شہرت دوام اس لئے حاصل کی کہ انہوں نے مذہب کے احکام کی اپنے سائنسی اور فلاسفیکل علم کے احاطہ کار کے اندر رہتے ہوئے تشریح اور تاویل کی۔

حجۃ الاسلام امام الغزالیؒ نے تہافت الفلاسفۃ میں فلاسفروں پر کفر کا الزام ان کے بیس نظریات کی وجہ سے عائد کیا تھا۔ ابن رشد نے ان کی کتاب کا رد لکھا اور ان بیس الزامات کا جواب تہافت التہافت میں سائنس، فلسفہ اور مذہب میں تطبیق پیدا کرتے ہوئے دیا۔ ابن رشد نے قرآنی آیات کی عقلی واستدلالی تفسیر پیش کرتے ہوئے مذہب کی طرف جانے والا راستہ کی نشاندہی کی جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ ابن رشد نے یوں سائنس کا محافظ ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے سائنسی حقائق کی طرف جانے والے راستے کی رہنمائی کی۔ مثلاً ابن رشد نے کہا کہ فلاسفروں کو کرشمات کے بارہ میں سوال نہیں اٹھانے چاہئیں، ایسا شخص جو ان کے بارے میں شبہات کا اظہار کرتا ہے سزا کا مستحق ہے۔ ہاں یہ بھی جاننا چاہئیے کہ اسلام کا اصل کرشمہ اس بات میں مضمر نہیں کہ سونٹے کو سانپ میں تبدیل کر دیا جائے بلکہ اسلام کا سب سے بڑا کرشمہ قرآن مجید ہے اور یہ کرشمہ تمام کرشموں پر فوقیت رکھتا ہے۔ (التہافت التہافت صفحہ 312، جلد اول انگلش ترجمہ van den Bergh)۔ پچھلی صدی میں گزرنے والے مسلمان علما میں سے محمد عبدہ (مصر) اور سید امیر علی (بھارت) نے ابن رشد کے اس نظریہ سے اتفاق کیا اور اب اسلامی ممالک میں اس نقطہ نظر کو قبولیت کی سند حاصل ہو چکی ہے۔

ابن رشد فطرت کے تمام قوانین پر مکمل یقین رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس دنیا میں ہر چیز مکمل تواتر سے وقوع پذیر ہوتی ہے جس کو علت اور معلول کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھا جا سکتا ہے۔ سائنس کی طرف جانے کا راستہ مذہب سے شروع ہوتا ہے جس کی بنیاد یقین پر ہے۔ مادہ پرستوں اور متشکک افراد کے لئے سائنس میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ دنیا کی ہستی پر اعتماد سے ہی ہماری عقل چیزوں کی علت دریافت کرتی ہے۔ سائنسی علم درحقیقت اشیاء کا علم اور ان کے علل کا نام ہے جو ان کو پیدا کرتی ہیں۔

scientif ic knowledge is the knowledge of things with their causes which produce them

ابن رشد کا ذکر انسائیکلو پیڈیا میں

میں نے انسائیکلو پیڈیا آف اسٹرانومی اینڈ ایسٹروفزکس میں ابن رشد پر بطور ہیئت دان دئے گئے مضمون کا خلاصہ پڑھا جس سے اس موضوع پر مزید دلچسپی رکھنے والے حضرات استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کا انٹرنیٹ ایڈریس حسب ذیل ہے، پورا مضمون پڑھنے کے لئے ممبر شپ لازمی ہے۔

HTTP://EAA.IOO.ORG/INDEX.CFM?ACTION=SUMMARY&DOC :

کہا جاتا ہے کہ بڑے بڑے سائنس دانوں نے جو تہلکہ خیز سائنسی پیش گوئیاں کیں وہ انہوں نے 25 سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے کیں تھیں۔ اس ضمن میں نیوٹن، آئن سٹائین اور پروفیسر عبدالسلام کا نام پیش کیا جاتا ہے۔ ابن رشد کی سائنسی زندگی پر غور سے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی پچیس سال کی عمر کے لگ بھگ

53

زبردست سائنسی کارنامے انجام دئے۔ بعض لوگ فطرتاً ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی شخصیت کے جوہر دھیرے دھیرے کھلتے ہیں، ابن رشد جوں جوں عمر رسیدہ ہوتے گئے ان کی باکمال شخصیت کے جوہر کھلتے گئے۔ علما اور حکماء کو احساس ہوگیا کہ وہ اندھیری رات میں چمکتا چراغ تھے۔ اس بے مثل چراغ نے اپنی ضو پاشیوں سے یورپ کو منور کیا مگر عالم اسلام میں چراغ تلے اندھیرا ہی رہا۔

آئزک آئی سی ماو (Isaac Asimov) جس نے سائنس پر پانچ صد کے قریب کتابیں لکھی ہیں، اس نے کتاب بیوگرافیکل انسائیکلو پیڈیا جس میں 1510 سائنس دانوں کی سوانح عمریاں دی گئیں ہیں، اس میں ابن رشد کا ذکر 91 نمبر پر کیا ہے۔ (38)

اب ہم ابن رشد کی زندگی کا مطالعہ بطور فلاسفر کے کرتے ہیں

فصل پنجم

ابن رشد
فلاسفر

55

یورپ میں اسلامی فلاسفی کا فروغ

اسلامی فلاسفی کی اہمیت کا اندازہ یوروپ کے اہل علم کو بارہویں صدی میں جب ہوگیا تو اسلامی سپین میں ٹولیڈو کے شہر میں عربی کتب کے عبرانی اور لاطینی میں تراجم کا کام پورے زور شور سے شروع ہوگیا۔ ان مترجمین میں مسلمان، عیسائی، یہودی، اور سپینش مترجمین شامل تھے۔ ان کا سرخیل (ڈین آف ٹرانسلیٹرز) جیرارڈ آف کریمونا (1187-1114ء) تھا جس نے فلسفہ و سائنس کے موضوع پر 70 شاہکار عربی کتابوں کے تراجم لاطینی میں کئے۔ 1180ء میں متعدد مترجمین کی ٹیموں نے مل کر شیخ الرئیس حکیم ابن سینا کے فلاسفی کے انسائیکلوپیڈیا کتاب الشفاء کا ترجمہ مکمل کیا۔ الشفاء نے عہد وسطی میں یورپ کی یونیورسٹیوں میں کئی سو سال تک فلاسفی اور سائنس کی تعلیم پر گہرا اثر چھوڑا۔

یورپ میں اسلامک فلاسفی کے تین دور تھے (1) پہلا دور 1250-1100ء جب عربی سے فلسفہ، الہیات اور سائنس کی کتب کے تراجم لاطینی و دیگر یورپی زبانوں میں کئے گئے۔ چنانچہ قرآن پاک کا پہلا ترجمہ 1143ء میں رابرٹ آف چیسٹر نے کیا۔ یورپ میں اسلام اور اسلامی سائنس میں دلچسپی پہلی صلیبی جنگ 1095ء کے بعد شروع ہوئی تھی۔ (2) دوسرا دور 1400-1250ء کا ہے جب اسلام اور سرکار دو عالمﷺ کے خلاف زہریلا پراپگنڈہ عیسائی پادریوں نے کیا اور کتابیں شائع کی گئیں۔ (3) تیسرا دور 1500-1400ء سے بعد کا ہے جب صلیبی جنگیں ختم ہو چکی تھیں اور یورپ میں اسلامی علوم میں دلچسپی دوبارہ بڑھنے لگی۔ یورپ کی متعدد نامور لائبریوں میں عربی کتابوں کے دستی نسخے اکٹھے کئے جانے لگے۔

اٹلی میں 1588ء میں گرینڈ ڈیوک آف ٹوسانی فرڈی نانڈ ڈی میڈیسی (Ferdinand de Medici, Tuscany) نے اپنی پرنٹنگ پریس پر عربی کتابوں کی وسیع اشاعت کا کام شروع کر دیا تھا۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے دور (چودھویں تا سترھویں صدی) میں پیرس، لیڈن، روم، آکسفورڈ کی جامعات میں عربی کے پروفیسر تدریس کا کام کر رہے تھے۔ عیسائی مشنری بھی اس معاملے میں کچھ پیچھے نہ تھے اس لئے مذہب اسلام کے بارہ میں معلومات اور کتابیں وسیع تعداد میں لکھی جانے لگیں۔ 1697ء میں پہلا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (Bibliotheque orientale) پیرس سے شائع ہو چکا تھا۔ پھر سوئٹزرلینڈ کے جوہان ہانگر (Johann Hottinger 1620-1667) نے ابن ابی اصیبعہ کی کتاب طبقات الاطباء اور ابن الندیم کی کتاب فہرست کو سامنے رکھ کر کتاب شائع کی۔ مستشرقین کے لئے ہسٹری آف اسلامک فلاسفی اینڈ سائنس کے موضوع پر یہ سب سے مستند ذخیرہ تھی۔ انگلش میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لیڈن سے 38-1913ء چار جلدوں میں شائع کیا گیا تھا۔

سترھویں صدی کا سب سے عظیم مستشرق بلاشبہ ایڈورڈ پوکاک (Pocock 1604-1691) تھا جس نے فلاسفی کی تعلیم ہائیڈل برگ کے پروفیسر پاسر (Pasor) سے حاصل کی تھی۔ پوکاک جب شام میں عیسائی مشنری کے طور پر متعین تھا تو اس نے عربی کتب کے نادر مخطوطات یونیورسٹی آف آکسفورڈ کیلئے اکٹھے کئے۔ اس کا ایک اور قابل ستائش کارنامہ یہ ہے کہ اس نے یورپ میں اسلامی فلاسفی کے فروغ کے لئے دو کتابوں کے تراجم کئے۔ پہلی کتاب مختصر فی الدوال کا لاطینی ترجمہ (Specimen historiae Arabum) آکسفورڈ سے 1663ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ اس کتاب کو اسلامی فلاسفی کی ہسٹاریوگرافی کی بنیادی اینٹ قرار دیا گیا اور اس کا اثر انیسویں صدی تک شائع ہونے والی کتابوں میں محسوس کیا جاتا رہا۔ پوکاک نے اس ترجمہ کے لئے ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان، شارستانی کی کتاب الملل والنحل۔ ابن الاثیر کی الکامل فی التاریخ۔ ابن حکمون القودائی (وفات 1062ء) کی کتاب الانبیاء والخلفاء، موسی ابن میمون (1204ء) کی مورے نیبوکم (Moreh Nebukim)، امام الغزالی کی احیاء علوم الدین، اور عقیدہ سے پورا پورا استفادہ کیا تھا۔ دوسری کتاب جس کا اس نے انگلش میں ترجمہ کیا وہ ابن طفیل کا مشہور فلسفیانہ ناول حی ابن یقظان تھا۔ یہ 1671ء میں شائع ہوا تھا۔

ایڈورڈ پوکاک یورپ میں پہلا مستشرق تھا جس نے عربی زبان کی کتابوں کی اہمیت کو پہچانا، خاص طور پر فلاسفی کی۔ اس کی فلاسفی پر کتاب کا انگلش ترجمہ 1645ء

میں کیا گیا جبکہ اس کے ہم نام بیٹے نے کتاب کو عربی متن اور لاطینی ترجمے کے ساتھ 1671ء میں شائع کیا۔ ابن طفیل کے ناول کے انگلش ترجمے کے بعد اس کے ڈچ اور جرمن تراجم سترھویں اور اٹھارویں صدی میں شائع ہوئے۔ یورپین مصنف ڈے فو (Defoe) کے ناول (Robinson Crusoe 1719) کا ماخذ بھی ابن طفیل کا ناول تھا۔ اسی زمانے میں پوکاک کے ایک شاگرد سیموئیل کلارک (Samuel Clark 1625-1669) نے ایک کتاب لاطینی میں لکھی یعنی ٹریکٹس ڈی پروسوڈیا عربکا (Tractatus de prosodia arabica 1661) جس میں فلاسفی کے علم کے لئے اور خاص طور پر یورپ کی یونیورسٹیوں میں عربی زبان کے مطالعہ کی اہمیت کو واضح طور پر بیان کیا گیا۔ سترھویں اور اٹھارویں کا دور اس وقت یورپ میں این لائٹ منٹ (Englightenment) کا تھا اس لئے ابن طفیل کے ناول کا دو اور عالموں جارج کیتھ اور جی ایسویل (George Keith, G. Aswell) نے بھی انگلش میں ترجمہ کیا۔

56

فرانس کی یونیورسٹی آف لووین (Louvain) کی بنیاد 1425ء میں رکھی گئی۔ اس یونیورسٹی میں عربی کی تعلیم کا آغاز 1542ء میں ہوا۔ 1893ء میں یہاں انسٹی ٹیوٹ آف فلاسفی کی بنیاد رکھی گئی اور ہسٹری آف عربک فلاسفی کا کورس نصاب میں شامل کیا گیا جو چھ سال بعد یہ کورس ختم کر دیا گیا۔ مگر 1965ء میں یہ دوبارہ شروع ہوا۔ 1962ء میں پروفیسر سائمن وین ریٹ (Simone van Riet) سے کہا گیا کہ وہ ابن سینا کی کتاب النفس، ڈی اینی ما (De Anima) کا لاطینی میں کریٹیکل ایڈیشن تیار کرے۔ 1967ء میں ایک اور کورس شروع کیا گیا جس کا نام ٹیکسٹ آف عربک فلاسفی تھا۔ 1969ء میں پروفیسر ریٹ نے فلاسفروں کے لئے ایلی مینٹری عربک میں کورس کا انتظام کیا اور عربک فلاسفی میں بی اے کی ڈگری دینے کا اہتمام بھی کر دیا گیا۔ اسی سال یونیورسٹی میں ایک خود مختار ادارہ 'سینٹر فار عربک فلاسفی' قائم ہوا۔

اندلس کے فلاسفر

بارھویں صدی میں عیسائی پادریوں اور سکالرز نے یونانی کتابوں کے علاوہ مسلمانوں کی درج ذیل کتب کے مطالعہ سے فلسفہ کا علم حاصل کیا تھا:

☆حنین ابن اسحٰق۔ حنین نے اسلامی دنیا میں اولاً یونانی کتب کے عربی میں تراجم شروع کئے۔ خاص طور پر ارسطو کی ڈے کوئلو (De Caelo) پر اس کی شرح

☆قسطا بن لوقا۔ رسالہ فی الفرق بین الروح والنفس۔ اس کا لاطینی ترجمہ ابن داؤد نے کیا تھا

☆اسحٰق الکندی۔ رسالہ فی العقل، جیرارڈ آف کریمونا نے اس کی تین اور کتابیں کے بھی تراجم کئے

☆ابونصر الفارابی۔ رسالہ فی (معنی) العقل، یہ ترجمہ ابن سینا کی کتابوں کے ساتھ 1508ء میں شائع ہوا تھا۔ کتاب فی احصاء العلوم، کتاب فی مراتب العلوم

☆حکیم ابن سینا۔ کتاب الشفاء

☆حضرت امام الغزالیؒ۔ مقاصد الفلاسفہ

عربی کتابوں کے تراجم میں جن قابل ذکر یورپی سکالرز نے حصہ لیا وہ چار تھے یعنی ہیرمن دی ڈالمے ٹین (Hermann the Dalmatian)۔ ایڈے لارڈ آف باتھ (Adelard of Bath,) ڈے نیل آف مورلی (Daniel of Morley) اور گنڈے سالولیس (Gundisalvus)۔ **(39)**

اندلس میں مشرق کے اسلامی فلاسفروں (جیسے الکندی، الفارابی، ابن سینا) کی کتابوں اور ان کے فلاسفیکل سسٹمز کے بارہ میں اندلس کے علما خوب واقفیت رکھتے تھے۔ لیکن اس بات کے تاریخی شواہد بھی موجود ہیں کہ اندلس میں فلاسفی کی تعلیم پر بعض دفعہ ممانعت بھی لگا دی گئی۔ سکولوں میں فلسفہ کی تعلیم نصاب میں شامل نہ ہوتی تھی۔ ہمارے پاس کوئی اور تاریخی شہادت موجود نہیں جس سے ثابت ہو کہ اندلس میں فلسفہ پر یونانی اور لاطینی میں لکھی جانے والی کتابوں کے تراجم کئے گئے۔ جو عربی کے تراجم مشرق کے اسلامی ممالک میں کئے گئے ان پر نظر ثانی کی بھی کوشش نہ کی گئی بلکہ فلسفہ کی تعلیم کا انحصار سراسر مشرق کے مسلمان فلاسفروں کی کتابوں پر ہی رہا۔ فلسفہ کی کتابوں کا مطالعہ گھروں میں کیا جاتا تھا لیکن قدامت پسند مذہبی علما کی مخالفت کے پیش نظر کھلے عام ان کتابوں پر نقد و نظر یا بحث نہیں کی جاتی تھی۔

اندلس میں کھلے بندوں فلسفہ کی تعلیم و تدریس کرنا مصیبت مول لینے کے مترادف تھا۔ چھوٹے چھوٹے علمی مسائل پر عوام بھڑک اٹھتے اور دنگا فساد پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ بربری قبیلوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں ان لوگوں نے کتب خانوں کو خوب لوٹا تھا۔ ابن باجہ جان بچانے کی خاطر ہمیشہ بادشاہوں کی سرپرستی میں رہتا تھا۔ ابن رشد کے دادا نے ہی اسے قید خانے سے رہائی دلوائی تھی ورنہ شاید وہ راہی ملک عدم ہو جاتا۔ ابن واہب اشبیلی قرطبہ کا فلسفی تھا اس نے جان کے خوف سے اپنے قریبی فلاسفروں کو مجالس میں فلسفیانہ مسائل پر بحث کرنے سے روک دیا تھا اور خود بھی احتراز کرتا تھا۔

اگر کسی شخص کے بارہ میں علما کو معلوم ہو جاتا کہ وہ فلسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا یا ایسا رجحان رکھتا ہے تو اس کو ملحد قرار دے کر اسے زدوکوب کیا جاتا نیز اس کے یہاں

موجود کتابوں کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا اس کی کئی ایک واضح مثالیں ہیں جیسے ابن مسرہ (931ء) جو اندلس کا سب سے پہلا فلاسفر تھا اس کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا اور اس کی کتابوں کی اشاعت اور تقسیم پر پابندی لگادی گئی تھی۔ علما فلسفہ کے سخت خلاف تھے اس لئے ان کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ابن ابی منصور (1002ء) جو اندلس کا طاقتور حاجب اور درپردہ حکمراں تھا اس نے حکم دیا کہ خلیفہ الحکم الثانی کی شاہی لائبریری جس میں چار لاکھ کے قریب نایاب کتابیں تھیں اس میں سے منطق، اسٹرالوجی اور علوم الاوائل کی کتابوں کو تلف کر دیا جائے۔ ابن حزم جو قرطبہ کا جامع کمالات سکالر اور آزاد خیال ادیب و شاعر تھا اس کو نہ صرف شہر بدر کیا گیا بلکہ اس کی کتابوں کو خاکستر کر دیا گیا۔ پھر ایک دور ایسا بھی آیا کہ امام ابوحمید الغزالیؒ اور علامہ ابن رشد کی کتابوں کو قرطبہ کے بازار کے چوک میں آگ کی نذر کیا گیا۔

ایسا لگتا ہے کہ اس گھٹی ہوئی فضاء کے ردعمل کے نتیجہ میں اندلس کے فلاسفر فلسفیانہ علوم کے سخت دفاع کرنے والے بن گئے کیونکہ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ فلسفہ کے

ذریعہ انسان سچ کی تہ تک پہنچ سکتا ہے۔ بعض اندلسی فلاسفروں کے نزدیک فلسفہ کی وہی اہمیت اور حقیقت تھی جو وحی اور الہام کی ہے بلکہ کچھ نے تو اس کو وحی پر فوقیت دی۔ ابن حزم اور ابن طملوس منطق کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ صاعد اندلسی نے طبقات میں تین سکالرز کا ذکر کیا ہے جو پرانے علوم اور فلسفہ میں شغف رکھتے تھے، یعنی ابن النباش البجائی، ابو الفضل ابن حسدائے، احمد ابن حفصون (عرف فلاسفر)۔

ابن رشد کی زندگی بطور فلاسفر جاننے کیلئے اندلس کے فلاسفروں اور فلسفہ کے وہاں رواج پانے کا پس منظر جاننا اہم ہے۔ اس لئے چیدہ چیدہ اندلسی فلاسفروں کے حالات کسی قدر تفصیل سے یہاں دئے جاتے ہیں تا اس غلط فہمی کا ازالہ ہوسکے کہ اندلس فلسفہ کے میدان میں بے آب و گیاہ صحرا کے مانند نہیں تھا۔ ابن رشد اسی اندلسی گلستان کی پیداوار تھے جس کے پھولوں کی معطر جاں خوشبو نے یورپ کو اپنے سحر میں جلد ہی لے لیا۔

(1) **محمد ابن عبد اللہ ابن مسرہ (931ء)** پوری صدی کا عظیم فلاسفر تھا۔ اندلس سے اس نے مشرق کے اسلامی ممالک کا سفر کیا جہاں وہ معتزلہ خیالات اور تصوف سے بہت متاثر ہوا، خاص طور پر اس نظریہ سے کہ قرآن تخلیق شدہ ہے اور عقیدہ قضاء و قدر۔ جب وہ اندلس واپس آیا تو اس نے ان غیر قدامت پسند نظریات کا پرچار شروع کیا مگر وہ علما اندلس کی نظروں میں کھٹکنے لگا۔ ابھی وہ تیس سال کا نہ ہوا تھا کہ علما نے اسے ملحد قرار دے دیا چنانچہ وہ قرطبہ سے فرار ہو کر شہر کے نزدیک پہاڑوں میں روپوش ہو کر زاہدانہ زندگی گزارنے لگا۔ اس کے مریدوں کا ایک ٹولہ اس کے گرد جمع ہو گیا جو اس کی طرح زاہد و عابد تارک الدنیا بن گئے۔ اس نے وحدت الوجود (یعنی کائنات اور خدا ایک ہیں) کے نظریہ کو اندلس میں فروغ دیا جس سے اسلامی نظریہ تصوف کی بنیاد اندلس میں رکھی گئی۔ اس نے دو کتابیں تصنیف کیں جنہیں اس کی زندگی میں ضبط کر لیا گیا اور اس کی رحلت کے بعد کچھ عرصہ وہ زیر زمین ہی رہیں۔ حج کے بہانے وہ عرب گیا مگر عبد الرحمٰن الثالث کے دور خلافت میں واپس آ گیا۔ اس کی وفات پر لوگوں نے اس کو ولی اللہ مان لیا۔

(2) گیارہویں صدی میں اندلس کے سیاسی حالات اندلس بہت خلفشار تھے مگر اس کے باوجود کئی ایک نامور علما نے نام پیدا کیا۔ **سعید ابن فتوح** (وفات 1029ء) سارا گوسا کا باشندہ تھا جو حمار کے نام سے بھی معروف تھا۔ اس نے خلیفہ عبد الرحمٰن سوم اور خلیفہ الحکم الثانی کے دور حکومت میں کئی ایک فلسفیانہ کتابیں تصنیف کیں۔ ایک کا نام شجرات الحکمۃ (The Tree of Knowledge) تھا جو کہ فن فلسفہ کے تعارف پر ہے۔ حاجب ابن ابی عامر نے اس کو زندان میں ڈال دیا، رہائی پر وہ سسلی کے ملک میں آباد ہو گیا۔ مؤرخ مقری نے اپنی کتاب نفح الطیب میں اس کا ذکر کیا ہے۔

(3) ابن حزم (1064ء) عروس البلاد قرطبہ میں پیدا ہوئے جہاں اس کے والد وزیر مملکت کے عہدہ پر فائز تھے۔ خلیفہ عبد الرحمٰن خامس نے ابن حزم کو 1024ء میں اپنا وزیر مقرر کیا لیکن چند ماہ بعد خلیفہ کے قتل ہونے پر ابن حزم نے سیاست سے کنارہ کشی کر کے تالیف و ترجمہ کا کام شروع کر دیا۔ اس کی تصانیف کی تعداد چار صد کے قریب ہے۔ جیسے طوق الحمامہ (فلسفہ محبت پر)، جوامع السیاسہ، کتاب الاحکام فی اصول الاحکام۔ الناسخ والمنسوخ، تواریخ الخلفاء۔ اس نے منطق کے موضوع پر ایک کتاب قلم بند کی جس کا نام **التقریب لحد المنطق والمدخل الیہ** تھا۔ یہ کتاب ارسطو کی منطق پر آٹھ کتابوں کے مجموعہ آرگنان (Organon) کا لب لباب تھی اس کتاب میں اس نے فقہ اور لسانیات کی مثالیں وضاحت کے طور پر پیش کی ہیں۔ اس نے اپنے ہم عصروں میں فلسفہ اور منطق کی صحیح اہمیت کو نہ جاننے پر آٹھ آٹھ آنسو رلائے ہیں۔

اس کے نقطہ نظر کے مطابق مذہب اور فلسفہ میں کوئی تنازعہ و تضاد نہیں ہے۔ اس کے نزدیک کسی کی رائے کو غلط یا صحیح ثابت کرنے کا سب سے اچھا طریقہ منطق ہے بلکہ وہ اپنے قاری کو منطق کی تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے تا وہ سچائی پر پڑے دبیز پردوں کو ہٹا کر اصلی حقیقت کو جان سکے۔ جب اس نے مراتب العلوم تصنیف کی تو اس میں بھی انہی خیالات کا اعادہ کیا۔ وہ کہتا ہے کہ جو لوگ علم کی اہمیت و افادیت کو جانتے ان کو دوسروں پر منطق کی اہمیت واضح کرنی چاہئے۔ وہ پورے زور سے ان بودے

الزامات کا انکار کرتا ہے کہ پرانے علوم کی کتابوں کے مطالعہ سے انسان ملحد و بے دین ہو جاتا ہے۔

اس کے نزدیک اسلام تمام دوسرے مذاہب سے اعلیٰ وارفع دین ہے۔ اس کا دماغ حد درجہ منطقی تھا۔ اس کی کتابوں اور زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کا نہایت جلیل القدر مصنف، عالم بلکہ فی الواقعہ سلطان القلم تھا۔ اس کی زندگی پر سپینش میں قابل ذکر کتاب کا نام ہے، اے بن حیزم ڈی کارڈووا۔ (Abenhazam de Cordova by Asin Palacios)۔ اس نے اپنی مشہور زمانہ کتاب 'الفصل فی الملل والنحل' میں خدا اور اس کی صفات پر فلسفہ اور مذہب کے نظریات کا موازنہ پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں اس نے تقابلی مطالعہ ادیان بھی پیش کیا جس کی بناء پر یہ کتاب اس موضوع پر دنیا کی پہلی کتاب شمار کی جاتی ہے۔ بقول سر ٹامس آرنلڈ ابن حزم پہلا یورپی سکالر تھا جس نے نئے اور پرانے عہد نامے کا تنقیدی مطالعہ کیا (first systematic higher critical study of Old and New Testament)۔ ' کتاب الاخلاق' میں اس نے نیک زندگی گزارنے کے طریقے بیان کئے ہیں۔ مابعد الطبیعات پر زکریا الرازی کی کتاب کو اس نے ہدف تنقید بنایا اور کہا کہ مشرق کے اس فلاسفر پر زرتشتی مذہب کے

58

نظریات کا بہت اثر تھا۔ وہ عصمت انبیاء کا قائل تھا۔ وہ نبوت کے معاملے میں مرد و زن کی تفریق کا قائل نہ تھا اور کہتا تھا کہ عورتیں بھی مقام نبوت پر فائز ہو سکتی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا انکشاف یہ تھا کہ فلسفہ مذہب کی قیادت میں چلے تو حقیقت کو پا لیتا ہے ورنہ ناکام ہو جاتا ہے۔ اس نے دہریہ، فلاسفہ اور معتزلہ پر کڑی تنقید کی۔ خود ظاہری عقائد کا پیرو کار تھا یعنی آیات کے ظاہری الفاظ و معنی میں کسی تاویل کو گوارا نہیں کرتا تھا۔

(4) ابن فتوح کا ہم عصر عبدالرحمٰن ابن اسماعیل ابن زید کا لقب اقلیدس تھا وہ اوائل عمر میں ہی ہجرت کر کے مشرق کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اس کی وفات ہوئی۔ وہ ایک ممتاز ریاضی داں تھا جس کو منطق پر بھی عبور حاصل تھا۔ صاعد بن احمد اندلسی (1070ء) نے اپنی کتاب طبقات الامم میں اس کا ذکر کیا ہے۔

(5) ابن الکتانی نے فلسفہ پر کئی رسالے تصنیف کئے جن میں سے ایک کا نام کتاب التحقیق فی نقد کتاب العلم الھی لے محمد زکریا الطبیب ہے۔ اس کے شاگرد رشید کا نام ابن حزم ہے جس کے مطابق الکتانی کی کتابیں اعلیٰ درجہ کی اور نہایت مفید تھیں۔

(6) ابن حزم کا ہم عصر ابن جبرائیل (1070ء) تھا جو ملاگا کی بندرگاہ والے شہر کا مکین تھا۔ اس نے اپنی شاہکار تصنیف 'ینبوع الحیات' میں نیو پلاٹونک فلاسفی (neo-platonic) کا پرچار کیا۔ اس کی کتاب کا ترجمہ لاطینی میں سپین کے مشہور عالم اور مترجم گندے سالوی (Gundisalvi) نے 1150ء میں کیا۔ وہ کہتا ہے کہ انسان اور فرشتے مادہ اور ہیت سے بنے ہیں۔ ابن حزم کی طرح وہ بھی اس نظریے کا اعادہ کرتا ہے کہ فلاسفی کے مطالعہ سے سچ کی حقیقت کو جانا جا سکتا ہے مگر یہ کام صرف فلاسفر ہی کر سکتا ہے جاہل عوام الناس یہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ایسے علم سے ناآشنا ہیں۔ فلاسفر کے علم، مذہبی عالم کے علم اور عام آدمی کے علم میں فرق کے نظام کو ابن باجہ، ابن طفیل، ابن رشد اور ابن میمون نے بڑی صراحت سے بیان کیا ہے۔

(7) بارہویں صدی میں فلسفہ کے علم کو اندلس میں چار چاند لگے۔ ابو بکر محمد بن یحییٰ ابن باجہ (1138ء) طب، منطق اور فلاسفی میں مشاق تھا۔ اس نے مذہب اور فلسفہ میں فرق کو واضح طور پر بیان کیا۔ ابن طفیل کے مطابق ابن باجہ کی نظر عمیق اور اس کے خیالات بہت گہرے تھے۔ اس نے الفارابی، ابن سینا اور الغزالیٰ سے زیادہ فوقیت حاصل کی۔ اس بات سے ابن خلدون بھی اتفاق کرتا ہے اور اسے اسلام کے ممتاز فلاسفروں میں سے ایک شمار کرتا ہے۔

ابن باجہ کی پیدائش سارا گوسا میں ہوئی۔ انتظامی امور میں وہ اس قدر صائب الرائے تھا کہ سرقسطہ کے گورنر نے اسے اپنا وزیر بنا لیا تھا۔ مگر جب آراگان کے الفانسو اول نے شہر پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تو اس نے ذلت کی زندگی گزارنے پر جلاوطن ہونے میں مصلحت جانی۔ پہلے وہ ویلنسیا گیا، پھر اشبیلیہ، وہاں سے غرناطہ اور بلاد خرفیض (مراکش) میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آزاد خیالی کی وجہ سے علماء اسے کافر کہتے تھے۔ اس شہر میں اس کے دشمنوں نے اس کو زہر پلا دیا جس کی وجہ شاید اس کے غیر مذہبی نظریات تھے۔ اس نے بہت سارے علوم میں تربیت پائی تھی اس لئے اس نے مختلف مضامین پر قلم اٹھایا جیسے میڈیسن، میوزک، ریاضی، اسٹرانومی اور فلاسفی۔ اس نے نظمیں بھی کہیں جن کو موشا کہتے تھے۔ تاہم اس کی لازوال شہرت کا سبب فلسفہ ہے اس کے شاگردوں میں سے ابن طفیل، ابن رشد اور ابن میمون نے جہانگیر شہرت حاصل کی۔ اس نے منطق، مابعد الطبیعات پر 22 کتابیں لکھیں، ان کتب میں سے معدودے چند دستیاب ہیں: شرح کتاب السماع الطبیعی۔ کتاب اتصال العقل بالانسان۔ کتاب النفس۔ مجموعہ فی الفلسفۃ والطب والطبیعیات۔ فصول فی السیاسۃ المدینۃ۔ ارسطو کی چار کتابوں کی شرحیں لکھیں۔ الفارابی کی منطق کی کتابوں کی تعالیق لکھیں۔

علم سیاست پر اس کی ذی اثر کتاب کا نام تدبیر التوحد ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یونانی اور مسلمان فلاسفروں جیسے افلاطون۔ ارسطو۔ جالینوس۔

الفارابی۔ ابن سینا اور الفارابی کے نظام فلسفہ سے واقفیت رکھتا تھا۔ وہ اس کتاب میں ان فلاسفروں کے نظریات کا بار بار حوالے دیتا ہے۔ کتاب سے اس کے اپنے نظام فلسفہ کی جھلک بھی نظر آتی ہے جس کے مطابق خلوت گزیں انسان خوشی اور کمال کی انتہا تک پہنچ سکتا ہے اگر اس کی زندگی فطرت سے مطابقت رکھتی ہو۔ گوشہ نشیں کو یہ اوج کمال دولت، اثر رسوخ، عزت اور نیکیوں سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ جب انسان دنیا کو ترک کر کے زہدانہ زندگی اختیار کرتا ہے۔ الفارابی کہتا ہے کہ یہ اوج کمال سوشل گروپ میں رہنے (یعنی مدینہ فاضلہ) سے حاصل ہوتا ہے جبکہ ابن باجہ کے نزدیک اس کے حصول کا ذریعہ تدبیر الانسان المتوحد ہے تا وہ سب سے افضل وجود بن جائے۔

کتاب کے شروع میں وہ لفظ تدبیر کے معنی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کے ایک معنی کسی خاص مقصد کی خاطر مختلف اشیاء کو ترتیب دینا ہے ، اسی لئے خدا کو کائنات کا مدبر (حکمراں) کہا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمام اشیاء یا تو مادی ہیں یا غیر مادی۔ مادی اشیاء کی لمبائی، چوڑائی، اور گہرائی ہوتی ہے جبکہ غیر مادی اشیاء میں ایسے اوصاف ہوتے ہیں جیسے شرافت، علم، نیز وہ تمام تصورات (concept) جو عقل سے بیان کئے جاسکتے ہیں۔ پھر روحانی اجسام کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مادہ صورت کے بغیر نہیں رہ سکتا جبکہ صورت کا مادہ کے بغیر وجود ہو سکتا ہے۔ صورت کی بھی کئی صورتیں ہیں جیسے مادی صورت، آفاقی صورت، روحانی صورت، اور آخر پر عقلی صورت (صورۃ عقلیہ) جو سب

59

سے افضل ہے۔ انسان میں سب سے اچھی صفت (قوۃ النفس) عقل کی ہے جس کے ذریعہ انسان علم اور حقیقی خوشی حاصل کرتا ہے۔ جب عقل انسانی کا عقل فعال کے ساتھ اتصال ہوتا ہے اور عقل فعال کا عقل الکلی (یعنی خدا) کے ساتھ، تب صحیح خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس علم اور خدا کے ساتھ شناخت کے بغیر خوشی ممکن نہیں، اور گوشہ نشیں اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے۔ (شریعت میں عقل فعال سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں، مصنف)

ابن باجہ کہتا تھا کہ بعد از مرگ وہی ارواح باقی رہیں گی جنہوں نے یہاں عقل و الہام ہر دو سے توانائی حاصل کی ہوگی، باقی فنا ہو جائیں گی۔ حصول مسرت کا واحد راستہ یہ ہے کہ انسان علما و حکماء سے تعلق رکھے، محبت کو اوڑھنا بچھونا بنالے، اور وصال خدا کو جو کمال حیات ہے مقصود حیات بنالے۔

(8) گوشہ نشیں انسان کے تصور کو ابو بکر ابن طفیل (1110-1185ء) نے اپنی زبردست ناول 'حی ابن یقظان' میں باکمال طریق سے بیان کیا۔ اس کی پیدائش گاڈکس (Gaudix) میں ہوئی۔ کچھ عرصہ کے لئے وہ غرناطہ میں طبیب رہا۔ اس کو اسٹرانومی، ریاضی، شاعری اور فلسفہ پر مکمل عبور حاصل تھا۔ کیا اس نے ابن باجہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا؟ اس بارہ میں مصدقہ اطلاع کوئی نہیں۔ خوش قسمتی سے اندلس میں اس وقت حکمران وقت فلسفہ کی تعلیم و تبلیغ کو اچھا مانتے تھے۔ وہ الموحد حکمراں ابو یعقوب یوسف (1163-1184ء) کا رائیل فزیشن اور وزیر رہا۔ سلطان نے ابن طفیل کو اجازت دی کہ وہ اپنے اردگرد روشن خیال فلسفیوں کا گروہ پیدا کر لے، چنانچہ اس دور کے عظیم سکالر بشمول ابن رشد کے اس کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ اس نے ہی ابن رشد کو ارسطو کی کتابوں کی شرحیں لکھنے پر معمور کیا تھا۔

اس کے قلم سے تین اور کتابیں منصۂ شہود پر آئیں، اسرار الحکمۃ الاشراقیہ (حی بن یقظان)، رسالہ فی النفس، کتاب فی البقع المسکونہ و غیر المسکونہ۔ اس نے متعدد نظمیں رقم کیں۔ اس کی شہرت کا مدار اس کے ناول حی ابن یقظان پر ہے جو کلاسک لٹریچر میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس ناول میں وہ بڑی چابکدستی سے انسان کے ارتقاء کے مراحل بیان کرتا ہے پیدائش سے بچپن تک، پھر جوانی، اور اس کے بعد بڑھاپا۔ اس کی زبان بہت سہل اور سٹائل بھی نہایت عمدہ ہے۔ شاید اسی وجہ سے یہ کتاب اندلس کی عوامی کتابوں میں شمار ہونے لگی۔ تیرھویں صدی میں روشن خیال مصری طبیب ابن النفیس (1288ء) نے اس کتاب کے موضوع کو مدنظر رکھ کے رسالہ الکاملیہ فی سیرۃ النبویہ لکھی۔ دونوں کتابوں میں بہت ساری باتیں مشابہت رکھتی ہیں۔ ابن طفیل کی کتاب کو بنیاد بنا کر یورپ کے مصنف ڈے نیل ڈے فو (1660-1731ء Daniel Defoe) نے کتاب رابن سن کروسو (Robinson Crusoe) زیب قرطاس کی۔

ابن طفیل کا فلسفے کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کی سب سے بڑی لذت مشاہدہ ذات ہے جو عبادت سے حاصل ہوتی ہے۔ انسانی عقل دراصل عقل کل کا ایک جلوہ ہے جو وہاں سے ٹوٹ کر انسانی بدن میں آگرا، فنا کے بعد پھر اپنے مرکز کی طرف لوٹ جائیگا۔ الفارابی کا یہ خیال کہ نبوت کسبی ہے غلط ہے۔ تنہا عقل اور کشف حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے، انہیں ایک دوسرے کا معاون ہونا چاہئے۔ یہ درست ہے کہ بعض حقائق تک رسائی صرف کشف سے ہو سکتی ہے لیکن کشف زندگی کے تمام اسرار بے حجاب نہیں کرتا، اسے قدم قدم پر عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز دوسروں کے لئے ہے، درخت اپنا پھل خود نہیں کھاتے، دریا اپنا پانی خود نہیں پیتے۔ پس وہی زندگی نظام کائنات کے مطابق ہو سکتی جو دوسروں کے لئے ہو۔ (40)

ابن رشد (1198ء)

(9) ابن رشد کی فلسفیانہ کتابوں نے یورپ کے علمی حلقوں اور دانشوروں پر تیرھویں سے سولہویں صدی تک گہرا اثر چھوڑا۔ انہوں نے فلسفہ اور میڈیسن میں نہا

بہت اعلیٰ پایہ کی کتابیں تصنیف کیں۔ یورپ میں ان کی شہرت کو ارسطو کی کتابوں کی فقید المثال شرحیں (کتاب النفس، کتاب العقل، کتاب الحیوان، کتاب الاخلاق) لکھنے کی وجہ سے چار چاند لگے۔ ارسطو کو معلم اول، الفارابی کو معلم الثانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جبکہ آپ کو شارح ارسطو (The Commentator) کے نام سے یاد کیا جاتا رہا۔ دانتے (Dante) نے آپ کو "Averrois che'l gran comentofeo" کے لقب سے نوازا تھا۔

شرح لکھنا (کسی تحریر کو اپنے الفاظ میں بیان کرنا) کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہوتا۔ جارج سارٹن نے کہا ہے کہ شرح لکھنا عہد وسطیٰ میں دراصل کسی موضوع پر اپنے خیالات کی اشاعت کرنا ہوتا تھا۔ مثلاً ارسطو کی کسی کتاب پر شرح لکھنے کا مطلب اس کی تحریروں کو بطور فریم ورک اور گائیڈ بنا کر فلاسفک یا سائنسی انسائیکلوپیڈیا کمپوز کرنا ہوتا تھا۔ ارسطو کی کتابوں کے ناموں کے مطابق دنیا علوم کی تقسیم کرتی چلی آرہی ہے اس لئے ابن رشد نے بھی شرحیں لکھتے ہوئے اس کی کتابوں کی نام تبدیل نہ کیے۔

ابن رشد نے فلسفہ پر 38 مایہ ناز کتابیں (جواہر الکون، المسائل المطقیہ، مبادی الفلسفہ، مقالہ فی الزمان، مقالہ فی علم النفس، کتاب فی اتصال العقل) قلم بند کیں۔ آپ ارسطو کو غیر معمولی قابلیت کا انسان تسلیم کرتے تھے جس نے صداقت اور حقیقت کو پالیا تھا۔ اسلامی دنیا میں اس وقت ارسطو کو کوئی خاص وقعت نہیں دی جاتی تھی مگر ابن رشد

نے ارسطو ازم کو اس تاریک دور میں زندگی بخشی۔ اندلس میں اس وقت کھلے عام فلسفہ کے موضوعات پر بحث نہیں کی جاتی تھی مگر ابن رشد کی خوش قسمتی کہ اس وقت الموحد حکمرانوں کا دور حکومت تھا۔ نیز ابن رشد اتنی مہارت حاصل کر چکے تھے کہ وہ فلسفہ کے رموز و اسرار سے بخوبی واقف تھے۔

ابن رشد کے فلسفے کا ماحصل یہ ہے: کائنات محض عدم سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس دخان (مادہ) سے نمودار ہوئی جو قبل از آفرینش فضا میں موجود تھا (قرآن حکیم 41:10)۔ مادہ قدیم ہے اور اس کی بدلتی ہوئی صورتیں حادث ہیں۔ انسانی افعال ارادہ سے تخلیق ہوتے، ارادہ ماحول کی تخلیق ہے۔ پس انسان مجبور محض ہے اور کائنات میں سب کچھ مشیت خداندی سے ہو رہا ہے۔ افلاک ازلی ہیں، حرکت افلاک کا خالق خدا ہے۔ ارواح فانی ہیں۔ اسلام کی وہی تعبیر و تشریح ٹھیک ہے جو ارسطو کے فلسفہ سے مطابقت رکھتی ہے۔ کشف و وجدان محض خیالی چیزیں ہیں، اصل حقیقت فکر ہے جس سے حقائق کا ادراک ہوتا ہے۔ انتہائی سعادت عقل کل سے اتصال ہے۔ اجرام فلکی (ستارے) مادی نہیں بلکہ نفوس و ارواح ہیں۔

روح کیا ہے؟ ان کا پختہ یقین تھا کہ روح کا تعلق جسم اسی طرح ہے جس طرح صورت کا مادہ سے ہے۔ ابن سینا کا نظریہ تھا کہ دنیا میں متعدد لافانی روحیں ہیں ابن رشد اس سے متفق نہ تھے۔ آپ کے نزدیک روح سے ہی جسم مکمل ہوتا ہے، انسانی روح کوئی الگ چیز نہیں، بلکہ جسم کا ضمیمہ ہے۔

ابن رشد کے نزدیک کائنات ابد سے حرکت میں ہے اور اس کا ایک دوامی محرک ہے جس کا نام خدا ہے۔ ماسوا ذہن کے اندر مادہ (matter) اور صورت (form الگ الگ نہیں ہوسکتے۔ مادہ ہمیشہ حرکت میں رہتا ہے جبکہ عقل غیر محرک ہے۔ روح تمام انسانوں میں ایک جیسی پائی جاتی ہے، لیکن یہ جسموں میں الگ الگ بستی ہے۔ روح اور جسم کا وہی رشتہ ہے جو مادہ اور صورت (matter & form) کا ہے۔ ان جیسے مسائل میں انہوں نے ارسطو کی تقلید کی۔

فلسفہ کا دفاع ابن رشد سے قبل مشرق میں الکندی، الفارابی، ابن سینا اور مغرب میں ابن حزم، ابن باجہ، ابن طفیل کر چکے تھے مگر اس قدر یقین اور اتنی وضاحت سے نہیں۔ ابن رشد کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے فلسفہ کا دفاع یقین کامل اور وضاحت سے کیا۔ ان کے نزدیک فلاسفی دین کی دوست اور رضاعی بہن ہے (Philosophy is the friend and milk-sister of religion.) فلسفہ اور شریعت میں کوئی تضاد نہیں اور نہ ہی یہ ایک دوسرے کو رد کرتے ہیں۔ جس طرح شریعت کے ذریعہ حقیقت صداقت کو پانا ممکن ہے اسی طرح فلسفہ سے بھی حقیقت کی تہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔

ایسے خیالات کا اظہار انہوں نے فصل المقال و تحافۃ التحافۃ اور دوسری کتابوں میں کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ: "فلسفہ محض غور و فکر اور اشیاء کے مطالعہ کا نام ہے۔ مذہب اسلام چونکہ سچا ہے اس لئے یہ ہمیں ایسے علم (فلسفہ) کے حاصل کرنے کے بارہ میں ترغیب دیتا ہے (لعلکم تتفکرون) جو صداقت و حقیقت کی طرف رہ نمائی کرتا ہے۔ ہمارے پاک صحیفہ (قرآن) نے جو ہمیں سکھلایا اس میں کوئی تضاد نہیں ہوسکتا کیونکہ سچائی سچائی کے خلاف نہیں ہوسکتی بلکہ اس سے مطابقت رکھتی اور اس پر گواہ بنتی ہے۔ اگر قرآن کے آیات کے معانی میں اور برہانی نتائج میں تضاد ہو تو ان کی تشریح تمثیلاً کرنی چاہئے۔"

Truth does not oppose truth but accords with it and bears witness to it.If there is conflict in the meaning of the scripture with demonstrative conclusions, it must be interpreted allegorically.

'فصل المقال' کا آغاز اس دعویٰ سے شروع ہوتا ہے کہ شریعت کے جاننے کیلئے فلسفہ کی تعلیم ضروری ہے اور فلسفہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو شریعت کے قوانین سے

تناقض و تضاد رکھتی ہو۔ شریعت کا مطالعہ تمام لوگوں کیلئے ممکن ہے اور اس کا بڑا مقصد نیک اعمال بجالانا ہے، جبکہ فلسفہ صرف چند لوگوں کیلئے ہے جو دلائل دے اور سمجھ سکتے ہوں۔ عوام الناس جن کی اکثریت سادہ لوح ہوتی ان کیلئے مذہبی عقائد پر صرف ایمان لانا ہی واجب ہے۔ دنیا میں تین قسم کے انسان پائے جاتے جو تین قسم کے دلائل سے قائل ہوتے ہیں (1)۔ مٹھی بھر لوگ (**البرھانیون**) جو برہانی دلائل (demonstrative) سمجھ سکتے ہیں، ان میں علماء و فلاسفہ شامل ہیں جو کہ سوسائٹی کے طبقہ اشرافیہ (elite class) ہیں۔ استدلال برہانی سے یقینی نتائج پر پہنچا جا سکتا ہے۔ (2)۔ جمہور کی قلیل تعداد (**الجدلیون**) جو صرف جدلی دلائل (dialectical) سمجھ سکتی ہے۔ اس میں علم کلام کے ماہر (**متکلمون**)، علمائے سوء اور اہل مناظرہ شامل ہیں۔ استدلال جدلیاتی سے ہم حسن نیت سے ایسے نتائج پر پہنچتے جو یقینی نہیں ہوتے۔ (3)۔ عوام الناس (الجمہور) جو انبیاء، اہل سیاست اور دینی علما کے خطابی دلائل (rhetoric) ہی سمجھ سکتے ہیں۔ استدلال خطیبانہ سے ہم ایسے نتائج پر پہنچتے جو حقیقت کے قریب ہوتے۔

ابن رشد کہتے تھے کہ جن لوگوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے صرف وہی فلسفہ کا مطالعہ کریں کیونکہ ایسے ہی لوگ فلسفیانہ نظریات کو سمجھ سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنی فلسفیانہ آراء جمہور، ماہرین علم کلام اور علمائے دین کو نہیں بتانی چاہئے۔ جو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ فلسفہ کا مطالعہ اور اس کا استعمال بدعت ہے کیونکہ اوائل اسلام میں اس کا رواج

نہ تھا تو میں کہتا ہوں پھر ان کو فقہ میں قیاس (logical deduction) کے استعمال کو بھی بدعت قرار دینا چاہئے۔

ابن رشد کے نزدیک شریعت اور فلسفہ ایک ہی درجہ کے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ شریعت کی طرح فلسفہ بھی اس طبعی دنیا اور مابعد الطبیعاتی دنیا کی حقیقت کو جاننے کا مصدقہ طریقہ ہے۔ ایسے نظریات کی بناء پر ابن رشد جمہور کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے حتّٰی کہ تیرھویں صدی میں یورپ میں اہل نصاریٰ بھی ان کے گہرے نظریات کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔ اہل نصاریٰ کے نزدیک رشدی تحریک (Averroism) کا نصب العین یہ ثابت کرنا تھا کہ فلسفہ تو سچا ہے اور مذہب جھوٹا ہے۔ اس کے باوجود ابن رشد نے یورپ میں ارسطو کی کتابوں کی تفاسیر کے ذریعہ کرسچین سکالس ٹے سزم (scholasticism) کے فروغ میں میں زبردست کردار ادا کیا۔ اگر چہ عالم اسلام میں ان کے پیروکار معدودے چند تھے مگر یورپ میں بڑے بڑے جید سکالرز (galaxy of scholars) ان کے معتقد، مقلد، اور ناقد تھے۔ چنانچہ ان کی تلاخیص اور شرحوں کے عبرانی اور لاطینی میں تراجم بڑے بڑے سکالرز نے کئے جیسے موسز ابن طبون (Moses ben Tibbon 1283)، مائیکل اسکاٹ (Michael Scott 1232)، ہیرمن دی جرمن (Herman the German) لیوی بن جرسان (Levi Ben Gerson 1344) اور دیگر۔ ابن رشد کی وفات کے صرف 19 سال بعد مائیکل سکاٹ نے 1217ء ٹولیڈو میں سب سے پہلے ان کی شرحوں کے تراجم لاطینی میں کئے تھے۔ موسیٰ ابن میمون نے اپنی شاہکار کتاب دلالۃ الحیرین میں ان کی کتابوں سے خوشہ چینی کی۔ راجر بیکن اور ٹامس ایکوئے ناس ان کے فلسفے سے بہت متاثر تھے مثلاً ایکوئے ناس نے اپنی کتاب کوئس چنز (Questions) میں خدا کے علم کی نوعیت پر ابن رشد کے نظریات کے حوالے بار بار دئے۔ فرانسسکن (Franciscan) فرقہ کے لوگ ان کے فلسفے کا ببانگ دہل پرچار کیا کرتے تھے۔ رشدی تحریک یورپ میں سولہویں صدی تک پہنچتی رہی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بعض مغربی سکالرز نے آپ کے نظریات میں سے اسلامی عنصر کو نکال کر پیش کیا۔

(10) ابن طملوس (1225ء) ابن حزم کے ڈیڑھ سو سال بعد اندلس میں ہو گزرا۔ وہ اپنے ہم عصروں کی علمی قابلیت پر آنسو رلاتا ہے کہ ان کو منطق کی اہمیت کا کوئی اندازہ ہی نہیں ہے۔ اس کی پیدائش ویلنسیا (Valencia) میں ہوئی، بچپن میں ہی اس نے روائتی مضامین کی تعلیم حاصل کی۔ عنفوان شباب میں وہ قرطبہ منتقل ہو گیا اور شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ابن رشد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ اس نے اپنی تصنیف منیف **کتاب المدخل لصنعۃ المنطق** (Art of Logic) میں اندلس میں منطق کے مضمون کی تعلیم کی صورت حال بیان کی اور اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کس طرح اس نے منطق کی تعلیم کسی استاد کے بغیر حاصل کی کیونکہ اس کے ہم عصر دانشوروں کا طبقہ منطق کی تحصیل علم سے تغافل شعار بلکہ اس کے خلاف بلکہ متعصبانہ رائے رکھتے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ علم عروض، علم انشا، فن تقریر، علم لغت، گرائمر، فزکس، جیومیٹری، ریاضی، اسٹرانومی اور میوزک کے علوم کی تحصیل پر یہاں بہت زور دیا جاتا ہے۔ ان علوم پر قدماء بہت لکھ چکے ہیں اس لئے مزید لکھنا دہرانے کے مترادف ہوگا۔

البتہ دو مضامین ایسے ضروری ہیں جن پر لکھنا مناسب ہوگا یعنی منطق اور مابعد الطبیعات۔ بیتا فزکس کا جو تعلق مذہب سے ہے اس بناء پر اس پر قدرے لکھا گیا مگر منطق کے ساتھ بہت غفلت برتی گئی۔ ابن طملوس کہتا ہے کہ اس غفلت کی وجہ یہ تھی کہ لوگ اس کو بے سود گردانتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں ان پر الحاد کا الزام نہ لگا دیا جائے۔

وہ ان علما پر تعجب کا اظہار کرتا ہے جو حقائق کو زبانی یاد کر لیتے ہیں خاص طور پر مالکی مسلک کے پیروکار۔ اس صورت حال کے پیش نظر اس نے منطق کا مطالعہ ضروری جانا اگر چہ اس کو ماسوا امام غزالیؒ کی کتابوں کے اس موضوع پر کوئی کتاب میسر نہ ہوئی۔ امام الغزالیؒ کی کتابوں کو اس نے پورے ذوق و شوق سے پڑھا، علاوہ ازیں الفارابی کی کتابیں بھی

بہت سود مند ثابت ہوئیں۔ منطق کے علاوہ اس کے تجربے کا نچوڑ یہ ہے کہ فلسفہ انسانی عقیدہ کیلئے سود مند ہے، یہ وحی والہام سے متصادم نہیں ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ابن طملوس نے اپنے قریبی ہم عصر ابن رشد کی فلاسفی اور منطق پر کتابوں کا بلکل ذکر نہ کیا اور نہ ہی دیگر اندلسی فلاسفروں کی کتابوں کا۔ ممکن ہے کہ اس کی زندگی میں ابن رشد کی کتابیں بازار میں دستیاب نہ ہوں؟ یا ممکن ہے کہ اس نے اپنے استاد کا ذکر جان بوجھ کر نہ کیا تا اندلس میں منطق کے علم کو احیاء ثانی دینے کا تمام کریڈٹ اس کو مل جائے۔ الموٗحد حکمران ابو یوسف کے دور میں ابن رشد کو شہر بدر کیا گیا اور اس کی کتابیں ضبط کی گئیں، ممکن ہے کہ ابن طملوس کی زندگی میں یہ منفی رجحان ابھی تک برقرار ہو کہ ابن رشد زیر عتاب ہے اس لئے اس نے اجتناب مناسب جانا۔ بد سے بدنام برا۔ ابن رشد سے فلسفہ کا پرچار کرنے پر جو سلوک کیا گیا اس سے اندلس میں فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے میں مضمر خطرات واندیشوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

رشدی تحریک

بارہویں صدی کے آخر میں یورپ میں فلسفہ کی ایک تحریک کا آغاز ہوا جس کا نام رشدی تحریک (Averroism) تھا۔ اس کی بنیاد ابن رشد کے تشریح کردہ ارسطو کے مزعومہ نظریات پر تھی، اس کا واحد مقصد یہ تھا: the study of Aristotle in a faithful, authentic manner اس میں دو بڑے فلاسفروں نے حصہ لیا یعنی سیگر

آف برابانٹ (Siger of Brabant) اور تامس ایکوئے ناس (Thomas Acquinas)۔ سیگر فرانسسکن فرقہ کا پیروکار، لبرل گروپ کا لیڈر اور ابن رشد کا زبردست حامی تھا۔ ڈومینیکن فرقہ کا پیروکار، کنزرویٹو گروپ کا لیڈر تامس تھا جو ابن رشد کا شدید مخالف تھا۔ اس تحریک کے عقائد یا نظریات درج ذیل تھے جو ابن رشد کی ارسطو کی کتابوں کی شرحوں سے سکالرز نے اخذ کئے تھے۔ ابن رشد نے واقعی کیا کہا اور لوگوں نے اس کا کیا مطلب لیا اس میں بعد المشرقین ہے۔ سر تامس آرنلڈ اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہتے ہیں: In default of accurate study of what Averroes actually wrote and taught it was inevitable that the Church should condemn ... ibn Rushd (41)

لوگوں نے بہت سارے مفروضے خود اپنی طرف سے گھڑلئے اور ان کو ابن رشد کی طرف منسوب کر دیا: یہ دنیا لا ابدی ہے۔ روح کی دو قسمیں ہیں، ایک انفرادی دوسری خدائی۔ انفرادی روح لا ابدی نہیں ہے۔ تمام بنی نوع انسان میں ایک ہی لا ابدی عقل اور روح شریک کار ہے، اس کا نام (monopsychism) ہے۔ مردوں کا جسمانی رنگ میں دوبارہ زندہ ہونا (معاد) ممکن نہیں۔

مذکورہ بالا مفروضات سے مشابہ 19 مفروضات کو کیتھولک چرچ نے یونیورسٹی آف پیرس میں پوپ کی اجازت سے پہلی بار 1270ء اور دوسری بار 1277ء میں مزید 219 مفروضات کو لائق تعزیر قرار دے کر ان کی تشہیر اور تبلیغ پر مذہبی پابندی لگا دی۔ یہ ایک قسم کا پاپائے روم کی مذہبی عدالت کا فرمان تھا (Papal Inquisition)۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ایک سو سال بعد اسی یونیورسٹی آف پیرس میں پروفیسروں سے کہا گیا کہ وہ قسم کھا کر عہد کریں کہ وہ ارسطو کے صرف انہی نظریات کی تعلیم دیں گے جن کی تشریح ابن رشد نے کی ہو (42)

سیگر آف برابانٹ (1240-1284) یونیورسٹی آف ساربون (فرانس) میں رشدی تحریک کا خالق اور سب سے بڑا حامی تھا۔ اس کم بخت نے ابن رشد کے نام سے بے ہودہ نظریات لگا دئے جیسے فلاسفی سچی ہے اور مذہب باطل۔ ہوتا یہ تھا کہ وہ عیسائیت کی کسی عقیدہ پر بحث کے دوران اپنے دعوی کے حق میں ارسطو کو بطور اتھارٹی پیش کرتا اور جب اس کی تاویل اور تشریح میں کوئی رکاوٹ ہوتی تو ابن رشد کی شرح میں سے حوالے مسخ کر کے دے دیتا۔ چرچ والے اس کو ریڈیکل (انتہا پسند) گردانتے تھے۔ اس نے عقل اور مذہب کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے میں اس نے حتی الامکان کوشش کی۔ سیگر کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ دوہری سچائی (double truth) کی تعلیم دیتا تھا یعنی ایک چیز عقل کے مطابق ٹھیک ہو سکتی مگر اس کا بلکل متضاد مذہب میں سچا ہو سکتا ہے۔ اسی نظریہ کی وجہ سے اسے یونیورسٹی سے خارج کر دیا گیا اور اس کے ماننے والوں کا نشانہ ستم بنایا گیا۔ رشدی تحریک کا ایک اور حامی ڈنمارک کا فلاسفر بوتھیس آف ڈاسیا (Boethius of Dacia 1240-1290) تھا جو یونیورسٹی آف سوربون (فرانس) میں فعال تھا۔ اس نے لاطینی میں متعدد کتابیں قلم بند کیں جو چھ جلدوں میں کوپن ہیگن سے شائع ہو چکی ہیں۔ رشدی تحریک پر جب 1277ء میں پابندی لگا دی گئی تو وہ پیرس سے غائب ہو گیا۔ بے چارہ ابن رشد نہ اسے علما پسند کرتے تھے اور نہ ہی عیسائی پادری، دونوں کے نزدیک راندہ درگاہ۔

رشدی تحریک کے حامیوں میں سسلی کے بادشاہ فریڈرک دوم کا نام بھی آتا ہے جس کو ایسے عقائد کی وجہ سے چرچ سے خارج کر دیا گیا تھا۔ راجر بیکن بھی اس کا حامی تھا، اطالین پینٹر لیونارڈو ڈاونچی بھی اس کے عقائد سے متفق تھا۔ بعض اطالین پینٹرز نے تو ابن رشد کو اپنی پینٹنگز میں دجال کی صورت میں پیش کیا تھا۔ چرچ والوں نے 1512ء

میں اس تحریک کے پیروکاروں کو ملحد و بے دین اور تحریک کو لعنتی قرار دے دیا۔

ٹامس گولڈسٹین نے اس تحریک کو یوں بیان کیا ہے: Averroism served as a rallying point for a radical brand of scientific rationalism for two to three centuries. (43)

ٹامس ایکوئے ناس (Thomas Acquinas1225-1274) یونیورسٹی آف نیپلز (اٹلی) کا کیتھولک فلاسفر اور مذہبی عالم تھا۔ یاد رہے کہ یونیورسٹی آف پیڈوا، پیرس اور بولونیا رشدی تحریک کا گڑھ (hotbed of Averroism) ہوا کرتی تھیں۔ اس کا علمی شاہکار سماتھیولوجیکا (Summa Theologica) ہے۔ اس کی علمیت اور رتبے کے پیش نظر چرچ نے اسے انجلک ڈاکٹر (Angelic Doctor) کا لقب نوازا تھا۔ 1323ء میں اسے سینٹ قرار دیا گیا۔ اگر بارہویں صدی کا افضل ترین ارسطو طالیسی ابن رشد تھا تو تیرھویں صدی کا سب سے بڑا ارسطو طالیسی ٹامس ایکوئے ناس تھا۔ ابن رشد اور ٹامس دونوں نے ارسطو کی کتابوں کی شرحیں لکھیں۔ دونوں نے عیسائی اور اسلامی اعتقادات کو مابعد الطبیعاتی نظریات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ دونوں اپنے دعووں کے حق میں اپنی مذہبی کتابوں قرآن اور بائبل سے آیات پیش کرتے تھے۔ دونوں گھمبیر مسائل میں دلچسپی رکھتے تھے جیسے عقل اور مذہب، انسانی آزادی، خدا کی ہستی کے ثبوت، خدا کی صفات، تخلیق کائنات، روح کا لافانی ہونا، عقل اور الہام، اور روز محشر

انسانوں کا بمع جسم اٹھایا جانا۔ بغیر مادہ کے دنیا کی تخلیق، کیا دنیا ابدی ہے؟ ابن رشد نے فصل المقال میں انہی مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور ایکوئے ناس نے 'سماتھیالیوجیکا' میں۔ کشف المناہج میں ابن رشد نے خدا کی ہستی، خدا کے خواص، تخلیق کائنات، مسئلہ قضا و قدر پر روشنی ڈالی ہے۔ دونوں مذہبی فلاسفروں نے ارسطو کے نظریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی اپنی مذہبی کتابوں بائبل اور قرآن کے عقائد کی فلسفہ سے تطبیق کی کوشش کی۔

ایکوئے نس اگرچہ ابن رشد کا مخالف تھا مگر درپردہ وہ بھی ان کے نظریات سے بڑی حد تک متاثر تھا اسی لئے وہ ابن رشد کا نام بڑے احترام سے لیتا تھا۔ مثلاً ابن رشد نے کہا تھا کہ خدا کے علم سے موجودات جنم لیتی ہیں **العلم القدیم هوئ علة و سبب للموجود (ضمیه فصل المقال)**۔ ایکوئے ناس نے **بلکل یہی کہا**۔ سر ٹامس آرنلڈ کہتے ہیں: The Angelic doctor has made use of many of the arguments which the Muslim doctor had previously employed. (44)

ابن رشد کے سب سے مستند بیوگرافر ارنسٹ رینان (1823-1892ء) کا کہنا ہے کہ سینٹ ٹامس رشدی تحریک کا سب سے بڑا مخالف ہے لیکن ہم متضاد بات کہے بغیر یہ کہنے کی بھی جرات کرتے ہیں کہ وہ شارح اعظم کا اول ترین چیلا بھی ہے۔ البرٹ دی گریٹ نے تمام علم ابن سینا سے سیکھا جبکہ سینٹ ٹامس نے بطور فلاسفر تمام علم ابن رشد سے سیکھا۔ (Averroes by E. Renan, 1852, page 236)۔ سینٹ ٹامس کی تصنیفات کے سن وار مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع میں ابن سینا سے متاثر تھا لیکن درجہ بدرجہ اس کے خیالات ابن رشد سے ہم آہنگ ہونے لگے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ بہ حیثیت ارسطو کے شارح کے دونوں ایک دوسرے کے نظریات سے اتفاق نہ کرتے تھے۔ مثلاً ابن رشد عقل کل (unity of intellect) کو مانتے تھے لیکن سینٹ ٹامس نے 1270ء میں ایک مقالہ لکھا جس میں اس نے ابن رشد کے نظریہ کی شدومد سے تردید کی۔

مذہب اور فلسفہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامک فلاسفی پر طائرانہ نگاہ ڈال دی جائے۔ اسلامک فلاسفی سے مراد فلسفہ اسلام جس کا دارومدار قرآن، حدیث، سنت، اور علمائے اسلام کی مذہبی کتابوں پر ہے یعنی ایسے مسائل جن کا تعلق شریعت سے ہے۔ ان اہم مسائل میں سے چند ایک جو بنیادی ہیں وہ درج ذیل ہیں: خدا کی ذات اور صفات کا مسئلہ۔ تخلیق عالم کا مسئلہ۔ بغیر مادہ کے تخلیق عالم کا مسئلہ۔ کائنات کے فانی یا غیر فانی ہونے کا مسئلہ۔ قرآن کے تخلیق شدہ یا غیر تخلیق ہونے کا مسئلہ۔ روح کے فانی (مادی) یا غیر فانی ہونے کا مسئلہ۔ ہماری زندگی کا مطمح نظر۔ روز محشر جسموں کے اٹھائے جانے کا مسئلہ۔ عقل اور الہام میں فوقیت کا مسئلہ۔ قضا و قدر کا مسئلہ۔ خیر و شر کا مسئلہ۔ کیا کائنات حادث ہے غیر حادث؟ انسان کی آزادی ارادہ کا مسئلہ۔ ان مسائل پر مذہب کیا کہتا ہے اور فلسفہ کا نقطہ نظر کیا ہے؟ یہ بہت وسیع مضمون ہے ہاں مذہب اسلام ان مسائل کے جو جوابات دیتا ہے اس کا نام اسلامک فلاسفی ہے۔ مثلاً مذہب اور فلسفہ میں ایک معرکۃ الآراء مسئلہ یہ رہا ہے کہ کائنات حادث ہے یا قدیم؟ اسلام کا موقف یہ ہے کہ عالم تخلیق بالحق ہے لہذا وہ قدیم ہے حادث نہیں، یعنی کائنات مخلوق اور فانی ہے۔ اس کے برعکس ارسطو کا موقف یہ ہے کہ عالم مکان کے اعتبار سے حادث ہے لیکن باعتبار زمانہ قدیم ہے۔ ابن سینا اور ابن رشد

اس مسلک کے مؤید تھے۔

ابن رشد نے فلسفہ پر قلم اٹھاتے ہی ارسطو کو فلسفہ میں اپنا پیشوا اور امام تسلیم کر لیا۔ انہوں نے اس کی تمام تصنیفات کو ترتیب دیا، ان پر شرحیں لکھیں اور بہت سے مسائل کی حمایت کی جو جمہور اسلام کے خلاف تھے۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ تھا کہ افلاک ازلی ہیں خدا نے ان کو پیدا نہیں کیا بلکہ خدا صرف ان کی حرکت کا خالق ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اسلامی عقائد کی صحیح تشریح وہی ہے جو ارسطو کے نظریات کے موافق ہے۔ انہوں نے اشاعرہ کے خیالات کو باطل ثابت کیا اور کہا اشعری عقائد عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہیں۔

آپ بائبل کی تخلیق کی کہانی پر یقین نہ رکھتے تھے اسلئے آپ نے اسلامی تخلیق کائنات کی نئی تھیوری پیش کی۔ آپ کا یقین تھا کہ خدا ازل سے ہے، خدا ہی محرک اول (Prime Mover) ہے۔ قرآن مجید میں ہر قسم کی صداقتیں موجود ہیں اس کی آیات میں عام آدمی کیلئے ایک معنی اور فلاسفر کیلئے اس کی آیات و الفاظ میں اور مطالب پوشیدہ ہیں۔ فلاسفر کو چاہئے کہ وہ قرآنی آیات کی تفسیر اور معانی عام لوگوں کو نہ بتلائے، ابن سینا کی طرح آپ کا یقین تھا کہ خدا ہر شخص کی زندگی میں دلچسپی نہیں رکھتا ہے۔ آپ کے ایسے عقائد کی بناء پر علماء و فقہاء کے اکسانے پر 1195ء آپ پر شاہی عتاب آیا تھا۔

آپ کے نظریات پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مذہب اسلام کے عقائد اور فلاسفی کے اصولوں میں تطبیق کی پوری پوری کوشش کی۔ گویا اسلام اور

64

عقلیت کے مابین مفاہمت اور مطابقت کے آپ سب سے بڑے علمبردار تھے۔ آپ نہایت مذہبی انسان تھے قرآن و حدیث پر مکمل عبور رکھتے تھے اسی لئے آپ کی تحریروں میں قرآن و حدیث کے حوالہ جات جا بجا ملتے ہیں۔

قرآن پاک کی وہ آیات جو متشابہات میں شمار ہوتی ہیں ان کی تاویل (interpretation) کے بارہ میں فرمایا کہ ان آیات کریمہ کی تاویل وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید (3:7) میں ہوا ہے **وما یعلم تاویلہ الااللہ والراسخون فی العلم**، ان کے نزدیک فلاسفر ہی علم میں راسخ ہوتے ہیں اس لئے وہی ان کی صحیح تاویل کرنے (ٹھیک مطلب بتانے) کے حقدار ہیں یا قرآن حکیم کی ایسی آیات مبارکہ جن میں خدا کے عرش پر قائم ہونے کا ذکر ہوا ہے ثم استوی الی السماء (2:29)۔ ثم استوی علی العرش (7:54)۔ معتزلہ نے ان آیات کی تاویل یہ کی کہ اس سے مراد خدا کا جاہ و جلال ہے جبکہ بعض (مراد عشری فرقہ) کا کہنا تھا کہ ان آیات کی حقیقت پر بلا کیف (بغیر سوال اٹھائے) یقین کیا جائے۔ حضرت امام مالک بن انسؒ (795ء) کے نزدیک آیات متشابہات کی تاویل کرنا بدعت اور خلاف شرع تھا۔ ابن رشد فرماتے ہیں کہ تاویل کرنے کے اصولوں سے ہچکچاہٹ کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق قیاس (deduction, reasoning) سے ہے جو کہ یونانیوں نے ایجاد کیا تھا۔ (یاد رہے کہ اسلام میں تاویل کا سلسلہ سب سے پہلے اسحٰق الکندی (873ء) نے شروع کیا تھا جیسے اس نے آیت **سخر الشمس والقمر** کی تاویل یہ کی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ سورج اور چاند قوانین فطرت کی پیروی کرتے ہیں۔ آج ہر کوئی اس تاویل سے اتفاق کرتا ہے، الکندی بہت بڑا فلاسفر تھا، نہ کہ عالم دین)۔

ابن رشد اس قسم کے تعصب اور غیر ملکیوں کے خلاف تنگ ذہنی کے خلاف فرماتے ہیں کہ فلسفہ در حقیقت کائنات کی اشیاء کی حقیقت و ماہیت کو معلوم کرنے کا نام ہے جہاں تک ان کی ہستی کا تعلق ہے یعنی کہ وہ اپنے بنانے والے کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتی ہیں۔ قرآن مجید ہمیں نہ صرف تفکر (reflection) کی طرف توجہ دلاتا بلکہ ترغیب دیتا ہے جیسے **اولم ینظروا فی ملکوت السموات و الارض و ما خلق اللہ من شیء**(7:184) کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور ہر چیز میں جو اللہ نے بنائی ہے، تدبر نہیں کرتے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار** (59:2) پس اے صاحب بصیرت لوگو (دانش مندو) عبرت حاصل کرو (پہلی آیت میں نظر سے مراد critical evaluation ہے، امام الغزالیؒ نے منطق کو آلات النظر کا نام دیا ہے یعنی (instrument of thought) مصنف)۔ ابن رشد فرماتے ہیں کہ یہ ہمارا فرض ہے کہ قدماء (یونانی) کے بیان کردہ اصولوں اور قوانین پر غور کریں، اگر وہ ہمارے عقائد کے مطابق ہیں تو ہمیں انہیں بخوشی قبول کر لینا چاہئے اور قدماء کا دل کھول کر شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ اگر وہ غلط ڈگر پر ہیں تو ہمیں ان غلطیوں کی نشاندہی کرنی چاہئے، ان کے خلاف متنبہ کریں، چشم پوشی کریں کیونکہ انہوں نے کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔ (فصل المقال صفحہ 6)۔ **(45)**

خدا تعالیٰ کے علم کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے اپنے وجود پر دو قسم کے بین دلائل فراہم کئے ہیں: ایک کا نام دلیل عنایۃ اور دوسرے کا نام دلیل اختراع ہے۔ دلیل عنایۃ کی بنیاد دو اصولوں پر ہے (1) یہ کہ دنیا کی تمام اشیاء انسانی ضروریات اور انسانی مصالح فوائد کے موافق ہیں (2) یہ موافقت اتفاق نہیں بلکہ اس کو ایک ذی ارادہ ہستی نے پیدا کیا ہے۔ پہلے اصول کے مطابق دنیا کی اہم چیزوں مثلاً دن رات، سورج، چاند نباتات، جمادات پر غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان

کیلئے کس قدر مفید ہیں اس لئے جو خدا کے وجود کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے اس کیلئے موجودات کی تحقیقات ضروری ہے۔ دلیل اختراع کی بنیاد بھی دو اصولوں پر ہے ایک یہ کہ تمام کائنات مخلوق ہے اور دوسرا یہ کہ جو چیز مخلوق ہے اس کا ضرور کوئی خالق ہے۔ اس کے لئے جواہر اشیاء کی حقیقت جاننا ضروری ہے۔

خدا تعالیٰ کے علم کے بارہ میں آپ نے کہا کہ خدا کا علم انسانی علم جیسا نہیں ہے۔ یہ علم کی ایسی اعلیٰ و ارفع قسم ہے جس کے بارہ میں انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ خدا کے علم میں اور کوئی ہرگز شریک نہیں۔ خدا کا علم اشیاء سے اخذ نہیں ہوتا۔ جہاں تک روح کے غیر فانی کا ہونے کا تعلق ہے آپ کا نظریہ تھا کہ روح اور عقل (intellect) میں فرق کرنا چاہئے۔ عقل انسان میں وہ چیز ہے جس کے ذریعہ انسان حواس خمسہ کے بغیر حقائق اور صداقتوں کا شعور حاصل کرتا ہے۔ عقل فعال اور مادی عقل میں وہی فرق ہے جو صورت کو مادہ سے ہے۔ عقل فعال روح کے اندر قوت ہے جو تمام انسانیت میں مشترک اور ازل سے ہے۔

فرماتے تھے کہ ہر نبی فلاسفر ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر فلاسفر نبی بھی ہو۔ نبوت اور فلسفہ میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ فلسفہ نام ہے حقیقت کی جستجو کا اور نبوت نام ہے کشف حقیقت کا۔ فلسفی تو حصول علم میں لگا رہتا ہے جبکہ نبی حقیقت سے آشنا ہو کر دوسروں کو علم سکھاتا، وہ حسن عمل کے حسین و سرور انگیز ثمرات کی خوشخبری دیتا اور برے اعمال کے حزن آفرین نتائج سے ڈراتا ہے۔ نبی کو غیر معمولی قلب سلیم ودیعت کیا جاتا ہے جس کے ذریعے وہ بغیر خارجی تعلیم کے اشیاء کا علم از خود حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی اس کے علم کا سرچشمہ اس کی عقل سلیم ہوتی ہے۔ لیکن کشف والہام ہونے سے پہلے فلسفیانہ تفکر لازمی شرط ہے۔ اس رنگ میں ہر نبی فلاسفر ہوتا ہے۔ انبیاء کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہوتی ہے

کہ ان کی عقل کا منبع قوت قدسی ہوتی ہے جس کے ادراک کا نام وحی ہے۔ یاد رہے کہ وحی، الہام اور رویائے صادقہ علم ایزدی کے اجزاء ہیں۔ انبیاء حقائق کا مشاہدہ اپنی قوت قدسی کے ذریعہ کرتے جن کا ادراک عام لوگ نہیں کر سکتے۔

خدا پر ایمان، خدا کے خالق و مالک ہونے، خدا کے رب العالمین ہونے، کائنات کی تخلیق، نبوت کی حقانیت، اور روز محشر دوبارہ اٹھایا جانا ایسے مسائل تھے جن کے بارے میں ان کا نظریہ تھا کہ ان کو ہر طور پر بلا حیل و حجت شرح صدر سے تسلیم کرنا چاہئے۔ فرماتے تھے کہ فلسفہ پیغمبروں میں ہمیشہ سے چلا آیا ہے، خدا کی رحمت ان لوگوں پر ہو۔

philosophy has always existed among the adepts of revelation i.e. prophets, peace be on them. :

فصل المقال میں آپ نے فلاسفی کے مستحسن ہونے کے دلائل اسلامی شریعت سے اخذ کئے، اور کہا کہ قرآن پاک میں مظاہر فطرت کے مطالعہ پر خاص تاکید کی گئی ہے (**ان فی خلق السموت والارض واختلاف اللیل والنھار لا یت لا ولی الالباب**) اور فطرت کے مطالعہ کیلئے منطق اور دیگر سائنسی علوم کی تحصیل ضروری ہے خاص طور پر یونانی علوم کی۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سائنسی علوم کے مطالعہ سے حاصل شدہ نتائج کتاب اللہ سے تضاد رکھتے ہوں تو پھر کیا کیا جائے؟ ابن رشد نے کہا کہ چونکہ دونوں صداقت کا ماخذ ہیں اس لئے دونوں میں مطابقت تلاش کرنی چاہئے، فرمایا:

truth does not oppose truth, but accords with it and bears witness to it.

اس حوالہ سے مترشح ہوتا ہے کہ ابن رشد کے بارہ میں جو کہا جاتا ہے کہ وہ دہری صداقت (double truth) پر یقین رکھتے تھے وہ صریحاً غلط ہے امر واقعہ یہ ہے کہ ابن رشد عمر بھر فلاسفی اور مذہب اسلام میں مطابقت تلاش کرتے رہے۔ وہ کہتے تھے فلاسفی (سائنس) اور مذہب میں تضاد کی صورت میں انسان کو مذہب کے احکام پر عمل کرنا چاہئے۔ فلسفہ کیا ہے؟ کائنات کی اشیاء کی حقیقت یا ماہیت کو معلوم کرنے کا نام فلسفہ ہے یا یوں کہہ لیں عالم موجودات کے حقائق کے علم کا نام فلسفہ ہے۔ فلسفہ کی درج ذیل تعریف سے آپ کے خدا کی ہستی پر مکمل یقین کا اندازہ ہوتا ہے:

"an inquiry into the meaning of existence and believe that God is the order, force, and mind of the universe

فلسفہ ہماری ہستی کے معنی میں چھان بین اور اس بات پر یقین کہ خدا اس کائنات کا کار فرما، اس کی توانائی اور نفس ہے۔"

نکتہ سنج، نکتہ شناس علامہ ابن رشد نے تلقین کی کہ ایسے فلسفیانہ خیالات صرف ان لوگوں کو بتلائے جائیں جو ایسے دقیق مسائل و امور میں تجربہ کار ہوں، سادہ لوح عوام کو صرف سادہ خیالات جیسے کہانیاں، واقعات اور پرانے (سبق آموز) قصے سنا کر ان کے دل بہلائے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا نے انسان کو سوچنے کی صلاحیت ودیعت کی ہے اور قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے انسان کو بار بار تاکید کی ہے کہ وہ اس سوچنے کی صلاحیت (**لعلکم تعقلون، لعلکم تتفکرون، لعلکم تنظرون**) کو بروئے کار لا کر اس کی آیات (یعنی مظاہر فطرت) پر غور و تدبر کرے کیونکہ اس میں مفکروں اور دانش وروں کیلئے نشانات ہیں۔

مذہب اسلام کی فضیلت پر آپ کا پختہ یقین تھا اور فرمایا کہ انسان کو اپنے دور کی سب سے بہترین ملت کا انتخاب کرنا چاہئے اگر چہ اس کی نظر میں تمام ملتیں اچھی ہوں، جاننا چاہئے کہ افضل شریعت کم تر شریعت پر غالب آجاتی ہے یہی چیز اسکندریہ (مصر) میں ہوئی جب اسلام وہاں پہنچا تو وہاں کے علما اور دانشوروں نے اسلامی شریعت کو اپنالیا، یہی حالت روم کے علما کی ہوئی انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کو تسلیم کر لیا۔ بنی اسرائیل کی قوم میں علما اور فقہا پیدا ہوتے آئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر نبی عالم و فلاسفر ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر عالم (فلاسفر) نبی ہو۔ علما بلا شبہ انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ (علماء ورثة الانبياء)۔ الفارابی (950ء) کے نزدیک فقط فلسفی ہی انسان کامل ہوتا ہے۔

کتاب تہافت التہافت اور (46)

ابن رشد پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ انسانی روح کی بقائے دوامی کا انکار کرتے تھے کیونکہ بقول ان کے انفرادی روح موت کے بعد آفاقی روح (universal soul) میں ضم ہو جاتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ ابن رشد نے کہا اس کا اطلاق صرف عقل (intellect) پر ہوتا ہے۔ ابن رشد کے نظام فکر میں روح کا عقل سے امتیاز نہ صرف ضروری بلکہ اس کا اطلاق دوسرے مسلمان فلاسفہ پر بھی ہوتا ہے۔ عقل انسان میں وہ ذہنی صلاحیت ہے جس کے ذریعہ وہ بغیر حواس خمسہ کے آفاقی صداقتوں سے آگاہ ہوتا جیسے ریاضی کے اصول، سوچنے کے اساسی قوانین وغیرہ (47)

ابن رشد اور افلاطون

ابن رشد کی جس کتاب نے یورپ پر سب سے زیادہ اثر چھوڑا وہ افلاطون کی کتاب ری پبلک کی جوامع یا شرح متوسط (1177ء) تھی۔ یہ کتاب اصل عربی میں تو

66

مفقود ہے البتہ عبرانی ترجمہ سے انگلش میں اس کا ترجمہ روزن تھال (E.J. Rosenthal) نے کیا جو کیمبرج یونیورسٹی نے 1956ء میں شائع کیا تھا۔ روزن تھال نے انگلش ترجمہ آٹھ عبرانی مخطوطات کے مطالعہ سے تیار کیا جو یورپ کی مشہور جامعات (میونخ، فلورنس، وی آنا، آکسفورڈ، میلان، کیمبرج) میں موجود ہیں۔ ابن رشد نے شرح متوسط حنین ابن اسحٰق کے عربی ترجمہ سے تیار کی تھی۔ ری پبلک کا انتخاب آپ نے اس لئے کیا کیونکہ "ارسطو کی کتاب سیاسیۃ (Politics) ہمارے ہاتھ نہ لگ سکی" (افلاطون کی جمہوریہ صفحہ ۲)

کتاب کے بنظر غائر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یونانی فلسفہ اور مذہبی قوانین میں تطبیق (synthesis) کی کامیاب کوشش کی اور یہی چیز آپ کی فلسفیانہ زندگی کا طرہ امتیاز ہے۔ آپ نے افلاطون کی پولیٹکل فلاسفی کو اپنی فلاسفی کے طور پر اس کا اطلاق کیا اسلامی ریاست پر کیا۔ آپ کے نزدیک اسلامی شریعت کے قوانین افلاطون کے آئیڈیل 'فلاسفر بادشاہ' کے قوانین (Nomos) سے افضل ہیں۔ اسلامی شریعت کی تعلیمات اتنی اعلیٰ اور پیچیدہ ہیں کہ انسانی فہم سے باہر ہیں۔ ان پر ایمان لانا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کیونکہ اس میں الہامی صداقتیں موجود ہیں۔ آپ کے نزدیک اسلامی طرز حکومت جس کا آئیڈیل کانسٹی ٹیوشن اسلامی شریعت ہے افلاطون کی جمہوریت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ آپ نے افلاطون کے نظریہ سے اتفاق کیا کہ آئیڈیل سٹیٹ ٹرانسفارم ہو کر چار ریاستوں میں بدل جاتی ہے (ٹیمو کریسی، آلی گارکی، ڈیما کریسی، ٹیرانی)۔ یہی چیز حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوئی جب خلافت راشدہ آئیڈیل سٹیٹ سے تبدیل ہو کر شخصی حکومت (ٹیمو کریسی) بن گئی۔ آپ کی زندگی میں یہی چیز مرابطون اور موحدون کے دور حکومت میں ہوئی جو شرعی حکومتیں تھیں مگر بعد میں بدل گئیں۔ ایک مخلص، زاہد مسلمان کی حیثیت سے آپ نے فرمایا کہ سید الانبیا ﷺ خاتم النبین تھے جنہوں نے اسلامی شریعت کو ہر زمانے اور دور کے لئے نافذ کیا۔ (48)

ابن رشد اور امام الغزالیؒ

حجۃ الاسلام حضرت امام الغزالیؒ (1058-111ء) عظیم المرتبت مفکر، صوفی، حکیم اور معلم اخلاقیات تھے۔ شہرہ آفاق کتاب تہافۃ الفلاسفۃ لکھنے کے بعد وہ شہرت کے پروں پر اڑنے لگے۔ ابن رشد نے اس کے جواب میں تہافۃ التہافۃ لکھ کر علمی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا۔ ابن رشد کے نزدیک الغزالیؒ عقلیت پسند فلسفی تھے گو انہوں نے شہرت حاصل کرنے کے لئے تصوف کا لبادہ زیب تن کیا اور رہبانیت اختیار کی۔ ان کا دماغ فلسفی اور دل صوفی کا تھا اور دل و دماغ میں یہ کھینچا تانی عمر بھر جاری رہی۔ ان کی فکری زندگی میں سب سے نمایاں چیز جو نظر آتی ہے وہ ان کی تشکیک پسندی (scepticism) ہے۔ یہ کوئی بری چیز نہیں بلکہ ہر عبقری محقق کی پہچان ہی یہی ہوتی ہے کہ اس میں بیک وقت دو رجحانات پائے جاتے ہیں یعنی سلبی اور ایجابی۔ سلبی رجحان تشکیک پر آمادہ کرتا ہے اور ایجابی ایمان کا مظہر ہوتا ہے۔

امام الغزالیؒ بظاہر فلسفے کے مخالف تھے لیکن ان کے نظام فکر میں جو مسئلہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے وہ عقلیت ہے۔ انہیں عقل پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ عقل تنہا

حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتی اس لئے معرفت کے معاملات میں اس کی تصدیقات یقینی نہیں ہوسکتے۔ وہ چونکہ معقولات (علوم حکمت، فلسفہ، منطق) کو غیر معتبر سمجھتے تھے اس لئے ایسے فلاسفروں کی انہوں نے مخالفت کی جو علم و معرفت کو محض عقل کا مرہون منت خیال کرتے تھے۔ ان کے نزدیک حقیقت کے عرفان کے لئے عقل کی بجائے صوفیانہ مجاہدے (religious experience) سے کام لینا چاہئے جسے دور جدید میں فلاسفر وجدان (intuition) کہتے ہیں۔

امام الغزالیؒ اگرچہ عقل کی قطعیت کے قائل نہیں تھے لیکن وہ عقل کو برا بھی نہیں سمجھتے اور نہ اس کی افادیت سے انکار کرتے تھے۔ امام الغزالیؒ نے فلسفیانہ اصطلاحات کثرت کے ساتھ مذہبی لٹریچر میں داخل کیں۔ انہوں نے دین کی حمایت میں فلسفے کی طلسم کو توڑنے کے لئے اسے عام فہم بنایا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ فلسفہ محض غور و فکر کا نام ہے اور فلسفیانہ افکار ہر کسی کو سمجھ میں نہیں آسکتے۔ نیز صرف فلسفہ ہی حقیقت مطلقہ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ انہوں نے فرمایا کہ اگرچہ یہ درست ہے کہ حقیقت کا عرفان صرف عقل ہی کے ذریعہ ہوتا ہے لیکن عام عقل سے نہیں، بلکہ اس کے لئے عقل سلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ عقل میں حسن و نور پیدا کرنے کے لئے تزکیہ نفس کی ضرورت ہوتی جس کا صوفیانہ نام مجاہدہ نفس ہے۔ (49)

تہافۃ الفلاسفۃ میں انہوں نے یونانی فلاسفہ اور ان کے مسلمان شارحین (الفارابی، ابن سینا) کے نظریات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے برعکس ابن رشد نے اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ الغزالیؒ نے جن فلسفیانہ خیالات کی تردید کی ہے وہ یونانی نہیں بلکہ ان میں بعد کے فلاسفروں کے نظریات کا امتزاج ہے۔ ابن رشد نے کہا کہ الغزالیؒ کا طریقہ غیر منطقی ہے اور وہ ایک خاص مذہبی مسلک کے نقطہ نظر سے بحث کرتے ہیں اس لئے ان کا محاکمہ غیر معتبر اور غلط ہے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے سلاطین، علما اور رعایا کی خوشنودی کے لئے ایسا کیا۔ بقول ابن رشد الغزالیؒ بظاہر فلسفے کے مخالف تھے لیکن درحقیقت وہ فلسفے کے حامی تھے۔ انہوں نے فلسفے کی بہت خدمت کی، ایجابی اور سلبی ہر لحاظ سے۔ ایجابی لحاظ سے یوں کہ انہوں نے فلسفیانہ فکر کو گمراہی سے بچانے اور صحیح خطوط پر چلانے کی کوشش کی، سلبی اس لحاظ سے کہ انہوں نے فلاسفروں کے

باطل نظریات کی تردید کی۔

تہافت الفلاسفۃ

فلاسفروں کے جن 20 دعاوی کی امام الغزالیؒ نے تہافت الفلاسفۃ میں تردید کی ہے وہ درج ذیل ہیں: 1۔ اس دعویٰ کا ابطال کہ عالم ازلی ہے: الغزالیؒ نے فلاسفروں کے اس نظریے کی تردید کی ہے کہ عالم کائنات قدیم ہے۔ ابن رشد نے کہا کہ انہوں نے اس نظریے کو سمجھا نہیں، اگر سمجھا تو اسے غلط طور پر پیش کیا اور غلط مفروضات قائم کرکے اسے جھٹلایا۔ 2۔ ابدیت عالم کا ابطال: دنیا ہمیشہ سے چلی آرہی ہے اور یونہی چلتی رہے گی؟ 3۔ خدا اس عالم کا صانع نہیں ہوسکتا اور حکماء کی دھوکہ دہی: فاعل و صانع میں ارادہ و اختیار کی صفات کا ہونا ناگزیر ہے۔ خدا واحد ہے اور واحد سے کثرت کا صدور ناممکن ہے، اس لئے اس دنیا کی بوقلمونی کی کوئی توجیہ نہیں ہوسکتی۔ 4۔ خدا کا وجود ثابت کرنے میں حکماء عاجز ہیں: فلاسفر اللہ تعالیٰ کا وجود ثابت نہیں کرسکتے۔ فلاسفر عالم کو قدیم و ازلی بھی مانتے اور اس کے ساتھ اس بات کے قائل ہیں کہ عالم کے قدیم ہونے کے باوجود اس کی علت ہونی چاہئے۔ 5۔ فلاسفر خدا کی توحید ثابت نہیں کرسکتے: فلاسفر یہ ثابت کرنے سے عاجز ہیں کہ ایک سے زائد واجب الوجود فرض نہیں کئے جاسکتے۔ 6۔ کیا ذات و صفات کی دوئی کا مسئلہ کثرت کا سبب ہے؟ یعنی فلاسفروں کے اس دعوے کا ابطال کہ خدا میں صفات نہیں پائی جاتیں؟ مثلاً خدا تعالیٰ قدرت، علم، اور ارادہ کی صفات سے معرا ہے۔ 7۔ تعدد و کثرت کا دوسرا سبب: فلاسفروں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ خدا کے جنس و فصل نہیں۔ بالفاظ دیگر مبدء اول (First Cause) کو جنس و فصل کے ذریعہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ 8۔ فلاسفہ کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا کہ خدا کی ذات بسیط محض بلا ماہیت ہے۔ 9۔ فلاسفر خدا کی جسمیت کا انکار نہیں کرسکتے؟ جسم قدیم اور جسم حادث میں فرق۔ فلاسفر یہ ثابت کرنے سے معذور ہیں کہ خدا کا جسم نہیں۔ 10۔ فلاسفر اثبات صانع سے قاصر ہیں۔ علت العلل کے اثبات سے صانع کا وجود ثابت نہیں ہوتا۔ 11۔ فلاسفر یہ ثابت نہیں کرسکتے کہ خدا تمام کائنات کے بارے میں کلی ادراک رکھتا ہے، خدا اپنے سوا کسی اور کو جانتا ہے؟ 12۔ فلاسفر مبدء اول سے متعلق اس حقیقت کا اثبات نہیں کرسکتے کہ اسے ادراک ذات حاصل ہے، فلاسفر یہ ثابت نہیں کرسکتے کہ خدا اپنی ذات کا علم رکھتا ہے۔ 13۔ فلاسفروں کے اس دعویٰ کی تردید کہ خدا کلیات کا علم تو رکھتا ہے مگر جزئیات کا نہیں۔ 14۔ فلاسفروں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ آسمان حیوان متحرک بالارادہ ہے: فلاسفر اپنے اس دعوے کو ثابت نہیں کرسکتے کہ آسمان ایک حیوان ہے جو اپنی حرکت دوریہ سے خدا کے حکم کی اطاعت میں مصروف ہے۔ 15۔ فلاسفروں نے حرکت افلاک کی جو غرض بیان کی ہے، وہ باطل ہے: فلاسفروں کا دعویٰ ہے کہ افلاک صرف زندہ ہی نہیں بلکہ اطاعت خداوندی کا فریضہ بھی ادا کررہے ہیں اور ان کا مقصد تقرب خداوندی ہے۔ 16۔ یہ بات غلط ہے کہ نفوس سماوی تمام جزئیات کو جانتے ہیں، نیز یہ بھی غلط

ہے کہ لوح محفوظ سے مراد نفوس سماویہ ہیں۔ 17۔خرق عادات کا انکار باطل ہے: ضروری نہیں کہ دو چیزوں کا عادۃً مل کر کوئی نتیجہ پیدا کرنا علیت و معلولیت کی بناء پر ہو۔ 18۔ فلاسفہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ روح ایک جوہر ہے جو نہ جسم ہے نہ عرض۔ 19۔فلاسفروں کے اس دعوے کے ابطال میں کہ نفوس انسانی سرمدیت کے حامل ہیں۔ فلاسفر یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ روح ابدی ہے۔ 20۔فلاسفر جو قیامت اور حشر اجساد کے منکر ہیں، یہ ان کی فروگذاشت ہے۔

مذکورہ بالا مسائل میں سے سولہ میٹا فزیکل اور چار فزیکل ہیں۔ امام موصوف نے صرف آخری تین مسائل میں فلاسفروں کی تکفیر کی اور باقی کے متعلق کہا کہ ان کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیز اکثر جگہ انہوں نے محض فلاسفروں کی دلیلیں رد کی ہیں ورنہ فلاسفہ خود ان مسائل کے خلاف نہ تھے۔ مثلاً متکلمین کی طرح فلاسفر بھی خدا کی وحدانیت کو مانتے ہیں اور اس کے حق میں عقلی دلائل دیتے ہیں مگر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے فلاسفروں کے اس خیال کو بھی رد کیا حالانکہ اس کا رد کرنا ضروری نہ تھا۔

علم ریاضی، جیومیٹری، منطق اور علم اخلاق کے مسائل پر امام الغزالیؒ کی پوزیشن نیوٹرل تھی کیونکہ ان علوم کا اثر مذہب پر کم ہے۔ منطق بقول ان کے سوچنے کا آلہ (آلات النظر) ہے اور اس کا استعمال انہوں نے فلاسفروں کے خلاف خوب کیا۔ تیسرے اور چوتھے سوال میں فلاسفر منافقت اور ریاکاری کے مرتکب ہوئے۔ سوال نمبر چھ سے نو تک کا تعلق فلاسفروں کی خدا کے صفات پر تھیوری سے ہے۔ سوال نمبر سترہ کا تعلق علت اور معلول کے باہمی تعلق سے ہے۔ آخری دو سوالوں کا تعلق روح کی ابدیت اور حشر و نشر سے ہے۔ فلاسفروں نے روح کی ابدیت کے بارہ میں جو ثبوت دئے امام الغزالیؒ نے ان کا تجزیہ کیا اور کہا کہ یہ غیر فیصلہ کن ہیں۔ فرمایا کہ روح جسم کی موت کے بعد زندہ رہتی ہے، جیسا کہ فلاسفر مانتے ہیں لیکن یہ روز محشر دوبارہ اسی جسم میں دوبارہ آجائیگی یا اس جسم سے ملتے جلتے جسم میں، اس بات کا فلاسفر انکار کرتے ہیں۔ روز محشر دوبارہ زندہ ہونے والے جسم میں روح شعوری اور روحانی راحتوں سے محظوظ ہو سکے گی، بلکہ بعض جسمانی لذتوں سے بھی جس کا فلاسفر انکار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: **فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین جزاء بما کا نو یعملون** (32:17) کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے، یہ ان کے اعمال کا صلہ ہے۔ (تہافت الفلاسفہ صفحہ 355 انگلش ترجمہ)

68

حضرت امام الغزالیؒ کی شہرہ آفاق تصنیف تہافت الفلاسفہ کے بارہ میں ابن رشد کے رائے یہ تھی: " الغزالیؒ نے تہافت الفلاسفہ تصنیف کی جس میں تین مسائل میں فلاسفہ کی تکفیر اس بناء پر کی کہ انہوں نے خرق اجماع کیا۔ یہ کتاب مجموعہ اباطیل و شبہات ہے۔ " (کشف الادلہ صفحہ 72)۔ ابن رشد کے نزدیک اس کتاب کی کوئی وقعت نہ تھی کیونکہ وہ اس کے دلائل کو برہان سے کم درجہ کے سمجھتے تھے۔ یعنی ان کے دلائل محض لغو اور سفطیانہ تھے۔ ان کے نزدیک امام صاحب فلسفہ میں کچے تھے کیونکہ الفارابی اور ابن سینا کے فلسفہ کے علاوہ کچھ نہیں جانتے تھے، دراصل الغزالی قارئین کو حیرت میں ڈال کر اپنا نفوذ قائم کرنا چاہتے تھے۔

عجیب بات یہ ہے کہ امام الغزالیؒ نے فلاسفروں کے نظریات کو غلط ثابت کیا لیکن یہ بتانے سے اعراض کیا کہ ان کی اپنی رائے ان مسائل کے بارہ میں کیا تھی؟۔ ابن رشد کے نزدیک انہوں نے ایسا ذاتی مصلحت کی بناء پر کیا، ورنہ دل سے وہ فلاسفروں کے ہم نوا اور ہم خیال تھے۔ بہر حال الغزالیؒ نے تسلیم کیا کہ ان کا مقصد صرف ان فلسفیانہ نظریات کی تردید تھا نہ کہ تحقیق۔ ابن رشد مزید فرماتے ہیں کہ امام الغزالیؒ اپنے قول میں مخلص نہ تھے۔ ان میں اور فلاسفروں میں اختلاف محدود تھا۔ انہوں نے فلاسفروں کے نظریات کی تردید اس لئے کی تا اہل سنت میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر سکیں۔

ابن طفیل بھی ابن رشد کے خیال کی تائید کرتے تھے کہ الغزالیؒ نے جو کچھ فلسفے کے خلاف لکھا اس کی علت غائی عوام اور خواص کی خوشنودی حاصل کرنا تھا، جو عقلیت کے دشمن اور تقلید کے دلدادہ تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ مذکورہ نظریات ارسطو کے تھے اور امام الغزالیؒ نے یونان کے فلاسفروں خاص طور پر ارسطو کی فضیلت کا اعتراف واشگاف الفاظ میں کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ امام صاحب ارسطو کے نظریات کے معترف تھے۔

ابن رشد نے امام الغزالیؒ کی کتاب کا رد لکھا تو علمائے اسلام نے اس پر شدید تنقید کی اور عالم اسلام میں اس کا منفی رد عمل ہوا۔ چنانچہ ان کی کتاب کے رد میں ترکی کے عالم مصطفیٰ ابن یوسف البرصاوی (خواجہ زادے 1487ء) نے تہافت التہافت لکھی۔ عالم اسلام میں امام الغزالیؒ کی کتاب کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے فلسفہ، سائنس کی تعلیم سے تعلق ختم کر لیا اور اجتہاد کا دروازہ بند کر کے تقلید کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے عالم اسلام میں ترقی رک گئی اور لوگوں نے اپنی سوچوں پر پہرے بٹھا لئے۔ مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ آج عالم اسلام کی حالت دگرگوں ہے اور سات سو سال بعد بھی مادی، سماجی، سائنسی، روحانی، اور علمی ترقی نام کی بھی نہیں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمانوں کے عروج کی تاریخ کا آغاز ٹھیک اس وقت ہوا جب ان میں علم و حکمت کی طلب و جستجو پیدا ہوئی اور وہ ان علوم کے قدر شناس ہوئے۔ اسی طرح ان کے انحطاط کے آغاز کا زمانہ بھی وہ ہے جب ان میں علم و حکمت کی طلب سلب ہو گئی۔ اس کے برعکس یورپ میں سکالرز نے ابن رشد کو اپنا امام اور علمی پیشوا تسلیم کر لیا اس کے نتیجہ

بھی سب کے سامنے ہے، بارہویں صدی میں ابن رشد کی وفات کے بعد یورپ ترقی کے راستہ پر گامزن ہونا شروع ہوا، آج یورپ وامریکہ ہر قسم کی ترقی کے میدان میں عالم اسلام سے ایک ہزار سال آگے ہیں۔ یورپ نے ابن رشد کو اپنا کر عالمی تاریخ کا منہ موڑ دیا۔ کاش کہ ہم اس بات کو سمجھ سکیں اور ابن رشد کو اپنا لیں، ہماری ترقی اسی میں مضمر ہے۔

ابن رشد اور الغزالیؒ کے مابین علمی اختلاف آج سے آٹھ سو سال قبل مفکرین اسلام کے مابین مسائل پر تنازع کی عمدہ مثال ہے۔ جہاں تک علت اور معلول (cause and effect) کے مسئلہ کا تعلق ہے الغزالیؒ کے نقطہ نظر کے مطابق تمام اعمال، حادثات، طبعی واقعات یا جو کچھ بھی ہو، یہ خدا کی مداخلت کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ان کی منطق کے مطابق آگ کپڑے کو شعلہ زن کرتی ہے اس لئے نہیں کہ آگ کی یہ فطرت ہے کہ وہ جلائے، بلکہ اس کی وجہ مافوق الفطرت ہستیوں جیسے فرشتوں کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ ابن رشد کے نزدیک یہ حماقت کی انتہا ہے کہ جب بھی آگ لگتی ہے ان گنت فرشتے آسمان سے نازل ہو کر ایسا کرتے۔ علل طبعی سے علل طبعی جنم لیتی ہے۔ ہر کوئی آئے روز کے تجربہ سے جانتا ہے کہ جب کپاس کو آگ کے قریب لے جایا جائیگا تو یہ شعلہ زن ہو جائیگی، کیونکہ کسی نے آج تک اس کے برعکس ہوتے نہیں دیکھا۔ تہافۃ التہافۃ میں آپ نے فرمایا کہ علل سے انکار علم سے انکار ہے اور علم سے انکار کا مطلب ہے کہ کسی بھی چیز کا علم اس دنیا میں حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ (51)

بقول جارج سارٹن تہافۃ التہافت نے مسلمانوں میں بہت مقبولیت حاصل کی لیکن اس نے ان پر کوئی اثر نہ چھوڑا۔

عقل ایسی شے ہے کہ کوئی اور شے حقیقت میں اس کی مثل نہیں اس لئے عقل کو آفتاب کی مثال کہا جا سکتا ہے کیونکہ عقل اور سورج میں ایک مناسبت ہے۔ نور آفتاب سے محسوسات کا انکشاف ہوتا ہے اور نور عقل سے معقولات کا۔

ابن رشد اور ابن سینا

شیخ الرئیس (بادشاہ علم وحکمت) بوعلی سینا نہ صرف بین الاقوامی طبیب بلکہ عظیم فلاسفر بھی تھے۔ مثلاً دانش نامہ علائی میں اس نے منطق، حکمت خداوندی، ریاضی، علم

فلکیات، موسیقی اور ریاضی جیسے دقیق موضوعات پر خامہ فرسائی کی۔ فلسفہ میں اس کی دوسری معرکۃ الاراء تصنیف کا نام کتاب الشفاء ہے۔ ابن سینا کو طب، فلسفہ اور دوسرے علوم کی تدوین وترتیب میں بہت شہرت حاصل ہوئی۔ منطق میں اس نے نئی چیزیں ایجاد کیں لیکن فلسفہ میں وہ ارسطو کا کورا مقلد تھا۔ جس چیز نے اس کو ان علوم میں افضل مقام عطا کیا وہ یہ تھا کہ اس نے فلسفہ ومنطق کو منظم ومرتب کیا اور مبتدی، منتہی، اور متوسط ہر طبقہ کے لئے کتابیں لکھیں۔ اسی لئے اس کی کتابیں یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم کا حصہ بن گئیں۔ اس کی ایک اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے فلسفہ اور اسلامی عقائد میں تطبیق پیدا کی۔ ہاں الٰہیات میں اس نے ارسطو کے فلسفہ کا ڈھانچہ بالکل بدل دیا، اور متکلمین کے ایسے اقوال شامل کر دئے جن کا ارسطو یا حکمائے یونان سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بقول ابن رشد اس نے کئی اپنے نظریات ارسطو کے نام سے منسوب کر دئے۔

الٰہیات (تھیالوجی) کا ایک مسئلہ یہ ہے: **الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد** یعنی ایک چیز سے صرف ایک چیز ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ تاہم یہ مسئلہ ابن سینا کی ایجاد ہے۔ ابن رشد فرماتے ہیں: "یہ غلط ہے کہ تم اس قول کو قدماء کی کتابوں میں دیکھو، ابن سینا وغیرہ کی کتابوں میں نہ دیکھو، جنہوں نے علم الٰہی میں (یونانیوں) کے مذہب کو بالکل بدل کے رکھ دیا۔ " (تہافت التہافت صفحہ 49)۔

ابن رشد مسئلہ اثبات فاعل کے متعلق فرماتے ہیں: اگر چہ ابونصر اور ابن سینا کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں کہ ہر فعل کے لئے ایک فاعل کا ہونا ضروری ہے، یہی مسلک اختیار کیا ہے، لیکن یہ قدماء کا مسلک نہیں بلکہ ان دونوں نے اس میں ہمارے ہم مذہب متکلمین کی تقلید کی ہے۔ (تہافت التہافت صفحہ 17)

ابن رشد نے کئی مسائل کے متعلق انکشاف کیا کہ وہ ابن سینا کی ایجاد ہیں۔ ایک مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں: " سخت تعجب ہے کہ ابونصر اور ابن سینا سے یہ بات کیونکر پوشیدہ رہی۔ کیونکہ سب سے پہلے ان دونوں نے یہ بات کہی اور دوسرے لوگوں نے ان کی تقلید کی۔ اور اس قول کو فلاسفہ کی جانب منسوب کر دیا" (صفحہ 65) پھر ایک اور جگہ لکھتے ہیں: " یہ تمام اقوال ابن سینا کے ہیں، اور جس نے اس جیسی بات کہی تو وہ اقوال غلط ہیں اور فلسفہ کے اصول کے مطابق نہیں ہیں۔ " (صفحہ 66) ایک اور یہ انکشاف کیا کہ " یہ بات کہ ہر جسم ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہے، تو اجرام سماویہ میں یہ فلاسفہ کا مذہب نہیں، یہ بات صرف ابن سینا نے کہی ہے۔ " (تہافت التہافت صفحہ 71)

الٰہیات کے مذہبی مسائل یونانیوں کے الٰہیات میں موجود ہی نہ تھے۔ ابن سینا نے ان مسائل کو الٰہیات میں شامل کر دیا۔ مثلاً حشر اجساد کے انکار کے متعلق پرانے فلاسفروں کا کوئی قول مذکور نہیں۔ اسی طرح پرانے فلاسفروں نے معجزات پر کوئی بحث نہیں کی۔ ابن رشد فرماتے ہیں: " ان کے مبادی امور الٰہیہ میں ہیں جو عقل انسانی سے بالاتر

ہیں۔ اس لئے باوجود ان کے اسباب کے نہ معلوم ہونے کے ان کا اعتراف کرنا چاہئے، کیونکہ قدماء میں سے کسی نے معجزات پر کلام نہیں کیا " (تہافت التہافت صفحہ 124)

علم الہیات میں ابن سینا نے اس قدر اضافے اور تبدیلیاں کر دیں کہ اس کی شکل ہی بدل گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یونانیوں کا علم الہیات بہت ناقص تھا اس لئے جب تک اس میں متکلمین اسلام کی رائیں اس میں شامل نہ کی جاتیں، یہ علم نامکمل رہتا۔ اس کے ساتھ ابن سینا نے حکمائے قدیم سے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا۔ اس اضافے اور اختلاف کا مقصد حکمت اور شریعت میں تطبیق پیدا کرنا تھا۔ ابن سینا نے ایک اور بڑا علمی کام یہ کیا کہ اس نے تصوف کو علمی اصولوں پر مرتب کیا، اور اس کے مسائل کو عقلی دلائل سے ثابت کیا۔ (52)

جارج سارٹن کی رائے

اس باب کو ہم جارج سارٹن کی رائے پر ختم کرتے ہیں:

Ibn Rushd's originality appeared chiefly in his way of interpreting anew the teachings of the wise men who had come before him. He was primarily a realist, a rationalist. His superiority over Ibn Sena and other Muslim philosophers lay partly in his better knowledge of Aristotle. Ibn Rushd's philosophy was essentially a return to scientific philosophy which was largely stimulated by the opposite tendencies of of Alghazali. Ibn Rushd was at once the greatest and the last of their philosophers. (53)

اب ہم ابن رشد کے نظریات کا مطالعہ کرتے ہیں

فصل ششم

ابن رشد کے نظریات

یورپ میں

یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور حیات ثانیہ ابن رشد کے ذکر لبریز ہے۔ آپ عقلیت کے زبردست نقیب تھے۔ سات سو سال تک آپ عالم اسلام میں گمنام رہے۔ ان کی تصنیفات اصل عربی زبان میں اس وقت یورپ سے شائع ہونا شروع ہوئیں جب 1859ء میں ایم جے میولر (M.J. Muller) نے میونخ سے فصل المقال اور کشف الادلہ کو ایک مجموعہ کی صورت میں شائع کرایا۔ اس کے بعد 1875ء میں بوریرین اکیڈیمی (Bavarian Academy) نے یہی دو کتابیں میولر کے جرمن ترجمہ کے ساتھ شائع کیں۔ عربی میں قاہرہ سے 95-1894ء میں شائع ہوئیں۔ اس کا فرنچ ترجمہ گوتھییر (Gauthier) نے 1905ء میں کیا جبکہ انگلش ترجمہ جمیل الرحمن نے کیا جو برودا (انڈیا) سے 1921ء میں شائع ہوا۔ حیدرآباد سے ایک شاندار کتاب رسائل ابن رشد 1947ء میں منظر عام پر آئی جس میں چھ کتابوں کی تلاخیص شامل تھیں۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا آپ کی تصانیف کی تعداد 87 سے زیادہ ہے۔ ان کتابوں کی اکثریت اسکوریال (سپین) کے کتب خانے میں موجود ہے۔ (راقم الحروف نے اس کتب خانے کو 1999ء میں وزٹ کیا تھا)۔ تاہم اس کے علاوہ آپ کی کتابیں امپریئل لائبریری پیرس، بوڈلین لائبریری (آکسفورڈ)، لارنش این لائبریری (فلارنس اٹلی)۔ وی آنا لائبریری (آسٹریا)، ساربون (فرانس) اور لائیڈن (ہالینڈ) میں موجود ہیں۔ پیرس اور (بوڈلین) آکسفورڈ میں بعض ہاتھ سے لکھے عربی نسخے عبرانی رسم الخط میں لکھے ہوئے ہیں جن سے یہودی عالم استفادہ کیا کرتے تھے۔ آپ کی اصل عربی تصنیفات کے مخطوطات یورپ میں کم ہیں لیکن ان کے لاطینی اور عبرانی تراجم یورپ کے تمام قابل ذکر کتب خانوں میں موجود ہیں۔ تہافت التہافت کا لاطینی ترجمہ 1328ء میں کیا گیا، کہتے ہیں کہ عبرانی زبان میں تورات کے بعد ابن رشد کی تصنیفات سے زیادہ کسی اور مصنف کی اتنی کتب کی اشاعت نہیں ہوئی۔

آپ کی کتب کے لاطینی تراجم جو 1480ء سے لیکر 1580ء تک ایک سو سال میں منظر عام پر آئے ان کی تعداد ایک سو سے متجاوز تھی، صرف وینس (اٹلی) کے مطبع خانے سے آپ کی کتابوں کے جو مختلف ایڈیشن منظر عام پر آئے وہ پچاس سے زائد تھے۔ 1482ء میں کتاب الکلیات اور رسالہ جواہر الکون شائع ہوئیں، پھر 1483ء میں ارسطو کی مکمل تصنیفات ابن رشد کی شرح اور تلخیصات کے ساتھ شائع ہوئیں۔ پیڈوا یونیورسٹی (اٹلی) کے مطبع خانے نے پندرہویں صدی میں آپ کی تصنیفات کا حق طباعت اپنے لئے محفوظ کرلیا ہوا تھا، کیونکہ اب کتابیں پرنٹنگ پریس پر شائع ہونا شروع ہوگئیں تھیں۔

یہ چیز قابل غور ہے کہ 1500ء سے لے کر 1550ء تک ابن رشد وہ کتابیں جن کا تعلق ارسطو سے تھا ان کے تراجم عبرانی سے لاطینی میں کیئے گئے۔ تراجم یہ کام زیادہ تر اٹلی میں ہوا۔ چنانچہ سولہویں صدی کے نصف میں گیارہ جلدوں میں 'ارسطو ابن رشد ایڈیشن' شائع ہوا۔ پھر وینس سے تین مزید ضخیم ایڈیشن شائع ہوئے۔ لیوآن (Lyon) فرانس سے ابن رشد کی شرحوں پر یورپین شرحیں اسی عرصہ میں شائع ہوئیں۔ **(54)**

سب سے پہلے جس شخص نے عبرانی میں آپ کی کتب کے تراجم کیئے وہ جیکب اناطولی (Jacob Anatoli.Naples 1232) تھا اس کے بعد جوڈا کوہن (Judah Cohen) نے عبرانی میں تراجم کیئے۔ جبکہ لاطینی میں سب سے پہلے جس شخص نے ابن رشد کی تصنیفات عالیہ سے یوروپ کو روشناس کرایا وہ مائیکل اسکاٹ Michael (Scott1220) تھا وہ شہنشاہ فریڈرک دوم آف سسلی (قیصر جرمنی) کا درباری مترجم تھا اس نے سب سے پہلے شرح کتاب السماء والعالم، اور شرح مقالہ فی الروح کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔ پھر اس نے مقالہ فی الکون والفساد اور جواہر الکون کے تراجم کیئے۔ لاطینی میں ارسطو کی جن کتابوں کے مائیکل نے تراجم کیئے وہ یہ ہیں (De Caelo, De Anima, Physica, Metaphysics, Meteorlogica, De Generatione Animalum, Parva Naturalia) یوں ابن رشد کی وفات کے صرف پچاس سال بعد یورپ اس کے نام متعارف ہو چکا تھا۔

مائیکل کے علاوہ ہیرمن دی جرمن (Herman the German) نے بھی ارسطو کی کتابوں اور شرحوں کے تراجم میں حصہ لیا۔ راجر بیکن کا کہنا ہے کہ عہد وسطیٰ میں ارسطو ازم کے احیاء کا سراسر ذمہ دار مائیکل سکاٹ تھا۔ ابن رشد کی ان شرحوں کے ذریعہ یورپ سائنس اور مذہب میں مطابقت جیسے مسائل سے آگاہ ہوا، اور یوں عقلیت پسندی کی تحریک نے جنم لیا۔ اس تحریک کے شروع ہونے سے یورپ افلاطون (ارسطو کے استاد) کے نظریات کے طوق سے آزاد ہو گیا۔

ابن رشد سے پہلے اسلامی ممالک میں مسلمان فلاسفروں (الفارابی، ابن سینا) نے ارسطو کے نظریات کو سمجھنے اور بیان کرنے کی کوشش کی، مگر بجائے سلجھانے کے انہوں نے ارسطو کے خیالات کو، مزید گنجلک میں ڈال دیا۔ ابن رشد نے یہ کام کیا کہ انہوں نے ارسطو کو دوبارہ دریافت کیا، اس کے خیالات کو عمدہ رنگ میں بیان کیا، یہی چیز یورپ والوں نے ابن رشد کی کتابوں کے تراجم سے حاصل کی۔ چنانچہ یونیورسٹی آف پیرس، یونیورسٹی آف پیڈوا (اٹلی) میں ابن رشد کی کتابیں نصاب میں شامل تھیں اور ان کے فلسفیانہ خیالات کا مطالعہ خاص طور پر کیا جاتا تھا۔ ابن رشد کے خیالات اور نظریات سے ہی یورپ میں کرسچین سکولیس ٹے سزم (scholasticism) کا آغاز ہوا۔

72

یورپ کے علماء اور حکماء کے لئے ابن رشد کی کتابوں میں حقیقی معنوں میں حکمت کے خزانے پوشیدہ تھے۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے وہ نئے نئے آئیڈیاز سے متعارف ہوئے جنہوں نے یورپ کے علمی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا۔ تیرھویں صدی سے لے کر سولہویں صدی تک یورپ کے سکالروں کے درمیان ان کے خیالات گرما گرم بحث کا موضوع بنے رہے، حتکہ چرچ بھی اپنے اعتقادات بدلنے پر مجبور ہو گیا۔ 1230ء کے بعد جب ابن رشد کی کتابیں یورپ میں مقبول عام ہونے لگیں تو لوگوں نے ان کا کھلے ہاتھوں استقبال کیا۔ مگر چرچ کو یہ اچھا نہ لگا اور پوپ گریگوری نہم (Pope Gregory IX) نے ایک کمیشن بٹھایا تا اس بات کا فیصلہ کیا جاسکے کہ کون سی کتابوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ پیرس میں سیگر آف برابانٹ (Brabant) اور بوتھیس آف ڈاسیا (Botheius of Dacia) پر ابن رشد کا چیلا ہونے کا الزام عائد کیا گیا۔ اٹلی میں ڈانتے پر ابن رشد کا پیروکار ہونے کا الزام لگا کر اس کی وفات کے بعد اس کی کتاب ڈی مونارکیا (de Monarchia) کو پوپ جان بائیس (Pope John XXII) کے حکم پر نذر آتش کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ ڈانتے نے آپ کو شارح اعظم (che'l gran comento feo) کا خطاب نوازا تھا۔

ابن رشد کی شرحوں نے یہودیوں اور عیسائیوں دونوں اقوام پر زبردست چھوڑا۔ آپ کا نام بطور اتھارٹی کے لیا جاتا تھا یعنی ان کی رائے سند سمجھی جاتی تھی۔ اہل یہود میں ان کے زبردست مفکر موسیٰ ابن میمون (1204ء) آپ کے اعتقادات سے اور عیسائیوں میں اٹلی کا ڈومنیکن راہب سینٹ ٹامس ایکوئے ناس (1274ء) اور البرٹ دی گریٹ (1280ء) بہت متاثر تھے۔ کشف عن المناہج میں آپ نے خدا کی ہستی پر اظہار خیال کیا اور اس کے ثبوت پیش کیئے۔ اگرچہ اس کتاب کا لاطینی میں ترجمہ نہیں ہوا تھا مگر ٹامس ایکوئے ناس کی مایہ ناز تخلیق سماتھیولوجیکا (Summa Theologica) میں جن مسائل پر گفتگو کی گئی وہ ارسطو کے ایسے ملتے جلتے خیالات پر منحصر تھے جو ابن رشد نے پیش کیئے تھے۔ غرضیکہ کرسچین فلاسفی اور تھیالوجی پر آپ کے یونانی اور اسلامی نظریات کا اثر گہرا تھا۔ بقول سر ٹامس آرنلڈ مغرب کی عیسائیت کا قلعہ ایکوئے ناس کی کتاب 'سماتھیولوجیکا' میں اسلامی آئیڈیاز کی بھرمار اس اعتراض کا صریح توڑ ہے کہ مسلم تھنکرز میں اوریجنل آئیڈیاز کی کمی تھی۔

یورپ میں جب ان شرحوں کی تشہیر ہوئی اور لوگوں نے ان کا مطالعہ کیا تو ان پر ارسطو کی بے پایاں حکمت کی حقیقت عیاں ہوئی اور انہوں نے افلاطون کی کتابوں کا مطالعہ ترک کر دیا۔ آپ کے آئیڈیاز اپنے دور سے بہت آگے تھے جن کو لوگ ان کی سوفسٹی کیشن (sophistication) کی وجہ سے سمجھ نہ سکتے تھے جس کی واضح مثال نظریہ

ارتقاء ہے۔ ملاحظہ فرمائیے درج ذیل رائے: His ideas were far too advanced for the world of his time . thanks to Averroes the seeds of Renaissance were sown in Europe.

آپ کے نظریات کا یوروپ پر اثر کی ایک مثال یہ ہے کہ تیرہویں صدی میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ روح مادی اوصاف سے بری نہیں ہے اور مرنے کے بعد یہ قبر کے گردوپیش منڈلاتی رہتی ہے۔ اور یہ کہ روح جہنم میں جسمانی عذاب میں مبتلا ہوگی۔ لیکن ابن رشد کے فلسفہ کی بدولت یہ عقیدہ بدل گیا اور لوگ ماننے لگے کہ روح مادہ سے بلکل الگ جوہر ہے، اس پر جسمانی عتاب نہیں بلکہ روحانی عذاب ہوگا۔ ابن رشد کے فلسفہ کی بدولت یوروپ میں ماہیت روح کے متعلق عامیانہ عقیدوں کی بجائے روح کی اعلیٰ حقیقت کا تخیل پیدا ہوگیا۔ ڈیکارٹ (Descarte) روح کے جسم سے الگ ایک جوہر ماننے کے عقیدہ کا بانی خیال کیا جاتا ہے حالانکہ اس نے یہ نظریہ ابن رشد سے سیکھا تھا۔

یورپ میں کیتھولک چرچ نے آپ کو ملحد و بے دین تین باتوں کی وجہ سے قرار دیا تھا: عالم قدیم سے ہے، عالم کے حادث ہونے سے انکار، اور تمام ارواح کا اتحاد۔ یہ الزامات غلط تھے کیونکہ عیسائی پادریوں کو آپ کے نظریات سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی تھی، نیز آپ کی کتابوں کے تراجم میں سقم تھا، آپ نے کیا کہا اور ترجمہ کرنے والے نے کیا مطلب لیا، یہی چیز شدید غلط فہمی کا باعث ہوئی۔ رینان ہماری رائے سے اتفاق کرتا ہے، ملاحظہ فرمائیں اس کی رائے: رشدی تحریک ماسوا غلط فہمیوں کے سلسلہ کے کچھ بھی نہیں ہے۔

The history of Averroeism is nothing but a series of misunderstandings

عالم قدیم ہے اس مسئلہ پر ایک لمحہ کے لئے ان کی رائے پر غور فرمائیں: "عالم قدیم ہے، یعنی اپنے خالق کے ساتھ اس کو معیت زمانی حاصل ہے اور اگر فرض کرو کہ صانع عالم اپنی مصنوعات پر بالزمان مقدم ہو بھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقدم و تاخر زمانی تو خود زمانیات میں سے ہیں۔ پس یہ تقدم یا زمانہ میں ہوگا یا زمانہ میں نہ ہوگا۔ اگر زمانہ میں تقدم نہیں ہے تو اس سے لازم آگیا کہ صانع عالم کو اپنی مصنوعات پر تقدم زمانی حاصل نہیں ہے اور اگر زمانہ میں اس کو تقدم زمانی حاصل ہے تو زمانہ کو غیر مخلوق ماننا پڑے گا۔ غرض اگر ہم یہ مان لیں کہ صانع عالم کو بھی صانع غیر طبعی کی طرح اپنی معلومات پر تقدم زمانی حاصل ہے تو بعض شکوک پیدا ہوں گے جن کا جواب ناممکن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مادہ اور صورت دونوں غیر مخلوق اور ازلی ہیں۔ یعنی خالق عالم ان سے مقدم ہے لیکن زماناً دونوں خالق عالم کے ہم عصر ہیں۔ " (مابعد الطبیعۃ مقالہ ثالثہ)

73

عہد وسطیٰ کی کیتھولک فلاسفی کا واحد مقصد آپ کے نظریات کا ابطال تھا۔ آپ کے نظریات کا اثر قرون وسطیٰ اور نشاۃ ثانیہ کے متعدد مفکرین میں دیکھا جا سکتا ہے جیسے جرمنی کے کارڈینل نکولس آف کوسا (Nicholas of Cusa)، کوپرنیکس، اور جیرارڈو برونو۔ یاد رہے کہ برونو پہلا سائنس دان تھا جس نے متعدد تہلکہ خیز نظریات سے دنیا کو آگاہ کیا تھا جیسے: نہ صرف زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے، بلکہ سورج بھی حرکت کرتا ہے ، یہ کائنات لامحدود ہے، ہمارے سیارے کا نظام کائنات کا مرکز نہیں ہے، نظام شمسی سے دور ستارے بذات خود ایسے ہم پلہ نظاموں کے مرکز ہیں۔

یوروپ پر آپ کے نظریات کے اثر کی ایک اور مثال یہ ہے کہ جدید سائنس جس کے بانی بیکن (Bacon)، ڈیکارٹ (Descartes)، گلیلیو (Galileo) اور نیوٹن (Newton) تھے ان کے مطابق عالم کائنات مادہ (Matter) اور قوت (Force) کی رزم گاہ ہے، یہ دونوں ازلی ہیں۔ قوت کبھی فنا نہیں ہوتی بلکہ صورتیں بدل لیتی ہے چنانچہ برق اور حرارت اس کی متعدد اشکال ہیں۔ یہ فلسفہ بھی ابن رشد کے فلسفہ کی آواز بازگشت ہے جو کائنات کے ازلی و ابدی ہونے پر اصرار کرتے تھے بلکہ اس کو ایک عقل عام کا مظہر بتلاتے تھے، اور اسی قوت (فورس) سے عالم کی ابتداء ہوئی۔

علم کیا ہے؟ ابن رشد کے نزدیک علم دو حصوں پر مشتمل ہے: خدائی علم اور انسانی علم۔ خدا کے علم کا طریقہ یہ ہے کہ چونکہ خدا کو اپنی ذات کا علم ہے اس لئے جزئیات کا علم اس کا منطقی نتیجہ ہے۔ ارسطو نے خدا کے علم کو اس کی ذات کے علم میں بلاشرکت غیر قرار دیا تھا۔ ابن رشد نے اس نظریہ کی سب سے عمدہ تعبیر کی، وہ یہ کہ خدا چونکہ جانتا ہے کہ وہ کائنات کا مسبب الاسباب ہے اس لئے جو نتائج اس کی ذات سے نکلتے وہ اسباب کہلاتے۔ قرون وسطیٰ کے سکولیسٹک (scholastic) حلقوں میں یہ تشریح ہر ایک نے تسلیم کی۔ تھامس ایکوئے ناس نے اس تعبیر سے اتفاق کیا اور کہا کہ ارسطو کی بات ٹھیک ہے کہ خدا چونکہ اپنے بارے میں مکمل علم رکھتا ہے اس لئے وہ تمام اشیاء کا علم رکھتا ہے۔

(Averroes, Majid Fakhry, Oneworld, oxford, 2001, page 22)

یوروپ میں ابن رشد کے فلسفہ پر تین دور گذرے (۱) پہلے دور میں کتابوں کے محض ترجمے کئے گئے (۲) ترجموں کی اشاعت کے بعد دوسرے دور میں ابن رشد کے

مقلد پیدا ہوئے جو اس کی کتابوں کی تحشی و تفسیر لکھتے تھا۔ چنانچہ پیڈوا (اٹلی) کے پروفیسروں کا یہی حال تھا (۳) اور بعض واقعی اس کے مقلد جامد ہوتے تھے۔

ابن رشد کے فلسفہ کا سب سے زیادہ اثر فرانسسکن فرقہ میں نظر آتا تھا جس کا صدر مقام آکسفورڈ میں تھا۔ راجر بیکن (Bacon) کا تعلق اسی فرقہ سے تھا اس نے ابن رشد کی تلخیص طبیعات (Epitome of Physics)، شرح مقالہ فی الروح، شرح مقالہ فی السماء والعالم سے بہت سے اقتباسات اپنی کتاب میں ہو بہو نقل کئے۔ اس کے برعکس ڈومنی کن (Dominican) فرقہ ابن رشد کے فلسفہ کا سب سے زیادہ مخالف تھا چنانچہ سینٹ ٹامس ایکوئے ناس (Acquinas) نے اپنی کتاب **رد ابن رشد** میں ان پر شدید حملے کئے تھے۔ اسی طرح ایک عیسائی عالم آرنلڈ آف ویلانووا (Arnold of Vilanova 1240-1311) نے ابن رشد کی کتابوں کا مطالعہ محض اس لئے کیا تا وہ ان میں غلطیاں تلاش کر سکے۔ اس نے افسوس کا اظہار کیا کہ کرسچین تھاٹ کا انحصار بے دین (مسلمان) عالموں کی تعلیمات پر ہے۔ ابن رشد کے نظریات کو رد کرنے کے لئے اس نے ان کے نظریات میں ملاوٹ کر کے ان کو اپنی طرف سے پیش کیا۔

ابن رشد اور یہودی سکالرز

تیرھویں صدی میں مائیکل اسکاٹ نے ارسطو کی جن کتابوں کے تراجم کئے وہ یہ ہیں: Zoology, Physics, On the heavens, On Actions and Passions, Meteorology, on Generation & corruption۔ ان تراجم کا لوگوں نے کوئی خاص مطالعہ نہ کیا لیکن جب یورپ میں یونیورسٹیوں کا آغاز ہوا تو آرٹس کے نصاب کے لئے ان کو شامل کر لیا گیا۔ مائیکل اسکاٹ ٹولیڈو (سپین) سے ہجرت کر کے فریڈرک دوم کے دربار میں گیا تو وہاں جا کر اس نے ابن رشد کی جن شرحوں کے تراجم کئے ان میں On the Heavens, On the Soul, Physics, Metaphysics شامل ہیں۔ بادشاہ کے درباری فلاسفر تھیوڈور آف انٹیاک (Theodore of Antioch) نے ابن رشد کی شرح Proemium to the Physics کا ترجمہ کیا نیز ایک اور درباری ولیم آف لونا (William of Luna) نے Categories, De interpretatione کے تراجم کئے۔

عیسائی سکالرز نے جب ابن رشد کی عربی میں لکھی کتابوں کے تراجم کرتے تو یہودی سکالرز ان کے ترجمان کے طور پر کام کرتے تھے۔ یہ طریق چودھویں صدی کے شروع تک مروج رہا جب کالونے مس بین مائر (Calonymus ben Meir) نے تحافت التحافت کا ترجمہ نیپلز کے بادشاہ رابرٹ آف انجو (Robert of

Anjou) کے لئے کیا۔ تیرھویں صدی کے ختم ہونے سے قبل عربی کتابوں کے لاطینی تراجم عبرانی تراجم سے کئے جانے لگے کیونکہ یہودی عالموں نے سپین سے ہجرت کرنے کے بعد یورپ پہنچ کر عربی کی بجائے عبرانی زبان استعمال کرنا شروع کر دی تھی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ انہوں نے فلاسفی کی متعدد کتابوں کے تراجم عبرانی میں کر دئے۔ یوں ابن رشد کی 38 تفاسیر اور شرحوں میں سے 15 کے تراجم عبرانی میں ہوئے۔ ان میں سے اولین ترجمہ سسلی کے بادشاہ فریڈرک دوم کے درباری مترجم جیکب اناطولی نے Die Interpretatione کی شرح متوسط کا ترجمہ کیا۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں فرانس، کیٹالونیا، اٹلی میں جن مترجمین نے تراجم کئے ان میں موسز ابن طبون (Moses ben Tibbon)، لیوی بن جیرسان (Levi Ben Gerson)، موسز آف ناربون (Moses ben Narbonne)، زکریا ابن آئزک (Zerachia ben Isaac) شامل ہیں۔ ان عالموں نے نہ صرف ابن رشد کی شرحوں کے ترجمے کئے بلکہ ان پر سپر کامنٹریز لکھیں۔

(History of Islamic Philosophy, M. Fakhry, Columbia University Press, NY, 2004, page 285)

پوپ لیو دہم (Pope Leo X) اور کارڈینل گریمانی (Cardinal Grimani) کی سرپرستی میں نئے تراجم بھی کئے گئے۔ اس کی فہرست درج ذیل ہے:

ایلاس ڈیل میڈیگو (Elias del Medigo)	Metaphysic, Prior Analytics
پالوس اسرائیل (Paulus Israelita)	On the Heavens
ابرام ڈی بالمیر (Abram de Balmes)	Topics, Rhetoric, Poetics

جوہانس بورانا (Johannes Burana) Prior Analytics, Posterior Analytics

وائی ٹالس نی سس (Vitalis Nissus) On Generation & Corruption

جیکب مان ٹی نس (Jacob Mantinus) اس نے ابن رشد کی دس شرحوں کے تراجم از سر نو کئے، اور افلاطون کی جمہوریہ کے 1549ء

قابل ذکر بات یہ ہے کہ 1530ء کے بعد پرنٹنگ پریس پر کتابوں کے شائع ہونے پر پرانے تراجم اور نئے تراجم اکٹھے ایک جلد میں شائع کئے گئے۔ 1550ء میں وے نس (اٹلی) میں ارسطو کی کتابوں کے مجموعہ (Corpus) اور ابن رشد کی شرحوں کو مکمل سیٹ کی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کے مزید ایڈیشن 1562ء اور 1573ء میں منظر عام پر آئے۔

سولہویں صدی میں یورپ کے سکالرز میں عربی زبان سیکھنے کا رجحان پیدا ہوگیا کہ وہ عربی کتابوں کا مطالعہ براہ راست کریں۔ چنانچہ عربی کی گرامر اور ڈکشنری غرناطہ کے عالم پیدرو اکالہ (Pedro Alcala) نے 1505ء میں شائع کی۔ ایک عرب سکالر الحسن غرناطی (1485-1554 تیونس) جس کو اغوا کر لیا گیا تھا اور جس کا عیسائی نام پوپ لیو دہم نے لیو افریکانس (Leo Africanus) رکھدیا تھا اس نے عرب عالموں کی سوانح عمریوں پر 1518ء میں کتاب لکھی۔ ایک کتاب بنام تھیالوجی آف ارسٹاٹل دمشق میں دستیاب ہوئی جو 1519ء میں روم سے شائع ہوئی تھی۔ اینڈریو الپاگو (Andrew Alpago) نے ابن سینا کی کتاب القانون کے لاطینی پر نظر ثانی کی۔ 1584ء میں عربک پریس روم میں پرنٹنگ کے لئے لگائی گئی جس کا سرپرست میڈیسی (Medici) خاندان تھا۔ یورپ کی یونیورسٹیوں میں عربی کی تعلیم دی جانے لگی اور گیلام پوسٹل (G. Postel) نے 1535ء میں پیرس میں یورپ کی سب سے پہلی عرب چیئر (Chair) قائم کی اور عربک گرامر کی کتاب لکھی۔ ایڈورڈ پوکاک (Pococke) نے عربک ہسٹری پر کتاب لکھی جس میں ممتاز مسلمان فلاسفروں کے حالات زندگی اور آئیڈیاز پیش کئے گئے۔ اس نے ابن طفیل کے ناول حی ابن یقظان کا ترجمہ کیا اور اس کے بیٹے اس کو عربک ٹیکسٹ کے ساتھ شائع کیا۔ یورپ کی یونیورسٹیوں میں اسلامک فلاسفی کے اثر کا تحت سائمن وین ری ایٹ (Simone van Riet) نے ابن سینا کی کتابوں کے مجموعہ کے لاطینی تراجم اور ابن رشد کی کتابوں کے مجموعہ (Corpus Averroicum) کو شائع کیا۔

ابن رشد اور سیکولرازم

چودھویں صدی کے شروع نصف میں میں یونیورسٹی آف پیڈوا (اٹلی) کے ممتاز پروفیسروں نے رشدی تحریک کی شمع کو لو دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ چاہے یہ فلاسفی کی فیلڈ تھی یا میڈیسن۔ ان اساتذہ میں قابل ذکر نام یہ ہیں: گریگوری آف رمنی (Gregory of Rimini)، جیروم فیراری (Jerome Ferari)، جان آف جندون

(John of Jandun)، اربانو آف بولونیا (Urbano of Bologna)، پی ائیر آف ابانو (Pierre of Abano)۔ ان جملہ ممتاز اساتذہ میں سے جان آف جندون (وفات 1328ء) سب سے مشہور استاد تھا جس کے دل میں ابن رشد کے لئے بہت احترام تھا۔ اس نے ابن رشد کو "صداقت کا نڈر محافظ" کا خطاب دیا تھا۔ وہ کائنات کے قدیم سے ہونے، عقل کل اور شخصی حیات جاودانی کے ناممکن ہونے پر فلسفیانہ طور پر یقین رکھتا تھا۔ رشدی تحریک میں سب سے متنازع نظریہ یعنی مادہ کے بغیر کائنات کے تخلیق (ex nihilo) ہونے کو وہ نا قابل تسلیم سمجھتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میرے نزدیک خدا ایسا کر سکتا ہے، کس طرح؟ مجھے معلوم نہیں، صرف خدا ہی جانتا ہے۔ قرآن حکیم نے اپنے ایجاز بلاغت سے ex nihilo کا ثبوت اس آیہ کریمہ میں پیش کیا ہے: **الذی جعل لکم من الشجر الاخضر ناراً فاذا انتم منہ توقدون** (36:81) ترجمہ۔ وہ ایسا قادر ہے کہ (بعض) ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے، پھر تم اس سے مزید آگ سلگاتے ہو۔

جان آف جندون کا دوست اور رفیق کار مارسیلیس آف پیڈوا (Marsilious of Padua 1343) تھا۔ ان دونوں نے مل کر ایک سیاسیات پر مشہور کتاب امن کا محافظ (Defensor Pacis) لکھی جس میں ابن رشد کے سیاسی نظریات روشن طریق سے آتے تھے۔ مصنف نے کہا کہ عقل اور مذہب کو فلسفیانہ طور پر الگ الگ ہونا چاہئے نیز چرچ اور اسٹیٹ کو سیاسی سطح پر الگ الگ ہونا چاہئے۔ یہ نظریہ ابن رشد کی تعلیمات میں سے اخذ کیا گیا تھا۔ بعد میں یہ نظریہ یورپ کے اکثر ممالک میں ان کے آئین کا حصہ بن گیا اور چرچ اور اسٹیٹ کو الگ الگ کر دیا گیا۔ یہ ابن رشد کی علمی فضیلت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس زبردست تصور (concept) سے یورپ میں عقلیت پسندی اور انسان دوستی (rationalism & humanism) کی سحر نمود ہوئی اور اس کی اشاعت سب سے پہلے چودھویں صدی میں برپا ہونے والی اطالین نشاۃ ثانیہ میں کی گئی اور یہ بالآخر رینے ڈیکارٹ (Rene Decartes) کی ریاضیاتی عقلیت (mathematical rationalism) میں منتج ہوئی جسے اب ماڈرن فلاسفی کا باوا آدم تسلیم کیا جاتا ہے۔ ضمناً یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اس آئیڈیا سے سیکولرازم کا آغاز ہوا، اور یورپ کے پولیٹیکل ٹھاٹ میں ایک نئے سنہری دور کا آغاز ہوا۔ اس سیاسی نظریہ سے ڈانٹے ایلی

گھیری (Dante Alighieri 1321) نے بھی اتفاق کیا تھا۔

اٹلی کا ممتاز شاعر ڈانتے ایلی گھیری فلورنس کا رہنے والا تھا۔ اس نے اپنی شاہکار تصنیف ڈی مونارکیا (De Monarchia) میں ابن رشد کی تھیوری آف ان ٹلیکٹ (theory of intellect) کو بنیاد بنا کر ایک نئی سیکولر تھیوری آف سٹیٹ پیش کی۔ اس تھیوری کا مقصد پوپ کے اس دعوٰی کو چیلنج کرنا تھا کہ ہر بادشاہ مسیح کے ارضی نائب (پوپ) سے حکومت کے اختیارات حاصل کرتا ہے بجائے خدا کے۔ ڈانتے نے ابن رشد کے نظریہ سے اتفاق کیا کہ انسان کا جوہر (essence) اس بات میں ہے کہ وہ موجودات کا فہم عقل سے حاصل کرتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو کسی شخص کو ادنیٰ اور اعلیٰ انسانوں میں ممیز کرتی ہے۔ ابن رشد تمام انسانوں میں عقل واحدہ (unity of intellect) پر یقین رکھتے تھے جس میں تمام انسانیت شریک ہے۔ اس زبردست نظریہ سے ڈانتے نے یہ منطقی نتیجہ نکالا کہ تمام انسانیت سیاسی طور پر ایک قوم ہے۔ اس نے مزید کہا کہ پوری انسانیت ایک متحدہ کمیونٹی ہے جو ارفع مقاصد کے حصول میں کوشاں ہے یعنی آفاقی امن اور ارضی مسرت و آرام۔

اس کے علاوہ چودھویں صدی میں رشدی تحریک کے جو نامور حامی اٹلی میں ہو گزرے ان کے نام یہ ہیں: پال آف وینس (Paul of Venice)، پال آف پرگولا (Paul of Pargola)، نکولس آف فولینو (Nicholas of Foligno)۔ پندرھویں صدی میں مائیکل ساوانورولا (Michael Savonarola) اور پوپو نازی (Pompanazzi 1525) نے رشدی تحریک کا علم بلند کئے رکھا۔ سترھویں صدی میں اس تحریک کے بڑے بڑے علمبردار درج ذیل سکالر تھے: نکولیٹی (Nicoletti)، ویرنیاس (Vernias)، نے فس (Niphus) اور ذی مارا (Zimara)۔ ان لوگوں نے ارسطو اور ابن رشد کی کتابوں پر خود اپنی زبانوں میں شرحیں لکھیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان سب سکالرز کے نزدیک ابن رشد ارسطو کا سب سے مسلمہ شارح تھا۔

فصل ہفتم

ابن رشد
عصر حاضر میں

جیسا کہ بیان کیا گیا ابن رشد کی شہرت کا پرچم یورپ پر تیرھویں صدی سے لے کر سولھویں صدی تک لہراتا رہا۔ اس کے بعد نشاۃ ثانیہ کا دور دورہ تھا اور خود وہاں اس بلند پایہ کے عالم پیدا ہو گئے کہ انہوں نے بنجر یورپی دماغوں کو سیراب کرنا شروع کر دیا۔ انیسویں صدی میں ایک بار پھر ابن رشد کی زندگی میں دلچسپی پیدا ہوئی، اور انیسویں صدی کو ایج آف این لائٹ منٹ (enlightenment) کہا جانے لگا۔ بعض کا یہ دعویٰ تھا کہ ابن رشد کے عالمانہ اور فلسفیانہ نظریات کے طفیل اس تحریک کا آغاز ہوا۔ اس احیائے ثانی میں جن عالموں نے عمدہ کردار ادا کیا ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

تامس وان ارپ Thomas van Erpe

یورپ جس عالم نے سب سے پہلی بار یہ کہا کہ ابن رشد کی کتابوں کا مطالعہ اصل عربی میں کیا جانا ضروری ہے وہ ہالینڈ کا عالم ٹامس وان ارپ (1584-1624ء) تھا۔ اس نے خود یورپ بھی کسی زبان میں سے پہلی بار عربی کی گرائمر تصنیف کی۔ اس نے فلاسفی کے طالب علموں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: خوب یاد رکھو کہ ارسطوئے ثانی (میرا مطلب ابن رشد ہے) کا مطالعہ اس کی اپنی زبان میں کس قدر بنیادی ہے۔

ایم جے مولر Marcus J. Muller

جرمن عالم مارکس جے مولر (1809-1874ء) پہلا شخص ہے جس نے درحقیقت ابن رشد کا نام صدیوں بعد لوگوں کے ذہنوں میں تازہ کیا۔ اس نے تین کتابوں فصل المقال، ضمیمہ، اور کشف الادلہ کا ترجمہ کسی ماڈرن یورپی زبان میں کیا۔ اس نے یہ ترجمہ اسکوریال میں محفوظ ایک پرانے مخطوطہ کو ملحوظ رکھ کر کیا تھا۔ 1935ء تک ان تین کتابوں کے تمام ایڈیشن بشمول ان کے جو عرب دنیا میں شائع ہوئے تمام کے تمام ایم جے مولر کے ایڈیشن پر کی نقل ہوتے تھے۔

ارنسٹ رینان Ernst Renan

یورپ میں سب سے پہلے جس شخص نے ابن رشد کی نہایت عمدہ، مستند اور جامع سوانح عمری لکھی وہ فرانس کا مشہور فلاسفر اور تاریخ داں ارنسٹ رینان (Ernst Renan 1823-1892ء) تھا۔ جوانی کی عمر میں وہ پادری بننا چاہتا تھا اس لئے ساربون (Sorbonne) کی سیمیناری میں اس نے تعلیم حاصل کی۔ 1849ء میں اس کو ایک سائنسی مشن پر اٹلی بھیجا گیا۔ اگلے سال اس کا تقرر پیرس کی نیشنل لائبریری میں لائبریرین کے بطور ہوا۔ ابن رشد کی زندگی پر 1852ء اس نے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جس کا عنوان تھا Averroes et l'Averroism۔ 1860ء میں اس کو مشرق کے اسلامی ممالک میں خاص مشن پر بھیجا گیا، یوں اس کو مشرقی زبانوں اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا موقعہ مل گیا۔ 1862ء اس کا تقرر بطور عبرانی زبان کے پروفیسر کے پیرس میں ہوا۔ اس نے کئی کتابیں لکھیں جس میں سے اہم ہسٹری آف کرسچین ٹی ہے۔

رینان کی سوانح عمری کی اشاعت کے بعد عربوں کو خیال ہوا کہ ابن رشد تو ہمارا ہے لیکن یورپ والے اس پر قبضہ کر بیٹھے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد ابن رشد کی سوانح عمریاں عربی میں منصۂ شہود پر آنا شروع ہوئیں اور اب تک درجنوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ عہد حاضر میں شائع ہونے والی اور ابن رشد کی یاد کو زندہ رکھنے والی ان جدید کتابوں کی فہرست اس باب کے آخر پر دی جا رہی ہے۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے اس بات کا اعادہ ہوتا ہے کہ انسان تو مر جاتا ہے مگر آئیڈیاز کبھی نہیں مرتے۔ ابن رشد کی کتابیں قرطبہ میں جلائی گئیں مگر ان کے نظریات ان کتابوں کے جلنے سے راکھ نہ ہوئے۔ ابن رشد اب بھی دلوں اور دماغوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ جب ایک دفعہ کوئی آئیڈیا جڑ پکڑ لے تو پھر اس کے درخت بننے میں کوئی رکاوٹ کام نہیں آتی۔

ابن رشد کی فلاسفی کا علم اس نے تمام کا تمام لاطینی اور عبرانی کتابوں سے حاصل کیا تھا۔ اس کے ساتھ اس نے ابن رشد کی سوانح عمری کے لئے ابن الابار، الانصاری، ابن ابی اصیبعہ، الذھابی کی لکھی ہوئی ابن رشد کی سوانح عمریوں کو پیش نظر رکھ کے ان کا تنقیدی جائزہ پیش کیا۔ چنانچہ ارنسٹ رینان نے جس طریق سے ابن رشد کی جو تصویر پیش کی وہی اسلامی دنیا میں قابل قبول سمجھی گئی۔ اس تصویر میں اب تک کوئی اور عالم رنگ نہیں بھر سکا۔ مثلاً رینان نے کہا کہ اسلامی دنیا میں انحطاط ابن رشد کی وفات (1198ء) کے بعد شروع ہوا، یہ انحطاط انیسویں صدی میں اسلامی نشاۃ ثانیہ (نہضہ Renaissance) کی سحر طلوع ہونے سے ہوا۔ یہ نشاۃ ثانیہ یورپین آئیڈیاز کے اسلامی دنیا میں فروغ سے شروع ہوئی۔ بقول رینان ابن رشد کی وفات (1198ء) کے بعد مسلمانوں میں اگلے چھ سو سال کیلئے آزادی فکر (فری تھاٹ) ختم ہو گئی اور قرآن کا تسلط ہو گیا۔ 1198ء میں چھ سو سال جمع کریں تو تاریخ 1798ء بنتی ہے جب فرانس نے نپولین کی قیادت میں مصر پر قبضہ کر لیا۔ رینان کا دعویٰ ہے کہ نپولین کے مصر میں آنے سے اسلامی دنیا میں ماڈرنٹی کا آغاز ہوا۔ یورپین مؤرخ اس چھ سو سال کے عرصہ کو اسلامی دنیا کا تاریک دور (dark age) خیال کرتے ہیں جس سے ہم اتفاق نہیں کرتے کیونکہ اسی عرصہ میں ہندوستان میں مغل حکومت اور ترکی میں سلطنت عثمانیہ نے جو کارنامے سر انجام دئے وہ درحقیقت سنہری دور ہیں۔

رینان نے ابن رشد کی وفات کی تاریخ کو اسلامی دنیا کی ذہنی اور علمی زوال کا نقطہ آغاز قرار دیا تو مشرق و مغرب میں اس نقطہ نظر کو اس قدر قبولیت حاصل ہوئی کہ گویا یہ فیشن بن گیا۔ ایک اور مصنف کوگل گن (Kugelgen) کے مطابق ابن رشد کی موت (تاریخی نقطہ نظر سے) یورپین اور اسلامک انٹلیکچوئیل ہسٹری کے لئے ٹرننگ پوائنٹ بن جاتی ہے۔ ابن رشد یورپین کلچر کے عروج کی علامت اور اسے نظر انداز کرنے کا مطلب اسلامک کلچر کا زوال ہے۔ وہ کہتا ہے "Averroes death becomes the turning point for European as well as Islamic intellectual history. Averroes becomes the symbol of the rise of European culture; to neglect him stand for the downfall of Islamic culture" (56)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جمال الدین افغانی اور رینان کے درمیان خط و کتابت ہوئی تھی۔ یونیورسٹی آف قاہرہ میں رینان کی یاد میں ایک اجلاس 1923ء میں ہوا تھا۔

میکس ہورٹن Max Horton

میکس ہورٹن (1874-1945) نے اپنی ساری زندگی اسلامی فلاسفی کے مطالعہ میں گزار دی۔ اس نے الفارابی، ابن سینا، شیرازی، الرازی، الطوسی، رشید رضا اور محمد عبدہ کی زندگیوں کا مطالعہ کیا۔ ابن سینا کے بعد اس نے ابن رشد کی زندگی پر بہت کچھ لکھا مثلاً تہافت التہافت کا اس نے خلاصہ جرمن میں تیار کیا نیز ابن رشد کی میٹافزکس پر کتاب لکھی۔ اس کے نزدیک ابن رشد اسلام اور قرآن کا سب سے بڑا دلائل سے ثابت کرنے والا داعی (apologist for Islam & Quran) تھا۔

ارنسٹ بلاک Ernst Bloch

ارنسٹ بلاک (1977-1885) ممتاز جرمن فلاسفر تھا جس نے ابن سینا اور ابن رشد کے فلسفیانہ خیالات کو اپنی فلاسفی کا حصہ بنایا۔ سولہ سال تک توبنگن یونیورسٹی (جرمنی) میں پروفیسر رہا۔ اس کے نزدیک ابن سینا، ابن طفیل اور ابن رشد نے سیکولر نظام کو مذہبی نظام سے الگ کر کے مذہب اور فلسفہ میں امتیازی فرق بیان کیا۔ اس کے نزدیک ابن سینا اور ابن رشد وحدت الوجودی تھے، اور مذہب کے طوق سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے وحدت الوجود کا عقیدہ بنیادی شرط ہے۔ وہ کہتا تھا کہ ابن سینا اور ابن رشد نیچرلسٹ بھی تھے۔

ہیرمن لے Herman Ley

ہیرمن لے (پیدائش 1911ء) مشرقی جرمنی میں عہد وسطی کی فلاسفی پر اتھارٹی تسلیم کیا جاتا تھا۔ وہ ابن رشد کے خیالات سے بہت متاثر تھا اس لئے شام کے دو سکالرز طیب تازینی اور نیف بالوز بھی اس کے خیالات سے متاثر تھے۔ جرمنی ہی کے فلاسفر فریڈرک اینگلز نے کہا تھا کہ عربوں کا لائف سینٹرڈ فری تھاٹ رومن لوگوں سے بہت اعلی تھا جس کی بناء پر مادیت اور مارکسزم کا آغاز ہوا۔ ایک سوویٹ سکالر اے وی سگادیو A.V. Saghadeev نے ابن رشد کی سوانح پر کتاب لکھی اور کہا کہ ابن رشد کی تعلیمات سے ارسطو کی تعلیمات مادہ پرستی میں ٹرانسفارم ہوگئیں جس کا ذکر گریٹ سوویٹ انسائیکلوپیڈیا میں بھی کیا گیا۔ تاہم ایک اور سکالر نے کہا ہے کہ الفارابی، ابن سینا، الغزالی اور ابن رشد نے اپنا فلاسفیکل اور سائینٹفک علم اسلام کے دفاع میں استعمال کیا۔

ابن رشد ہمارے دور میں

تیرھویں صدی سے لے کر سترھویں صدی کے نصف تک یورپ کے سکالرز ارسطو کی کتابیں ابن رشد کی تفاسیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اٹلی کے نامور پینٹر رافیل (Raphael) نے پلاسٹر کے اوپر ایک پینٹنگ بنائی جس کا نام دی سکول آف ایتھنز 11-1510ء ہے۔ یہ ویٹیکن (اٹلی) کے سٹیلا ڈیلا سگناٹورا (Stella della Segnatura) میں رکھی ہوئی ہے۔ اس پینٹنگ میں ابن رشد کو فیثا غورث کے پیچھے اس کے کندھوں کے اوپر سے دیکھتا ہوا دکھایا گیا ہے۔

مصر کے فلم ڈائریکٹر یوسف شاہین نے 1997ء میں ایک فلم ڈیس ٹنی (Destiny) بنائی جس میں فنڈا مینٹلزم سے پیدا ہونے والے خطرات سے آگاہ کیا گیا تھا۔ یہ فلم انہوں نے ابن رشد کی زندگی سے انسپائر ہو کر بنائی تھی۔ ابن رشد کی زندگی پر انہوں نے جو فلم بنائی اس کا نام فیٹ (FATE) تھا۔ اس میں ابن رشد کے سنہری کارناموں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

ارجنٹینا (ساؤتھ امریکہ) کے ادیب جورگ لوئیس بورگز (Borges) نے ایک شارٹ سٹوری لکھی جس کا نام ایوروس سرچ "Averroes search" ہے۔ اس میں ابن رشد کو اپنی لائبریری میں مصروف لفظ ٹریجڈی اور کامیڈی کے معمہ کو حل کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس کہانی کا پس منظر یہ ہے کہ رینان نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ

ابن رشد نے کتاب الشعر (Poetics) کی جو تلخیص لکھی تو اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو یونانی لٹریچر کا علم بہت کم تھا۔ وہ ٹریجڈی اور کامیڈی میں فرق کو نہ جان سکے، اس لئے ان کی مثالیں عربی کے لٹریچر (مدحیہ اور طنزیہ نظموں) بلکہ قرآن مجید میں تلاش کرنے کی بے سود کوشش کرتے رہے۔

ابن رشد کا مجسمہ قرطبہ شہر کے پرانے حصہ میں موجود ہے راقم السطور نے اس کو 1999ء میں وزٹ کیا تھا۔ یہ مجسمہ سنگ تراشی کا نادر شاہکار ہے۔ بائیں ہاتھ میں انہوں نے کتاب تھامی ہوئی ہے اور ان کو اٹھتے ہوئے دکھایا گیا ہے گویا کسی مہمان کا استقبال کرنے کیلئے اٹھنے ہی والے ہیں۔ ان کے جوتے نوک دار ہیں، خوبصورت ڈاڑھی تراشی ہوئی ہے۔ اسی طرح یونیورسٹی آف بارسی لونا (Barcelona) کے گرجا کے پیش دالان میں بھی ان کا ایک مجسمہ موجود ہے۔ قرطبہ میں ایک تھری سٹار شاندار ہوٹل کا نام ہوٹل ایوروس ہے۔ قرطبہ کے ایک میوزیم میں ان کی موم سے بنی قد آدم تصویر (wax figure) موجود ہے۔ فیض (مراکش) میں ایک ایلیمنٹری سکول کا نام ابن رشد ہے۔ شکاگو (امریکہ) میں ایک اسلامک سکول (ایوروئیس اکیڈیمی) گزشتہ پانچ سال سے بچوں کو ایلیمنٹری تعلیم دینے میں مصروف کار ہے۔ مزید معلومات کے لئے ان کی ویب سائٹ دیکھیں: www.averroesacademy.org۔ چاند کا ایک فرضی ٹکڑا ابن رشد کے نام سے منسوب ہے جس کا عرض بلد 11.7S اور طول بلد 21.7E ہے اس کا قطر 32 میل کا ہے۔ (دیکھئے ڈایاگرام)۔ ینبوع (سعودی عرب) میں ایک کیمیکل پلانٹ کا نام ابن رشد پلانٹ ہے۔

جرمنی سے ابن رشد کی یاد میں ایک انعام 'ابن رشد پرائز فار فری ڈم آف تھاٹ' (مؤسسہ ابن رشد للفکر الحر) ابن رشد کی آٹھ سو سالہ وفات کے عین روز یعنی دس دسمبر 1998ء کو برلن (جرمنی) میں جاری کیا گیا تھا۔ 1999ء میں یہ انعام الجزیرہ ٹیلی ویژن کو عرب ممالک میں آزادی تقریر کی اشاعت کرنے پر دیا گیا تھا۔ اس کا

نصب العین اندلسی فلاسفر ابن رشد کے آئیڈیاز خاص طور پر فری ڈم آف تھاٹ کو اجاگر کرنا ہے۔ اس انعام کے لئے ایسے کسی عرب سکالر ہمرد یا عورت، کا نام پیش کیا جا سکتا ہے جس نے اسلامی فکر کی اصلاح میں بنیادی کام کیا ہو اور جو اسلامک ٹریڈیشن اور ماڈرنٹی میں مفاہمت پیدا کرنا چاہتا ہو۔ امیدوار کے علمی کارنامے نے عرب دنیا میں فوری اثر دکھایا ہو۔ یہ انعام اس سال نومبر 2005ء میں برلن میں دیا جائیگا، اس کے ساتھ پانچ ہزار ڈالر کا نقد انعام ہوگا امیدوار نے اس سلسلہ میں جو کام کیا ہے یا اگر کوئی کتاب لکھی ہو تو اس کی تفصیل ای میل پر بھیجی جا سکتی ہے۔ info@ibn-rushd.org۔ یا ویب سائٹ کا ایڈریس نوٹ فرمائیں www.ibn-rushd.org

کوئینز یونیورسٹی کی کیٹیلاگ میں مائیکروفلم (EEB 884:5) پر موجود ابن رشد اور یونان کے ایک نوبل مین میٹروڈورس (Metrodorus) کے درمیان خط و کتابت کا علم ہونے پر خوشی کی انتہا نہ رہی۔ دونوں میں یہ خط و کتابت 1150-1149ء میں ہوئی تھی۔ اس خط و کتابت کو لندن کی ٹی سول کمپنی نے 1695ء میں کتابی صورت میں لندن سے شائع کیا تھا اور یونیورسٹی مائیکروفلم (این آربر، مشی گن، امریکہ) نے اس کو 1976ء میں مائیکروفلم پر محفوظ کیا تھا۔ میں صرف اس کا پہلا صفحہ پڑھ سکا جس کے عنوان ہے: Being a Transcript of several letters from Averroes an Arabian Philosopher at Corduba in Spain, to Metrodorus a Young Grecian Nobleman, student at Athens, in the Years 1149 and 1150.

مائیکروفلم کی فوٹو کاپی بھی کی مگر پڑھنے کے قابل نہ تھی، کاش میں اس مکمل خط و کتابت کو پڑھ سکتا جو دونوں کے درمیان میڈیسن کے مسائل پر ہوئی تھی۔ عاجز نے یونیورسٹی مائیکروفلم کو خط لکھا کہ اگر ان کے پاس اچھی کاپی ہو تو مجھے اس کی فوٹو کاپیاں بھجوائیں، مگر کسی نے میری درخواست کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ کاش میرے بعد کوئی اور اس خط و کتابت کو انگلش سے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کر سکے۔

اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسکو کے ڈائریکٹر جنرل ایف میئر (F. Mayor) اور ہالینڈ کے سیکرٹری آف ایجوکیشن نے 25 جنوری 1997ء کو ایوروس فاؤنڈیشن ٹریننگ سینٹر کا افتتاح ایمسٹرڈیم کے شہر میں کیا۔ ایوروس سینٹر کو بچوں کے والدین، صوبائی حکومت اور لوکل گورنمنٹ آپس میں مل چلائیں گے۔

جون 1998ء میں فرانس کی یونیورسٹی آف سوربون (Sorbonne) میں ابن رشد کی آٹھویں صد سالہ برسی پورے جوش و خروش کے ساتھ منائی گئی۔ اس موقعہ پر مصر کے فلم ڈائریکٹر یوسف شاہین کی فلم فیٹ (Fate) دکھائی گئی۔ اکتوبر 1998ء میں قرطبہ میں ابن رشد 800 سالہ برسی بھی بڑے اہتمام کے ساتھ منائی گئی۔ اندلس کے صوبہ کی منسٹری آف کلچر کے مشیر نے اس موقعہ پر کہا کہ ہمارے زمانے میں اگر ابن رشد کے رتبہ کے انسان پیدا ہوتے تو ہم ہر قسم کے تشدد اور انتہا پسندی کا مقابلہ بخوبی کر سکتے۔ اس موقعہ پر ابن رشد کی زندگی پر تین کتابیں شائع کی گئیں۔ ایک کتاب میں ابن رشد کی تمام سے اقتباسات دئے گئے ہیں، یہ کتاب اندلس کے سیکنڈری سکولوں میں تقسیم کی جائیگی۔ اشبیلیہ اور مالاگا میں بھی ایسی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ اشبیلیہ کی کانفرنس کیلئے مراکش کے کراؤن پرنس سدی محمد نے اپنے پیغام میں کہا کہ ابن رشد کی زندگی ایک بات جو ہمیں سکھلاتی ہے اس کا ماحصل جو ہے وہ یہ ہے: value of tolerance and religious co-existence۔ اس آٹھویں صد سالہ برسی کے موقعہ پر مراکش،

سپین، پرتگال سے لائے گئے نوادرات کی نمائش کی گئی۔

قاہرہ میں ایک سوسائٹی کا نام ایوروس اینڈ این لائٹ منٹ ایسوسی ایشن ہے۔ اس کے جملہ مقاصد میں سے تین اہم مقاصد درج ذیل ہیں: عقلیت، عورتوں کے حقوق اور عالم اسلام میں اوپن سوسائٹی۔ جون 2004ء میں ابو ذہبی میں ایک کانفرنس اس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام منعقد ہوئی جس کا عنوان تھا: Rationality as a bridge between East & West۔ یاد رہے کہ شام کے ملک میں آپ کی کتابوں پر ابھی تک پابندی ہے۔

پرنس چارلس اور ابن رشد

آج سے دس سال قبل برطانیہ کے پرنس چارلس، دی پرنس آف ویلز نے 'اسلام اینڈ دی ویسٹ' کے عنوان پر تقریر کی اور فرمایا: "سپین میں اسلامک کلچر اور سوسائٹی کے آٹھ سو سال کے قیام یعنی آٹھویں صدی سے لیکر پندرھویں صدی تک کی اہمیت کو جاننے میں ہمیں غلطی لگی ہے۔ کلاسیکل کتابوں کے بچاؤ اور نشاۃ ثانیہ کے شروع ہونے میں اسلامک سپین نے جو کنٹری بیوشن کی وہ سب تسلیم کر چکے ہیں۔ نہ صرف اسلامک سپین نے پرانی یونانی کتابوں اور رومن تہذیب کے علمی و فکری کام کو محفوظ کیا بلکہ ان کی کتابوں کی تفاسیر لکھ کر ان کی تہذیب کو مزید وسعت دی۔ یوں انہوں نے سائنس، اسٹرانومی، ریاضی، الجبراء، لاء، ہسٹری، میڈیسن، فارماکالوجی، آپٹکس، ایگری کلچر، تھیالوجی، میوزک، میں اہم کنٹری بیوشن کیں۔ ابن رشد اور ابن زہر نے اپنے پیش رو عالموں الرازی، ابن سینا کی طرح میڈیسن کی سٹڈی اور پریکٹس میں جس طریق سے کنٹری بیوٹ کیا اس سے صدیوں بعد یورپ نے استفادہ کیا۔"

اب ابن رشد کی زندگی پر کتابوں کی فہرست پیش کی جاتی ہے نیز وہ کتابیں جو اس وقت دنیا کے بڑے بڑے بک سٹورز سے خریدی جاسکتی ہیں۔

عربی زبان میں کتابیں:

بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ۔ ایڈیٹر عبدالموجود بیروت 1996

فصل المقال ایڈیٹر عبدالنادر بیروت 1961

جوامع کون الفساد (رسائل ابن رشد ۔ جوامع السماء الطبعی ایڈیٹر M. Puig میڈرڈ 1983

الکشف المناہج الادلیہ ایڈیٹر ایم قاسم قاہرہ، 1961

کتاب السماء الطبعی (جوامع) ایڈیٹر J. Puig میڈرڈ 1983

الکلیات فی الطب ایڈیٹر ایس شیبان اور الطالبی قاہرہ، 1989

رسائل ابن رشد، دائرۃ المعارف، حیدرآباد 1947

رسائل ابن رشد الطبیہ ایڈیٹر جی ایس اناواتی، قاہرہ 1987

رسالۃ الاتصال بالعقل الفاعل ایڈیٹر الاحوانی

تفسیر مابعد الطبیعۃ ایڈیٹر M. Bouyges بیروت 1938-1952

تہافۃ التہافۃ ایڈیٹر M. Bouyges بیروت 1930

تلخیص کتاب الحس والمحسوس، ایڈیٹر M. Blumberg کیمبرج میساچوسٹس امریکہ 1972

تلخیص کتاب الکون والفساد ایڈیٹر S. Kurland کیمبرج میساچوسٹس 1958

تلخیص کتاب الخطابہ ایڈیٹر ایم ایس سلیم قاہرہ 1971

تلخیص کتاب الماکولات ایڈیٹر M. Bouyges بیروت 1932

تلخیص کتاب النفس ایڈیٹر G. Nogales میڈرڈ 1985

تلخیص کتاب الشعر ایڈیٹر چارلس بٹر ورتھ C. Butterworth قاہرہ 1986

تلخیص (جوامع) کتاب مابعد الطبیعہ ایڈیٹر عثمان امین قاہرہ 1958

تلخیص منطق ارسطو ایڈیٹر G. Jihami بیروت 1982

ابن رشد الطبیب ۔ دار المعارف قاہرہ 1953

مصادر جدیدہ عن تاریخ الطب عند العرب ۔ 1959

ابن رشد و فلسفتہ ۔ فرح انطون، ایڈیٹر الجامعہ (رینان کی کتاب کا نامکمل خلاصہ) دارلفارابی، بیروت 1988

فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب ۔محمد لطفی جمعہ

کتاب الآثار الادھار ۔بیروت کے دو عالموں نے مشاہیر عرب کے حالات زندگی پر لکھی اور ابن رشد کا مفصل ذکر کیا۔

من الکندی الی ابن رشد ۔ موسیٰ الموسی، بیروت 1982

فی فلسفۃ ابن رشد الوجود والخلود ۔ محمد عبد الرحمن بیصار ۔دارلکتاب البنانی بیروت 1973

ابن رشد، فیلسوف قرطبہ ۔ ماجد فخری بیروت 1960

مؤتمر ابن رشد: الذکرہ الماویہ الثمینہ لوفاتہ ۔ 4-9 Nov 1978 Algiers الموسسہ الوطنیہ الفنون المطبیعہ 1985

ابن رشد الفیلسوف ۔محمد یوسف موسیٰ، دار احیاء الکتوب العربیہ , قاہرہ 1945

آکسفورڈ یونیورسٹی کی لائبریری میں کتابیں

عباس محمود عقاد،(1889-1964)۔ابن رشد۔ دائرہ المعارف قاہرہ 1955

کامل محمد عویدا ۔ابن رشد اندلسی فیلسفوف العرب والمسلمون ۔دائرہ کتوب العلمیہ بیروت 1993

یو حنا قمیر۔ابن رشد والغزالی ۔دارالمشرق بیروت ۔1969

محمد عربے بی ۔ابن رشد وفلسفۃ الاسلام ۔دارالفکر لبنانی بیروت 1992

محمود قا سم ۔ابن رشد وفلسفۃ الدینیہ ۔مکتبہ المصریہ قاہرہ 1969

اردو میں

ابن رشد از قلم نواب عمادالملک مولوی سید حسین بلگرامی ۔اردو زبان میں پہلا مضمون جو ان کے مجموعہ مضامین شامل ہے۔

ابن رشد از قلم شبلی نعمانی ۔الندوہ میں شائع ہونے والا طویل مضمون

ابن رشد از ارنسٹ رینان ۔فرنچ سے اردو ترجمہ از معشوق حسین خاں۔دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، انڈیا 1929

ابن رشد از قلم عبدالواحد خاں (لائبریری آف کانگریس)،320 صفحات

ابن رشد از قلم محمد یونس فرنگی محل، اعظم گڑھ، انڈیا 1922 (ہجری ۱۳۴۲)

حکمائے اسلام حصہ دوم از قلم مولانا عبدالسلام ندوی مطبع معارف اعظم گڑھ۔سو صفحات پر مشتمل ابن رشد کے حالات زندگی 1956

ابن رشد القرطبی از قلم محمد زکریا ورک ،سینٹر فار پروموشن آف سائنس، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انڈیا 2005

انگلش میں

ابن رشد از ارنسٹ رینان فرنچ سے انگریزی ترجمہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سکندرآباد 1922

Roger Arnaldez Averroes - A rationalist in Islam, Notre Dame, Indiana

Majid Fakhry Islamic Philosophy, Theology, and Mysticism , Oxford 1997

Ibrahim Najjar,،Faith and Reason in Islam, Ibn Rushd, Oxford, 2001

E. Rosenthal،Commentary on Plato's Republic, Averroes , Cambridge 1956

Simon Von Den Bergh,The Incoherence of the Incoherence translated, Oxford U.P. 1954

Oliver Leaman, Averroes and his Philosophy, Oxford, Clarendon Press, 1988

M.C. Hernandez, Ibn Rushed, London, 1997

Dominique Urvoy, Ibn Rushd, American University in Cairo Press, Cairo, 1991

S.H. Nasr, History of Islamic Philosophy, Routledge, London, 1996

فرنچ میں

S. Munk, Melanges des philosophie juive et arabe, A. Franck, Paris, 1859

Corbin, H, Histoire de la philosophie ilsamique, Paris, Gallimard, 1964

Gauthier, L, Ibn Roshd (Averroes), Paris, Presses Universitaires de France, 1948

جرمن میں

De Boer, T.J. Geschichte der Philosophie in Islam, Stuttgart, Frommanns Verlag, 1901

Translated into English by E.R. Jones, London, Luzac, 1903

....

﴿مصنف کا تعارف﴾

محمد زکریا ورک گورداسپور، ہندوستان میں 28 جون 1946ء کو بزم افروز جہاں ہوئے۔ کراچی سے قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد 1971ء میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جرمنی کی پرانی شہرہ آفاق یونیورسٹی گوٹھنگن میں تعلیم کے لئے آ گئے۔ آپ 1973ء سے کینیڈا میں اپنی فیملی کے ساتھ مقیم ہیں۔

آپ گزشتہ تیس سال سے کینیڈا میں اردو ادب کے فروغ کے سلسلے میں فروغ عمل ہیں۔ آپ کی نگارشات کینیڈا، ہندوستان، برطانیہ، امریکہ اور پاکستان کے مؤقر جرائد اور اخبارات کی زینت بن چکی ہیں۔ بطور مترجم آپ دو کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ بطور مؤلف نوبل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبد السلام کی عہد آفریں زندگی پر دو کتابیں تالیف کر چکے ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان میں ان کو مقابلہ ہائے مضمون نویسی میں انعامات مل چکے ہیں۔ 1996ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مجلّہ تہذیب الاخلاق کے مقابلہ مضمون نویسی 'قوموں کے عروج و زوال میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا کردار' میں ان کو اول انعام دیا گیا۔ اردو، عربی، جرمن اور انگریزی زبانوں پر ان کو ملکہ حاصل ہے۔ 'اسلام اور سائنس' پر دو درجن سے زیادہ ان کے مضامین داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

سیر و سیاحت کے علاوہ وہ مطالعے کے بھی رسیا ہیں۔ 1997ء میں حرمین شریفین کی زیارت کے بعد ان کو پاکستان اور ہندوستان کی سیاحت کا موقعہ ملا۔ کینیڈا کے صوبہ اونٹاریو کی منسٹری آف ہیلتھ کے کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ سے عنقریب ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کینیڈا میں اردو ادب کی تاریخ قلم بند کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مارچ 2005ء میں مرکز فروغ سائنس، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (انڈیا) نے ان کی کتاب 'مسلمانوں کے سائنسی کارنامے' زیور طبع سے آراستہ کی۔ مرکز فروغ سائنس ہی کے زیر اہتمام علامہ ابن رشد کی زندگی پر یہ تازہ کتاب شائع کی جا رہی ہے۔ zakariav@hotmail.com

----

علم کلام کی تعریف

کلام کے لغوی معنی ہیں بات کرنے ہیں۔ علم کلام اس فن کا نام ہے جس میں اپنے عقائد عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کئے جائیں۔ ابن خلدون نے صرف عقلی دلائل کو اس تعریف میں شامل کیا ہے۔ یہ علم فلسفیوں اور منطقیوں کے جواب میں معرض وجود میں آیا اور اس وقت فلسفہ و منطق کے لئے عقلی دلائل ہی کارگر تھے۔ منطق کے معنی بولنا کے ہیں اور چونکہ یہ علم منطق کے خلاف ایجاد ہوا تھا اس لئے اس نام کلام رکھا گیا۔ گویا کلام منطق کا مترادف ہے۔ اسلام نے کبھی دلائل عقلیہ سے غلبہ پایا اور کبھی دلائل نقلیہ سے۔

جہاں تک revealed truth اور observational truth کا تعلق ہے ابن رشد کا کہنا تھا کہ یہ متوازی حقیقتیں ہیں۔ ہر دو میں سے ہر ایک کو ویسے ہی قبول کرنا چاہئے اور ان کے درمیان تعلق یا تضادات کی بحث اٹھانی ضروری نہیں۔ سپین میں اس وقت مسلمان سائنسدان مشاہداتی اور تجرباتی سچائیوں کی تلاش میں بڑی تیزی سے آگے قدم بڑھا رہے تھے جبکہ قدامت پسند علماء ان نئے نظریات اور تجربات کے خلاف الحاد کے فتوے دے رہے تھے۔ اس لئے ابن رشد نے امن اسی میں دیکھا کہ ان بحثوں میں الجھنے کی بجائے ان سے چھٹکارا حاصل کیا جائے اور سائنسی ترقی کے پہیوں کے آزادی سے گھومتے ہوئے آگے بڑھنے دیا جائے۔

پس جہاں تک عقلیت کی نشو و نما کا تعلق ہے دراصل اندلس کی اسلامی حکومت کے دور میں عقلیت نے مذہبی تعصبات کی زنجیروں سے آزاد بے روک ٹوک آگے قدم بڑھایا اور یہی عقلیت پسندی کی دور ہے جس نے کثرت سے ایسی سائنسز کو جنم دیا جو یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔